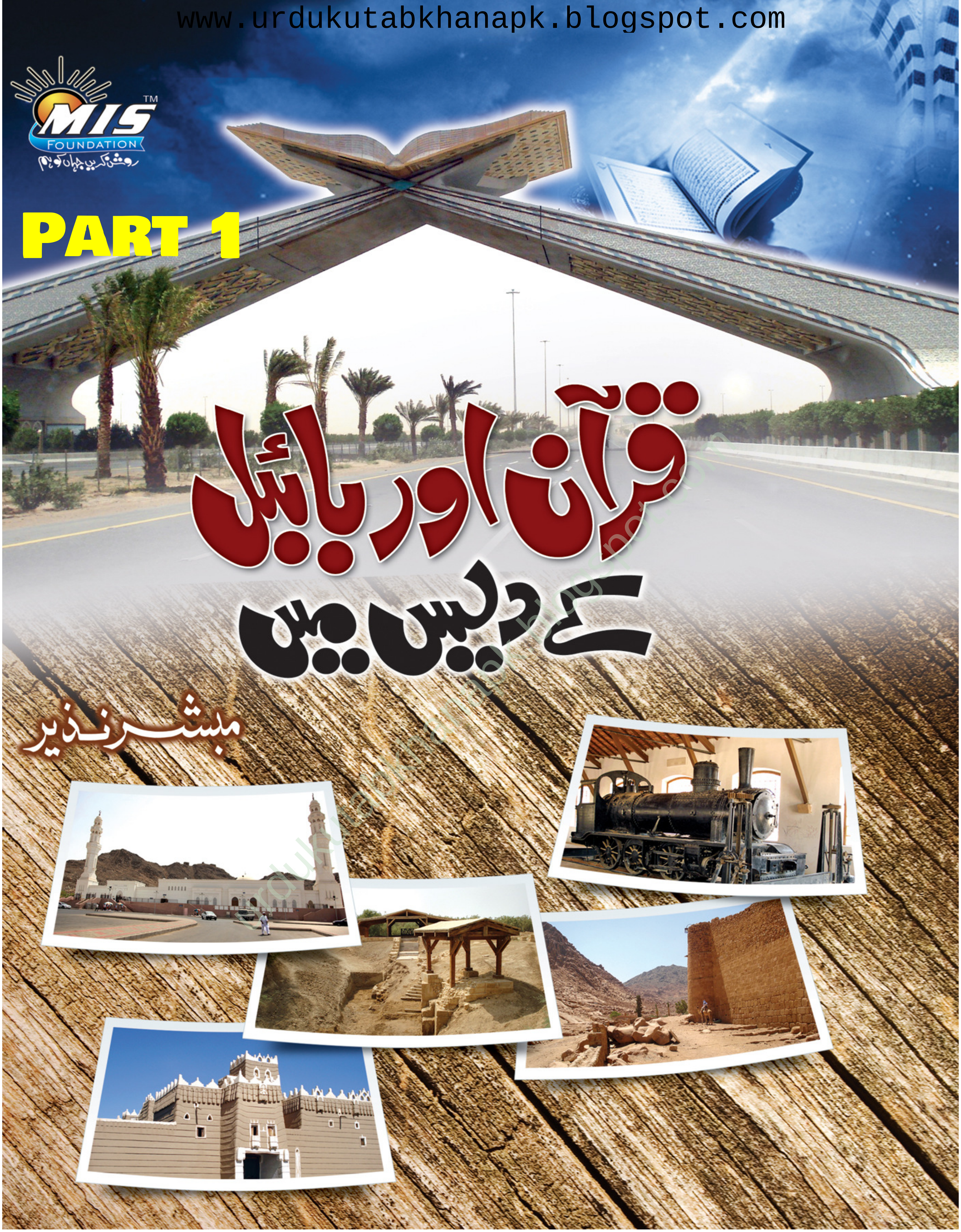

MIS FOUNDATION
روشن کریں جہاں کو ہم
PART 1
قرآن اور بائبل کے دیس میں
مبشر نذیر

قرآن اور بائبل کے دیس میں

2006-07

حصہ اول

محمد مبشر نذیر

یہ کتاب ان مقامات کے سفر نامے پر مشتمل ہے جن کا ذکر قرآن مجید، احادیث اور بائبل میں کیا گیا ہے

انتساب

میری والدہ محترمہ کے نام جن کی ان تھک محنت اور کاوشوں نے مجھے اس قابل بنایا کہ یہ سفر نامہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔

فہرست

دیباچہ

سفر میرا شوق ہے۔ میں ہمیشہ سے سفر کرنے میں خاصا لطف اندوز ہوتا ہوں۔ دوران سفر انسان اپنی روزمرہ کی زندگی سے نکل کر فطری زندگی کی طرف لوٹتا ہے۔ شہر کی مصنوعی زندگی کی نسبت ہرے بھرے پہاڑوں، سر سبز و شاداب کھیتوں، لق و دق صحراؤں، شوریدہ دریاؤں، نیلے ساحلوں، اور پر سکون جھیلوں کی زندگی میرے لئے بہت کشش کی حامل ہے۔ رب کریم کی بنائی ہوئی یہ دنیا انسانوں کی بنائی ہوئی دنیا سے بہت مختلف ہے۔ اس میں ایک سکون ہے جو ہر صاحب ذوق کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ سفر میں انسان دوسرے علاقوں کے رہنے والے انسانوں سے بھی ملتا جلتا ہے۔ ان کے رسم و رواج، قوانین، رہن سہن، لائف اسٹائل اور لین دین کے طریقوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ آثار قدیمہ کے مطالعے سے قدیم دور کے انسان کی زندگی کے انہی پہلوؤں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ اس سب میں سیکھنے کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں جو انسان کی اپنی عملی زندگی میں کام آتے ہیں۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سفر وسیلہ ظفر۔

زیر نظر سفر نامہ میرے ان اسفار کی روداد ہے، جو سعودی عرب میں دوران قیام میں نے دنیائے عرب کے مختلف حصوں کی طرف کئے۔ مجھے ان جگہوں کو دیکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی بسر فرمائی۔ ان مقامات کے علاوہ میں نے یہ بھی کوشش کی کہ ان مقامات کو بھی دیکھا جائے جن کا ذکر قرآن مجید اور بائبل میں کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوتی زندگی کا مطالعہ کرنا تھا۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ان مقامات سے متعلق قرآنی آیات، احادیث اور بائبل کی آیات کے حوالے بھی ساتھ ہی فراہم کر دوں تا کہ وہ لوگ جو میری طرح یہ شوق رکھتے ہوں، اس سے استفادہ کر سکیں۔ مزید بر آں ان مقامات کے سیٹلائٹ نقشے بھی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ بعد میں ان مقامات کی سیاحت کرنے والے آسانی سے انہیں تلاش کر سکیں۔ اس کے لئے میں گوگل ارتھ کا شکر گزار ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں محترم بھائی محمد ہاشم عارف کا بھی شکر گزار ہوں جن کی بہت سی تصاویر اس سفر نامے کا حصہ ہیں۔

یہ عرض کرتا چلوں کہ سفر نامے میں دی گئی معلومات 2006-07 کی ہیں۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ بہت سی چیزیں وقت کے ساتھ تبدیل ہو چکی ہوں۔ اس کوشش میں میں کتنا کامیاب ہوا ہوں، اس کا اندازہ آپ کے تاثرات سے ہو گا۔

محمد مبشر نذیر

روانگی برائے سعودی عرب

میں بیرون ملک ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس ضمن میں سب سے بہتر ذریعہ انٹرنیٹ تھا۔ دسمبر 2005 میں مجھے سعودی عرب کی ایک پروفیشنل آڈٹ فرم کی طرف سے ای میل وصول ہوئی جس میں انہوں نے تازہ ترین سی وی اور انٹرویو کے وقت کا مطالبہ کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس فرم میں میں نے کبھی اپلائی نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے bayt.com سے میرا سی وی تلاش کر کے مجھ سے خود ہی رابطہ کیا تھا۔ ایک ٹیلی فونک انٹرویو کے بعد انہوں نے مجھے جاب آفر دے دی۔ مجھے جدہ میں رہنا تھا۔

دوسرے لوگوں کے برعکس میرے لئے سب سے آئیڈیل جگہ سعودی عرب ہی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حرمین شریفین کی قربت اور سعودی عرب کا ماحول ہمارے پورے خاندان کی دینی تربیت کے لئے آئیڈیل ہے۔ بشمول پاکستان، دنیا بھر میں بے حیائی جس طرح پھیل رہی ہے، اس سے اپنی آئندہ نسلوں کو بچانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ سعودی عرب کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہاں اگر کوئی بے حیائی کا شوقین ہے تو اس کی بے حیائی چار دیواری کے اندر محدود ہے۔ گھر سے باہر ہر خاتون اور مرد باحیا لباس میں ہی نظر آتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی اپنی اولاد کو بے حیائی سے بچانا چاہے تو اس کے لئے خاصی آسانیاں موجود ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر میں نے اس فرم میں جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ویزا پراسیسنگ

جنوری 2006 ویزا پراسیسنگ میں گزرا۔ سعودی قوانین کے مطابق ان کا امیگریشن آفس کسی کمپنی کی درخواست پر اسے مختلف قومیتوں کے لئے ویزے جاری کرتا ہے۔ اس میں کسی متعین شخص کا نام نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک ویزا تین پاکستانیوں اور چار بھارتیوں کے لئے جاری ہو سکتا ہے۔ وہ کمپنی خود ہی اپنی مرضی کے تین پاکستانی اور چار بھارتی تلاش کر کے متعلقہ سفارت خانوں کے ذریعے ان کا ویزا پراسیس کروا سکتی ہے۔ میری فرم نے تمام ضروری کاغذات مجھے کوریئر کے ذریعے بھیج دیے تھے۔ پاکستان میں ویزا پراسیسنگ کے لئے کسی ریکروٹنگ ایجنٹ کے ذریعے پراسیس کروانا ضروری ہے۔ میں نے ایک دوست کے ذریعے الجدید مین پاور سروسز سے رابطہ کیا اور اپنے کاغذات انہیں دے دیے۔ انہوں نے مجھے ڈگری کی تصدیق کروا کے لانے کو کہا۔ یہ تصدیق متعلقہ یونیورسٹی، ہایئر ایجوکیشن کمیشن، وزارت خارجہ، سعودی کلچرل سینٹر اور سعودی سفارت خانے سے ہونا تھی۔

میں کراچی میں مقیم تھا اور میرا ویزا اسلام آباد ایمبیسی کا تھا۔ میں اپنی موجودہ کمپنی سے چھٹی لے کر پہلے لاہور گیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے تصدیق کروانے کے اسلام آباد پہنچا۔ وہاں چار جگہ سے تصدیق کروانے میں دو ہفتے نکل گئے۔ اسی پھیرے میں میں نے اپنی فیملی کے کاغذات یعنی نکاح نامہ اور بچوں کے برتھ سرٹیفکیٹ کی تصدیق بھی کروالی جو کہ وزارت خارجہ اور سعودی ایمبیسی سے ہونا ضروری

تھی۔ تصدیق کے بعد میں نے ڈاکومینٹس الجرید والوں کو دیے تو انہوں نے محض چار دن میں ویزا لگوا کر پاسپورٹ میرے حوالے کر دیا۔

اپنی موجودہ ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد میرا ارادہ جلد از جلد روانگی کا تھا۔ ان دنوں ابھی حج ختم ہوا تھا اور عمرہ کے ویزوں کا اجرا شروع نہ ہوا تھا اس لئے فلائیٹیں تقریباً خالی تھیں۔ میں نے سعودی ائر لائن کی ایک فلائیٹ پر سیٹ بک کروائی اور 10 فروری 2006 کو جدہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

روانگی

سفر ناموں کے اکثر مصنفین اپنے سفر پی آئی اے سے کرتے ہیں اور اس کی ناقص کارکردگی کا رونا روتے ہیں۔ بے چاری پی آئی اے کو محض قومی ائر لائن ہونے کے باعث یہ سب باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں ورنہ میرا تجربہ ہے کہ پی آئی اے کی سروس اتنی بھی بری نہیں ہے جتنی مصنفین بیان کرتے ہیں۔ میں نے چونکہ اپنے سفر کے لئے سعودی ائر لائن کا انتخاب کیا تھا اس لئے قارئین کے ذوق کی تسکین کرنے کے لئے میرے پاس کوئی خاص مواد موجود نہیں ہے۔ چونکہ نظریاتی طور پر میں قوم پرستی کے فلسفے کا قائل نہیں ہوں، اس لئے کبھی بھی میں بین الاقوامی روٹ پر قومی ائر لائن سے سفر نہیں کرتا۔ قومی ائر لائن کونسا اپنے ہم قوم افراد کو کم ریٹ پر اعلیٰ سروس پیش کرتی ہے جو ہم خصوصی طور پر اس کی رعایت کریں۔ ہم بھی اسی ائر لائن کا انتخاب کریں گے جو کم سے کم کرائے میں اچھی سے اچھی سروس پیش کرے گی۔

قوم پرستی کے معاملے میں، میں اقبال کے اس فلسفے کا قائل ہوں کہ:

ان تازہ خداؤں میں سب سے بڑا وطن ہے
جو اس کا پیرہن ہے وہ ملت کا کفن ہے

قومیت کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ ملک یا قوم ایک بہت بڑے خاندان سے مشابہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا خاندان ترقی کرے۔ دوسرے خاندانوں کے مقابلے میں اسے نمایاں مقام اور عزت حاصل ہو۔ اس حد تک قوم پرستی کا میں بھی قائل ہوں۔ ہم سب کو مل کر اپنے ملک اور قوم کی سربلندی اور ترقی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر جب ملک و قوم، خدا کا مقام حاصل کر لے اور انسان دوسری اقوام کے لئے تعصب میں مبتلا ہو جائے تو پھر یہ قوم پرستی انسانیت کے لئے مہلک بن جاتی ہے۔ بیسویں صدی کا آغاز قوم پرستی کے فلسفے کے عروج کا زمانہ تھا۔ تمام یورپی اقوام اپنے ملک و قوم کی محبت میں ڈوب کر دوسری اقوام پر چڑھ دوڑیں جس کے نتیجے میں انہیں دو ایسی جنگوں سے گزرنا پڑا جنہوں نے انسانیت کو تباہی کے سوا کچھ نہ دیا۔

فلائیٹ کے لئے اعلان مقررہ وقت سے ایک گھنٹا پہلے ہی کر دیا گیا۔ میں بڑے اطمینان سے کراچی ائر پورٹ کے سی آئی پی لاؤنج

کے کھانوں سے اپنے بینک کارڈ کے باعث مفت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ بہت وقت ہے۔ فلائیٹ کے وقت سے آدھا گھنٹہ قبل پہنچ جاؤں گا جو کہ عام دستور ہے۔ لاؤنج والوں نے فلائیٹ کے اعلان کو دوھراتے ہوئے مجھے زبانی کلامی دھکے دے کر وہاں سے نکالا۔ میں نے سارا سامان تو بک کروا دیا تھا اس لئے اب بالکل اس طرح خالی ہاتھ جا رہا تھا جیسے سکندر دنیا سے گیا تھا۔

ائر لائن کے عملے نے تیوری چڑھا کر میرا استقبال کیا۔ کہنے لگے جناب ہمارا ارادہ تو یہ تھا کہ فلائیٹ کو آدھا گھنٹہ قبل ہی روانہ کر دیں لیکن آپ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ دراصل اس پرواز میں صرف دس بارہ مسافر تھے، اس لئے ان کی خواہش تھی کہ جہاز انہیں لے کر جلد سے جلد روانہ ہو جائے۔ میرے جہاز میں گھستے ہی دروازہ ایسے بند کیا گیا جیسے ملزم کو حوالات میں دھکیل کر دروازہ بند کیا جاتا ہے اور پانچ منٹ کے اندر اندر جہاز پرواز کر گیا۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا کہ فلائیٹ تاخیر کی بجائے وقت سے پندرہ منٹ پہلے ہی روانہ ہو گئی تھی۔ اس سے میں نے یہ سبق حاصل کیا کہ آئندہ ہمیشہ فلائیٹ کے اعلان کے وقت ہی چلا جاؤں گا خواہ اس کے بعد جہاز میں بیٹھ کر تمام اردو اور انگریزی اخبارات کا بار بار مطالعہ کرنا پڑے۔

جہاز نے ٹیک آف کیا اور شارع فیصل کے اوپر سے ہوتا ہوا ملیر ندی کو کراس کر کے ڈیفنس کے اوپر آ گیا۔ بائیں جانب کورنگی کا علاقہ تھا اور دائیں جانب کلفٹن کا ساحل پھیلا ہوا تھا۔ کورنگی کریک پر پارکو کا آئل پمپنگ اسٹیشن نظر آ رہا تھا۔ ملک میں درآمد کئے جانے والے خام تیل (Crude Oil) کا زیادہ تر حصہ اسی اسٹیشن سے ملک کے وسط میں موجود پارکو کی آئل ریفائنری (Mid-Country Refinery) کو بذریعہ پائپ لائن بھیجا جاتا ہے۔ مڈ کنٹری ریفائنری کوٹ ادو کے قریب قصبہ گجرات میں واقع ہے اور ملک کے شمالی حصے کی تیل کی ضروریات پوری کرنے کے لئے لگائی گئی ہے۔ یہ ملک کے سب سے بڑی جدید ترین ریفائنری ہے اور ہمارے ملک کا بڑا اثاثہ ہے۔

پارکو میں نے ڈیڑھ سال ملازمت کی تھی اور بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ پارکو کی بدولت میں آئل انڈسٹری کے نشیب و فراز سے آگاہ ہوا تھا اور اسی تجربے کی بنیاد پر مجھے کویت پیٹرولیم کے پراجیکٹ کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ پارکو سے میری خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔ پمپنگ اسٹیشن کے تیل کے دیو ہیکل ٹینک اوپر سے چھوٹے چھوٹے دائرے لگ رہے تھے۔ تیل کے ٹینکوں کو کیمو فلاج کرنے کے لئے ان پر مٹی کا سا رنگ کیا جاتا ہے اور اوپر سبز رنگ کے پودے بھی بنائے جاتے ہیں تاکہ جنگ کی صورت میں دشمن کے ہوائی جہازوں کو یہ نظر نہ آ سکیں۔ مجھے تو ہوائی جہاز سے یہ صاف نظر آ رہے تھے جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کیمو فلاج کا یہ تکلف بالکل بے کار ہے۔ بہرحال ماہرین دفاع اس معاملے میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

مکران کے ساحل

جہاز اب ڈیفنس کریک کے اوپر سے گزرتا ہوا ساحل کے ساتھ ساتھ گوادر کی طرف پرواز کرنے لگا۔ نیلے سمندر میں دور دور تک پھیلے ہوئے بحری جہاز کھلونا کشتیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ چونکہ جہاز خالی تھا، اس لئے میں دائیں طرف کی کھڑکی پر آ بیٹھا تاکہ ساحل کا

نظارہ کر سکوں۔ کیماڑی پر تیل کا دیو ہیکل جہاز لگا ہوا تھا جو شاید راس تنورا کی سعودی بندر گاہ سے تیل لے کر کیماڑی پہنچا تھا۔ یہ بھی کھلونا کشتی کی مانند لگ رہا تھا۔ اوپر سے کنارے کے قریب سمندر کی تہہ بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ جوں جوں نگاہ ساحل سے دور ہوتی تھی، تہہ غائب ہوتی جاتی اور پانی کا رنگ گہرا نیلا ہوتا جاتا۔ نیلے رنگ کے چھ سات شیڈز میں بحیرہ عرب بہت خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک ہی رنگ کے شیڈز تو یقیناً کروڑوں میں ہوں گے لیکن ہماری آنکھ چھ سات شیڈز سے زیادہ فرق نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کمپیوٹر کی سکرین پر کروڑوں رنگوں کی موجودگی کا دعوی کیا جاتا ہے۔

جہاز کا عملہ، جس میں ائر ہوسٹسوں کی بجائے زیادہ تر ائر ہوسٹ یعنی اسٹیورڈ تھے، جلد از جلد کھانا سرو کرنے لگے تاکہ اس کے بعد انہیں گہری تان کر سونے کا موقع مل جائے۔ سعودی عام طور پر اپنی لڑکیوں کے لئے ائر ہوسٹس کے پیشے کو مناسب نہیں سمجھتے، اس لئے سعودی ائرلائن میں زیادہ تر اسٹیورڈ یا غیر ملکی ائر ہوسٹسیں پائی جاتی ہیں۔ جہاز کا فاصلہ اور رفتار بتانے والا میٹر ایک ہی مقام پر رکا ہوا تھا یعنی جدہ 2100 کلومیٹر۔ میں نے ایک اسٹیورڈ کی توجہ اس طرف مبذول کروائی تو وہ بولا، میں ابھی پائلٹ کو کہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ دوبارہ نظر نہ آیا۔ چونکہ جہاز خالی تھا، اس لئے کئی مسافروں نے درمیان کی چار کرسیوں کی ہتھیاں اوپر کیں اور لمبی تان کر سو گئے۔ مجھے سونے سے زیادہ فطرت کے مناظر دیکھنے کا شوق ہے اس لئے میں کھڑکی سے فطرت کا نظارہ کرتا رہا۔

کراچی کے کچھ فاصلے پر حب پاور کمپنی کا پلانٹ نظر آیا۔ یہ برطانیہ کی سب سے بڑی الیکٹرک کمپنی انٹرنیشنل پاور کے زیر انتظام ہے۔ انہوں نے اسے مکمل طور پر انوائرنمنٹ فرینڈلی بنایا ہوا ہے۔ چونکہ پاکستان کی حکومتوں نے بروقت ڈیم بنانے کی بجائے تھرمل پاور پر انحصار کیا ہے اس لئے تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے ساتھ ساتھ بجلی بھی مہنگی اور نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ حب سے آگے گڈانی کا شپ بریکنگ یارڈ تھا اور اس سے آگے مکران کے حسین ساحل جہاں پہاڑوں اور سمندر کا امتزاج فطرت کے شائقین کے لئے نت نئے مناظر سموئے ہوئے تھا۔

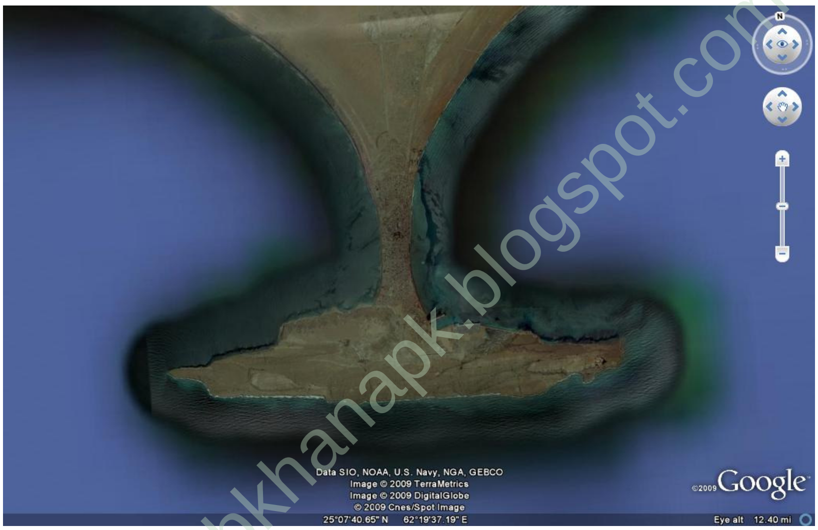
کراچی اور گوادر کے درمیان تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ کراچی اور بہاولپور کے درمیان۔ میں نے ان دونوں روٹس پر سفر کیا ہے۔ کراچی اور بہاولپور کے درمیان بیسیوں چھوٹے بڑے قصبے اور شہر آتے ہیں لیکن کراچی اور گوادر کے درمیان صرف تین شہر ہیں یعنی حب، اورماڑہ اور پسنی۔ پنجاب میں ہر پندرہ منٹ کے فاصلے پر ایک قصبہ اور ہر گھنٹے کے فاصلے پر لاکھوں کی آبادی کا شہر آتا ہے لیکن بلوچستان میں تین چار گھنٹے کے فاصلے پر جا کر ایک چھوٹا سا شہر آتا ہے جو پنجاب کے مریدکے یا کامونکے سے بڑا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں پنجاب کو زرخیز زمینوں سے نوازا ہے وہاں بلوچستان کو معدنی وسائل سے مالا مال کیا ہے۔

پنجاب اس لئے زیادہ ترقی کر گیا کہ وہاں کے لوگوں نے کافی حد تک جاگیردارانہ نظام سے نجات حاصل کر لی ہے جبکہ بلوچ ابھی تک اپنے سرداروں سے نجات حاصل نہیں کر سکے جو گیس اور دیگر معدنی وسائل کی رائلٹی پر قابض ہو کر بیٹھے ہیں اور اپنے غریب مزارعوں اور ہاریوں کے علاقے میں ایک پرائمری سکول بھی نہیں کھلنے دیتے۔ یہی کیفیت اب سے پچاس سال پہلے پنجاب کی تھی لیکن

اب کافی حد تک حالات تبدیل ہو چکے ہیں جس کی بنیادی وجہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔

پندرہ منٹ کی پرواز کے بعد ہم اورماڑہ کے پاس سے گزرے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں نیوی کی ایک بڑی بیس ہے۔ فضا سے اورماڑہ کسی جام کے پینیدے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ ساحل سے صراحی کی گردن کی طرح ایک پٹی نکل رہی تھی جو سمندر کے بیچ میں پہنچ کر چوڑی ہو رہی تھی۔ یہ ایک نہایت ہی دلفریب منظر تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد ہم گوادر کے ساحل پر تھے جو اورماڑہ کی طرح کی ایک پٹی پر مشتمل تھا جو سمندر کے اندر کسی جام کی پینیدے کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔

گوادر کے ساحل



چونکہ اس علاقے میں سمندر کے ساتھ پہاڑ موجود ہیں، اس لئے یہاں سمندر کافی گہرا ہے۔ اسی لئے گوادر ڈیپ سی پورٹ کہلاتی ہے اور یہاں بہت بڑے بڑے جہاز بھی لنگر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ پر جو تیل کے جہاز آ کر رکتے ہیں ان میں تقریباً 70 ہزار میٹرک ٹن خام تیل موجود ہوتا ہے لیکن گوادر کی بندرگاہ پر دنیا کے سب سے بڑے تیل کے جہاز آ کر رک سکتے ہیں جن میں 500000 میٹرک ٹن خام تیل رکھا جا سکتا ہے۔

عمان

گوادر کے بعد ہم ساحل سے دور ہونے لگے۔ ہمارے دائیں جانب اب ایران کے ساحل تھے جو خاصے دور تھے۔ بحیرہ عرب یہاں تنگ ہونا شروع ہوتا ہے اور بالآخر آبنائے ہرمز کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد یہ پھیلتا ہے اور خلیج فارس میں تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ ایک بہت بڑی جھیل کے مانند ہے۔ اب ہمارے دائیں جانب ایران اور بائیں جانب عمان کے ساحل موجود تھے۔ چونکہ ایرانی ساحل خاصے دور تھے، اس لئے میں دوبارہ بائیں جانب کی کھڑکی پر آ بیٹھا۔

عرب ممالک میں عمان نسبتاً سرسبز ملک ہے۔ یہاں سبزے سے ڈھکے چھوٹے چھوٹے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ عمان سے گزر کر ہم متحدہ عرب امارات کے علاقے سے گزرتے ہوئے سعودی عرب میں داخل ہوئے۔ ہمارے نیچے سعودی عرب کا سب سے بڑا صحرا تھا جو 'ربع الخالی' کہلاتا ہے۔ یہ سعودی عرب کے تقریباً 52 فیصد حصے پر مشتمل ہے اور اس میں کوئی آبادی اور سڑکیں موجود نہیں۔ یہ علاقہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں صرف سعودی آرامکو کے انجینئر پوری تیاری کے ساتھ بڑی بڑی ہمر جیپوں یا ہیلی کاپٹروں میں آتے ہیں اور ان کے پیچھے ریسکیو ٹیمیں تیار بیٹھی ہوتی ہیں۔

ربع الخالی

ربع الخالی نہایت ہی خوبصورت صحرائی مناظر پر مشتمل ہے۔ اس کے جو حصے شہروں کے قریب ہیں وہاں ایڈونچر پسند اپنی جیپوں میں ڈیزرٹ سفاری کا شوق پورا کرتے ہیں۔ صحرا میں کہیں تو ریت کے بڑے بڑے سمندر ہیں جن کی لہریں پانی کی لہروں کی طرح معلوم ہوتی ہیں اور کہیں سرخ، سبز اور نیلے رنگ کے ٹیلے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک مقام تو ایسا تھا جہاں بے شمار گنبد کی شکل کے بالکل ایک جیسے ٹیلے موجود تھے۔ میں اللہ تعالیٰ کی صناعی پر دنگ رہ گیا اور میرا وجود اس کی عظمت کا تصور کر کے کانپ اٹھا۔ ربع الخالی کے بعد الباحہ کے کچھ سبز اور کچھ پیلے پہاڑ آئے۔ یہاں جہاز میں اعلان ہوا کہ ہم میقات کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں، اس لئے جو حضرات عمرہ کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ احرام باندھ لیں۔ کچھ ہی دیر میں ہم میقات سے گزر کر جدہ کی حدود میں داخل ہوئے۔

جدہ ائر پورٹ

میں گوگل ارتھ پر جدہ کو تفصیل سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ جہاز سے بالکل وہی منظر نظر آ رہا تھا جو میں نے گوگل ارتھ پر دیکھا تھا۔ جدہ کے مشرقی جانب سیاہ اور بھورے رنگ کی پہاڑیاں ہیں اور مغربی جانب بحیرہ احمر ہے۔ ان دو حدود کے درمیان جدہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ ائر پورٹ جدہ کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ ہمارے بائیں جانب بحیرہ احمر سے دو تین کریک نکل کر شہر میں آئی ہوئی تھیں اور نیلا پانی بہت ہی دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ چند ہی منٹ میں جہاز لینڈ کر گیا۔ فلائیٹ پندرہ منٹ پہلے روانہ ہوئی تھی اور مقررہ وقت سے آدھ گھنٹا پہلے ہی جدہ پہنچ گئی تھی۔ شاید ہمارے ٹرک ڈرائیوروں کی طرح پائلٹ کو بھی خالی جہاز ہلکا ہلکا سا لگا ہو گا اور وہ اسے زیادہ رفتار میں اڑا کر جدہ لے آیا ہو گا۔

جدہ ائر پورٹ حج اور رمضان کے مہینوں میں شاید دنیا کا مصروف ترین ائر پورٹ بن جاتا ہے۔ اب حج ختم ہوئے بھی مہینہ ہو چکا تھا اور عمرہ کے ویزوں کا شروع نہ ہوا تھا اس لئے جدہ ائر پورٹ سنسان پڑا تھا۔ کراچی کے مقابلے میں اس کی عمارت نہایت ہی گئی گزری تھی۔ مجھے یہ بالکل ملتان کے پرانے ائر پورٹ کی طرح لگا۔ جدہ میں ایک کی بجائے تین ائر پورٹ ہیں۔ ایک سعودی ائر لائن کے لئے، دوسرا فارن ائر لائنز کے لئے اور تیسرا حج کی فلائٹس کے لئے۔ ان تینوں کے لئے رن وے مشترک ہے۔ ان میں سعودی ائر لائن والا ائر پورٹ نسبتاً بہتر ہے مگر ہمارے کراچی اور لاہور کے جدید ائر پورٹس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ امیگریشن وغیرہ میں بھی سعودی ائر لائن

کے مسافروں کی جان جلدی چھوٹ جاتی ہے کیونکہ یہاں صرف ایک ائر لائن کے مسافر ہوتے ہیں جبکہ فارن ائر لائنز والے ائرپورٹ پر طویل قطاروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہاں کوئی ٹنل وغیرہ نہ تھی۔ ہمیں بس میں بٹھا کر لایا گیا۔ اسی بس میں کئی خواتین نے بیگ سے نکال کر برقعے پہنے۔ چونکہ سعودی عرب میں پردے کی پابندی کرنا ضروری ہے، اس لئے وہ خواتین جو کسی مذہبی جذبے کے بغیر برقع پہنتی ہیں، ائرپورٹ سے نکلتے ہی برقع اتار لیتی ہیں اور پھر واپسی پر ہی پہنتی لیتی ہیں۔ امیگریشن کاؤنٹر پر نہایت ہی بیزار صورت نوجوان بیٹھے تھے جنہوں نے اسی بیزاری سے پاسپورٹ پر مہر لگا کر ہمیں چلتا کیا۔ ایک بنگالی پورٹر کو ساتھ لے کر جب میں باہر نکلا تو ہمارے دفتر کا سوڈانی ڈرائیور عادل میرے نام کا پرچہ پکڑ کر شکل پر مزاحیہ تاثرات لئے بت بنا کھڑا تھا۔ سوڈانی لوگ بالعموم ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ سلام دعا کے بعد ہم گاڑی میں بیٹھے اور دفتر روانہ ہو گئے۔

نئے ملک میں سیٹل ہونے کے مراحل

میں نے اسی دن اپنا نیا دفتر جوائن کیا۔ آفس کے دیگر احباب سے تعارف ہوا۔ اس کمپنی میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد موجود تھے۔ ان میں مصری، سعودی، اردنی، لبنانی، فلسطینی، ہندوستانی اور پاکستانی افراد شامل تھے۔ میرے باس جعفر صاحب کا تعلق انڈیا میں کرناٹک کے علاقے سے تھا۔ انہوں نے میری فرمائش کے مطابق میرا اقامہ جلد سے جلد پراسیس کروانے کا وعدہ کیا۔ ورک ویزا کو جب پاسپورٹ پر endorse کیا جاتا ہے تو اس ویزے پر غیر ملکی تین ماہ کے لئے سعودی عرب میں رہ سکتا ہے۔ اسی مدت کے دوران اقامہ (Residence Permit) بنوانا ہوتا ہے۔ اقامہ ملنے کے بعد ہی غیر ملکی رہائشی مکان کرائے پر حاصل کر سکتا ہے اور ڈرائیونگ لائسنس کے لئے اپلائی کر سکتا ہے۔

اسی شام کو میرا میڈیکل ہوا۔ اگلے دن رپورٹ ملی اور اس سے اگلے دن آفس کے سعودی مندوب حسن الغامدی پاسپورٹ لینے آ پہنچے۔ حسن صاحب ایک پانچ فٹ کے عرب بدو ہیں جو بات کرتے ہوئے الفاظ کم بولتے ہیں اور اچھلتے کودتے زیادہ ہیں۔ میرا پاسپورٹ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ امیگریشن والوں نے مہر صحیح طرح نہیں لگائی چنانچہ عادل اور مجھے لے کر دوبارہ ائرپورٹ روانہ ہوئے۔ میرا خیال تھا کہ غامدی صاحب جا کر امیگریشن والوں کی منت ساجت کریں گے اور مہر صحیح کرنے کی درخواست کریں گے لیکن انہوں نے جا کر عربی میں انہیں کھری کھری سنائیں۔ ایک امیگریشن آفیسر، جو دو دن پہلے زندگی سے بیزار بیٹھا تھا، دوڑ کر گیا اور درست مہر لگا کر لے آیا۔ اس سے اگلے دن غامدی صاحب پاسپورٹ آفس گئے اور دو گھنٹے میں مجھے اقامہ لا کر تھما دیا۔ میرے جاننے والوں نے مجھے بتایا کہ آپ خوش قسمت ہیں ورنہ یہاں اقامہ ملنے میں ایک مہینہ لگ جاتا ہے۔ اگلا دن میں نے مزید ڈاکومنٹس تیار کروانے میں لگایا اور ویک اینڈ پر عازم مکہ ہوا۔ جمعہ کا دن مکہ میں گزار کر ہفتے کو میں ویزا آفس گیا اور فیملی کا ویزا حاصل کر لیا۔

اسی دن میں نے ڈرائیونگ لائسنس کے لئے اپلائی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مرحلہ بھی آسانی سے طے کروا دیا۔ سعودی عرب میں

پاکستان کے برعکس لیفٹ ہینڈ ڈرائیو ہے۔ جب رائیٹ ہینڈ ڈرائیو کرنے والا شخص پہلی مرتبہ لیفٹ ہینڈ والی گاڑی میں بیٹھتا ہے تو کئی لطیفے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ جب میں کویت میں تھا تو ان تمام لطائف سے گزر چکا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دفتر کی دی گئی لانسر میں جب میں پہلی مرتبہ میں روڈ پر نکلا تو دائیں طرف دیکھ کر گاڑیوں کا انتظار کرنے لگا۔ جب کوئی گاڑی نہ آئی تو خیال آیا کہ یہاں تو گاڑیاں بائیں جانب سے آتی ہیں۔ اس کے بعد میں نے انڈی کیٹر دینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سوکھے شیشے پر وائپر چلنے لگے۔ یہ اچھا تھا کہ اس گاڑی کے گیئر آٹو میٹک تھے ورنہ میں پہلے کی جگہ پانچواں اور دوسرے کی جگہ ریورس گیئر لگا بیٹھتا۔ یہاں اوورٹیک بھی بائیں جانب سے کیا جاتا ہے لیکن کراچی کی طرح اس کا عام طور پر کوئی خیال نہیں رکھتا اور جہاں سے جگہ ملے، اوورٹیکنگ کی جاتی ہے۔ جب میری فیملی پاکستان سے آئی تو میں نے اپنی اہلیہ کے لئے اخلاقاً دائیں جانب کا دروازہ کھول دیا لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے گاڑی کے گرد گھوم کر بائیں جانب کی طرف آگئیں اور پھر اسٹیرنگ دیکھ کر واپس ہوئیں۔ بچے اسٹیرنگ دیکھ کر سمجھے کہ میں نے کوئی کاریگری دکھاتے ہوئے اسے اتار کر دوسری طرف لگالیا ہے۔

کویت کے تجربے کے باعث میں ڈرائیونگ ٹیسٹ باآسانی پاس کر گیا۔ اب گھر ڈھونڈنے اور اسے سیٹ کرنے کا مسئلہ تھا جس کے لئے بہت بھاگ دوڑ درکار تھی۔ لائسنس ملتے ہی میں نے فوری طور پر ایک نسان سنی کرائے پر حاصل کی اور ان مراحل کے طے ہونے کا شکر ادا کرنے کے لئے اسی رات مکہ جا کر دوسری بار عمرہ ادا کیا۔ جمعرات کو دفتر سے فارغ ہوتے ہی میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

اس کے بعد میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لیا اور اسے ضروری سامان سے آراستہ کیا اور پھر گاڑی تلاش کرنے نکل کھڑا ہوا۔ یہ سب سے مشکل مرحلہ ثابت ہوا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد ایک امریکن اسمبلڈ ری کنڈیشنڈ ٹویوٹا کیمری پسند آئی۔ عام امریکی گاڑیوں کی طرح اس کی بھی ہر چیز آٹو میٹک تھی۔ پاکستان میں کیمری صرف امیر لوگ ہی افورڈ کر سکتے ہیں لیکن یہاں یہ اپر مڈل کلاس کی گاڑی ہے۔ یہاں کے امیر لوگ تو مرسڈیز، لیکسس اور بی ایم ڈبلیو ہی رکھتے ہیں جن کے پارٹس مہنگے اور ری سیل ویلیو بہت کم ہوتی ہے۔ اپر مڈل کلاس عموماً کیمری، اکارڈ اور الٹیما جیسی گاڑیوں اور لوئر مڈل کلاس کرولا، سوک وغیرہ کو ترجیح دیتی ہے۔ چونکہ یہاں پبلک ٹرانسپورٹ کا نظام پاکستان سے بھی گیا گزرا ہے اس لئے کم آمدنی والے افراد بھی بیس پچیس سال پرانی گاڑیاں رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں جو محض پانچ سے دس ہزار ریال (اس وقت کے اسی ہزار سے ڈیڑھ لاکھ پاکستانی روپے) میں دستیاب ہو جاتی ہیں۔

تین ہفتے میں میرے بیوی بچے بھی آپہنچے۔ گھر کو نئے سرے سے آراستہ کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ ثابت ہوا۔ سوئی دھاگے سے لے کر الماری تک اور باتھ روم کے برش سے لے کر کچن کے برتنوں تک چھوٹی چھوٹی بے شمار اشیا تھیں جن کو خریدنے میں ایک مہینہ لگا۔ اس ایک مہینے میں ہم نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ روزانہ آفس سے آکر تین چار گھنٹے مارکیٹوں میں خوار ہونے سے میرا ورکنگ ڈے بارہ گھنٹے کا ہو گیا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھ پر اعصابی تھکن سوار ہو گئی جو مسلسل کئی ماہ تک سوار رہی۔ یہاں تک کہ چھ ماہ بعد اگست میں مجھے دفتر سے چھٹی ملی تو میں نے روزانہ بارہ تیرہ گھنٹے سو کر اس تھکن سے نجات حاصل کی۔ ایک ماہ بعد ہی میں نے گھر کے قریب ہی واقع الاھلی کلب کی ممبر شپ لے لی اور وہاں اسکواش کھیلنے لگا۔ اسکواش کو میں بطور شوق نہیں بلکہ بطور ضرورت کھیلتا ہوں۔

جدہ

جدہ، ریاض کے بعد سعودی عرب کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ رقبے کے اعتبار سے لاہور اور آبادی کے لحاظ سے فیصل آباد کے برابر ہے۔ سعودی عرب کے مشرق و مغرب دونوں جانب سمندر لگتا ہے۔ مشرق میں خلیج فارس ہے جس کی سب سے بڑی بندر گاہ دمام ہے اور مغرب میں بحیرہ احمر یا ریڈ سی ہے جس کی سب سے بڑی بندر گاہ جدہ ہے۔ جدہ کی بندر گاہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور سے حجاج کی آمد و رفت کے لئے استعمال ہوتی آ رہی ہے۔ قدیم دور میں یہ ایک مچھیروں کی بستی تھی جہاں اس دور کے چھوٹے موٹے جہاز اور کشتیاں لنگر انداز ہوتے تھے۔ اب یہ ایک جدید بندر گاہ کی شکل اختیار کر چکا ہے جو حجاج کی آمد و رفت کے باعث "مینا جدۃ الاسلامی (Jeddah Islamic Port)" کہلاتی ہے۔

جدہ شہر شمالاً جنوباً تیس چالیس کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ شرقاً غرباً اس کا پھیلاؤ بمشکل دس بارہ کلومیٹر ہے۔ شہر کے مشرقی کنارے پر پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ ایک روڈ جنوب سے شمال کی طرف چلتی ہے جسے رنگ روڈ کہا جاتا ہے۔ جنوب مشرق میں یہ مکہ، طائف اور ریاض کی طرف چلی جاتی ہے جبکہ شمال مشرق میں یہی روڈ جدہ ائر پورٹ سے ہوتی ہوئی سوئے مدینہ رواں دواں ہوتی ہے اور آگے جا کر تبوک اور پھر اردن تک جاتی ہے۔ اسی روڈ پر جدہ ائر پورٹ کا حج ٹرمینل بھی ہے جہاں سے عازمین مکہ یا مدینہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ جدہ سے تیسری سڑک جنوب میں جیزان کی طرف نکلتی ہے۔ یہ گاڑیوں کی سیکنڈ ہینڈ مارکیٹ "حراج" سے ہوتی ہوئی لیث اور پھر آگے ابہا اور جیزان کی طرف چلی جاتی ہے۔ آگے یہی روڈ یمن کے دار لحکومت صنعاء تک جاتی ہے۔

جدہ کا سٹی سینٹر "بلد" کہلاتا ہے۔ یہ پرانا شہر ہے اور یہاں خاصی پرانی عمارتیں موجود ہیں۔ یہ ہمارے کراچی کے صدر اور لاہور کی انار کلی کی طرز کا علاقہ ہے۔ یہاں سے مکہ اور مدینہ جانے والی قدیم شاہراہیں نکلتی ہیں۔ بلد سے مدینہ جانے والی قدیم شاہراہ شہر کے بیچوں بیچ گزرتی ہوئی ایئرپورٹ سے ہوتی ہوئی شمال مشرق میں مدینہ کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ ائر پورٹ سے پہلے اس شاہراہ پر دنیا بھر کی گاڑیوں کے شوروم ہیں۔ ایئرپورٹ کے سعودی ایئرلائن والے ٹرمینل کے پاس فلائی اوورز کا بہت بڑا جنکشن ہے۔ یہاں چار سمتوں سے آنے والی روڈز پر فلائی اوورز اس طرح تعمیر کئے گئے ہیں کہ کسی بھی جانب سے آ کر کسی بھی سمت جانے کے لئے سگنل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ سیٹلائٹ تصاویر میں یہ مقام سانپوں کے بڑے سے گچھے کی مانند محسوس ہوتا ہے۔ جدہ کے مشرق سے آنے والی رنگ روڈ بھی ایئرپورٹ کے پاس مدینہ روڈ میں مل جاتی ہے۔

جدہ میں رہنے والی اقوام

جدہ میں سب سے زیادہ آبادی تو سعودی باشندوں کی ہے۔ اس کے بعد دیگر عرب ممالک کے باشندے بالخصوص مصری، اردنی اور لبنانی یہاں کثرت سے آباد ہیں۔ غیر عرب ممالک سے تعلق رکھنے والی سب سے بڑی کمیونٹی بھارتی مسلمانوں کی ہے۔ اس کے بعد پاکستانیوں

اور بنگالیوں کا نمبر آتا ہے۔ دیگر کمیونٹیز میں سوڈانی، فلپائنی اور ایتھوپین نمایاں ہیں۔

جدہ کا نقشہ





جدہ کورنش (تصویر محمد عزیز)

سعودی عرب میں زیادہ تر پاکستانی محنت مزدوری کرتے ہیں۔ وائٹ کالر ملازمتوں میں بھی کافی پاکستانی پائے جاتے ہیں۔ دفاتر میں اعلیٰ عہدوں پر زیادہ تر سعودی، مصری، لبنانی اور انڈین افراد کام کرتے ہیں۔ بہت ہی قلیل تعداد میں امریکی اور یورپی افراد بھی اعلیٰ ترین عہدوں پر کام کرتے ہیں۔ مذہبی اعتبار سے یہاں کی 99 فیصد آبادی مسلمان ہے کیونکہ سخت مذہبی پابندیوں کے باعث غیر مسلم یہاں رہنا پسند نہیں کرتے اور عرب امارات اور کویت وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

جدہ میں پاکستانی زیادہ تر شرفیہ، بنی مالک اور عزیزیہ کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ پڑھے لکھے پاکستانی عزیزیہ میں رہتے ہیں کیونکہ یہیں پر پاکستان ایمبیسی سکول کے علاوہ دیگر پاکستانی اور انڈین سکول پائے جاتے ہیں۔ شرفیہ اور بنی مالک کے علاقوں کو اپنے ہاں کے کورنگی، لانڈھی اور مزنگ پر قیاس کر لیجئے۔ یہاں زیادہ تر بلیو کالر ملازمتیں کرنے والے پاکستانی رہتے ہیں۔ سعودی عرب میں غیر ملکیوں کو کاروبار کرنے کی اجازت نہیں۔ عام طور پر غیر ملکی کسی سعودی کے نام سے کاروبار کرتے ہیں۔ اگر وہ کوئی شریف اور دیانتدار شخص ہو تو ٹھیک ہے ورنہ بعض لوگ اس میں نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔

مجھے یہاں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں کی پاکستانی کیمونٹی میں عام پاکستانی معاشرے والی کوئی بات نہیں۔ یہاں کی پاکستانی کیمونٹی نہایت ہی دیانت دار، محنتی، شریف اور مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنے والے افراد پر مشتمل ہے۔ خاصا غور و فکر کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہاں منفی ذہنیت رکھنے والوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں تو ایک سے بڑھ کر ایک جعل ساز، ٹھگ اور دھوکے باز پڑے ہوئے ہیں لیکن اگر وہ یہاں آ کر ایسا کریں تو انہیں سخت سزا ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانیوں میں سے چن چن کر محنتی اور مثبت طرز فکر رکھنے والے افراد یہاں لائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے پاکستانی کیمونٹی اچھی اچھی سی محسوس ہوتی ہے۔

یہاں کی انڈین کیمونٹی زیادہ تر کیرالہ سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے۔ ان کی اپنی تلگو اور ملیالم زبانیں ہیں اور یہ خود کو عام انڈین شہریوں سے ہٹ کر محسوس کرتے ہیں۔ ہندی یا اردو یہ عرب ممالک میں آ کر سیکھتے ہیں۔ یہ بڑی محنتی کیمونٹی ہے۔ سعودی عرب میں زیادہ تر جنرل سٹورز یا بقالے انہی کی ملکیت ہیں۔ بھارت کے دوسرے علاقوں سے آنے والے بھی زیادہ تر مسلمان ہی ہیں اور پاکستانیوں کے بارے میں مثبت طرز عمل ہی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ملک سے بھی بڑی محبت کرتے ہیں۔

چند فساد زدہ علاقوں کے علاوہ مسلمان بالعموم انڈیا میں خوش ہیں جس میں بالخصوص جنوبی ہندوستان جیسے مدراس، بنگلور، حیدر آباد دکن اور کیرالہ کے مسلمان نمایاں ہیں۔ دراصل ان علاقوں میں اسلام مسلمان تاجروں کی کوششوں سے پھیلا جس کے باعث ہندو کیمونٹی میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات پائے نہیں جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہندو اور مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور آزادی سے اپنے مذاہب پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس شمالی اور مغربی ہندوستان، وسطی ایشیا سے آنے والے مسلمان فاتحین کی آماجگاہ بنا رہا۔ ان میں سے بعض فاتحین نے مندر گرائے اور ہندو کیمونٹی پر ظلم و ستم روا رکھا جس کے باعث ان علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے جس کا اظہار فسادات کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

پچھلے پچیس تیس سال میں بھارتی مسلمانوں میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ پہلے ان کی سوچ احتجاجی تھی۔ یہ ہمہ وقت ہندوؤں کو اپنی پسماندگی کا ذمے دار قرار دیتے اور نفرت کی فضا برقرار رکھتے۔ ان کی سیاست بھی اسی کے گرد گھومتی تھی۔ بھارتی آئین میں مسلمانوں کو بہت سے خصوصی حقوق دیے گئے لیکن اس کے نتیجے میں انہوں نے کوئی خاص ترقی نہ کی۔ کچھ عرصہ قبل انہیں احساس ہوا کہ ترقی آئینی حقوق سے نہیں بلکہ اپنی محنت اور تعلیم کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اب بھارتی مسلمان تعلیم کی طرف مائل ہو رہے ہیں اپنے ملک میں بھی اعلیٰ عہدے حاصل کر رہے ہیں۔ کاش یہی بات ہمارے ملک کے پسماندہ طبقات کی سمجھ میں بھی آجائے اور وہ احتجاج کی بجائے اپنی توانائی تعلیم کی طرف لگا دیں۔ وہ اس بات پر احتجاج کرتے ہیں کہ ان کے علاقوں میں لگنے والی فیکٹریوں میں اعلیٰ عہدوں پر دوسری زبان بولنے والے کیوں فائز ہیں۔ جس دن انہوں نے اپنی توجہ تعلیم کی طرف کی، صرف پندرہ بیس سال کے عرصے میں وہ بھی ترقی یافتہ لسانی گروہوں کے ہم پلہ ہو جائیں گے۔

بلیو کالر ملازمتیں زیادہ تر بنگالی حضرات کے پاس ہیں۔ یہ بھی پاکستانیوں سے بڑی محبت کرتے ہیں جو ان کے رویوں سے چھلکتی ہے۔ اگرچہ دونوں طرف کی لیڈر شپ نے اپنے مفاد کے تحت ہمیں دور کر دیا لیکن عوام کے دل بہر حال ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

دفاتر اور ہسپتالوں میں نچلے عہدوں پر بہت سے فلپائنی بھی کام کرتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ اور محنتی قوم ہے۔ ان کے زیادہ تر مرد موٹر مکینک اور خواتین نرس ہوتی ہیں۔ ایک کمپنی میں میرا ایک فلپائنی سے تعارف ہوا۔ وہ میری داڑھی دیکھ کر کہنے لگا، "سب پاکستانی داڑھی ضرور رکھتے ہیں۔" میں نے کہا کہ ایسا تو نہیں ہے۔ کہنے لگا، "میں نے جب بھی ٹی وی پر کوئی پاکستانی دیکھا تو اس کی داڑھی ضرور تھی۔" میں نے اسے بتایا کہ پاکستان میں صرف مذہبی لوگ ہی داڑھی رکھتے ہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ داڑھی صرف موجودہ دور میں مذہب کی علامت بنی ہے۔ قدیم ادوار سے یہ مردانگی کی علامت تھی اور دنیا کی ہر قوم سے تعلق رکھنے والے مرد، خواہ ان کا مذہب کچھ بھی ہوتا، داڑھی ضرور رکھا کرتے تھے۔ میری اس بات سے وہ بہت محظوظ ہوا۔ کہنے لگا کہ میری بھی یہ خواہش ہے کہ میں داڑھی رکھوں تاکہ میری مردانگی کا اظہار ہو سکے مگر ہم لوگوں کی داڑھی نکلتی ہی نہیں۔

یہاں دفاتر میں مصری بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عرب ممالک میں مصر ایک غریب ملک ہے اور یہاں تعلیم کی فراوانی ہے، اس لئے یہ لوگ دفتری کام کر لیتے ہیں اور عربی بھی بول لیتے ہیں۔ مجھے مصری بالکل لاہوریوں بالخصوص 'بٹ برادری' کی طرح لگے۔ یہ لاہوریوں کے الفاظ میں انہی کی طرح صحت مند ہوتے ہیں۔ انہی کی طرح خوش شکل، خوش مزاج اور خوش خوراک ہوتے ہیں۔ پہلی ملاقات میں اس طرح ملتے ہیں جیسے برسوں سے واقف ہوں۔ جو سلوک ہمارے لاہوڑیے (اسے کمپوزنگ کی غلطی نہ سمجھا جائے) 'ر' اور 'ڑ' کے ساتھ کرتے ہیں، وہی سلوک مصری 'ج' اور 'گ' کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسے 'لاہوری بکرا'، ہمارے لاہوریوں کے نزدیک 'لہوڑی بکڑا' ہوتا ہے، اسی طرح 'جعفر، جاوید اور جدہ'، مصریوں کے نزدیک 'گعفر، گاوید اور گدہ' ہوتے ہیں۔

دیگر عرب کمیونیٹیز میں شامی اور لبنانی شامل ہیں۔ یہ لوگ عموماً بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ افریقی عرب بھی یہاں کثرت سے

آباد ہیں۔ زیادہ تر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ کھیلوں کے میدان میں افریقی یہاں بھی آگے ہیں اور سعودی فٹ بال ٹیم میں بہت سے افریقی کھلاڑی شامل ہیں۔ بعض افریقی جرائم میں بھی ملوث ہوتے ہیں، اس لئے لوگ ان کے علاقوں میں ڈرتے ہوئے جاتے ہیں۔

سعودی عرب کی حکومت اپنی بڑھتی ہوئی بے روزگار نوجوان آبادی کو روزگار فراہم کرنا چاہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے تمام سرکاری اداروں میں نئے ملازم صرف سعودی رکھے جاتے ہیں۔ بینکوں پر بھی یہ پابندی ہے کہ وہ صرف سعودی ملازم رکھیں گے۔ ان دنوں غیر ملکیوں کے لئے نئے ویزوں کا اجرا ابھی کافی کم کر دیا گیا ہے۔ کمپنیوں کو بھی اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اگر ایک غیر سعودی کو ملازم رکھیں تو اس کے ساتھ ایک سعودی کو بھی ملازمت دیں۔

جدہ کا ساحل

بحیرہ احمر کا ساحل تقریباً دو ہزار کلومیٹر طویل ہے جس کا سترہ سو کلومیٹر حصہ سعودی عرب اور باقی یمن کے پاس ہے۔ یہاں جدہ کے علاوہ ینبع، جیزان اور ضباء کی بندر گاہیں بھی ہیں۔ اس ساحلی پٹی کے تقریباً وسط میں جدہ کا شہر آباد ہے۔ یہ اگرچہ ایک جدید شہر ہے لیکن مشرق وسطی کے دیگر بڑے شہروں ریاض، دبئی اور کویت جیسا ترقی یافتہ نہیں ہے۔ سڑکیں ہمارے کراچی سے زیادہ کھلی ہیں لیکن سگنلز کی بھرمار ہے۔ شہر میں صرف تین سڑکیں ایسی ہیں جنہیں سگنل فری کہا جا سکتا ہے۔

جدہ کی خوبصورتی اس کی ”طریق کورنیش“ ہے۔ یہ تقریباً دو سو کلومیٹر طویل ساحلی سڑک ہے جو جدہ کے شمال و جنوب میں سو سو کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔ کورنیش ساحل سمندر کے بالکل ساتھ ساتھ ہے۔ جدہ کے شمال میں ’ابحر“ کا مقام ہے جہاں ایک بہت بڑی خوبصورت کریک (Creek) موجود ہے۔ اس میں لوگ ذاتی کشتیاں اور واٹر سکوٹر چلاتے پھرتے ہیں۔

عربوں کی ایک عجیب عادت یہ ہے کہ انہیں جو مقام پسند آئے وہاں گاڑی روک کر اس میں سے قالین نکالتے ہیں اور اسے فٹ پاتھ پر بچھا کر پوری فیملی سمیت گاؤ تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ کورنیش کے اکثر فٹ پاتھوں پر سعودی فیملیاں بیٹھی نظر آتی ہیں۔ ان کے بچے وہیں کھیلتے ہیں، خواتین باتیں کرتی ہیں اور مرد تاش کھیلتے ہیں یا حقہ پیتے ہیں۔ ابحر سے آگے ”درۃ العروس“ کا مقام ہے۔ یہاں بہت بڑے بڑے محل تعمیر کئے گئے ہیں جن کے ذاتی ساحل ہیں۔ ان ساحلوں میں کوئی اور مداخلت نہیں کر سکتا۔ یہ محلات لوگوں کو کرائے پر دیے جاتے ہیں۔ ان کا کم از کم یومیہ کرایہ 1500 ریال ہے۔ ان ساحلوں پر خواتین بے پردگی کے بغیر لہروں سے لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔

جنوبی کورنیش بھی بہت دلفریب ساحلی مناظر پر مشتمل ہے۔ یہاں ”صروم“ کے مقام پر سمندر سے کچھ فاصلے پر قدرتی جھیل بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے یہ سمندری پانی ہی ہے۔ ان جھیلوں اور سمندر کے درمیان خشکی کے قطعات ہیں جن پر کورنیش بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح کی ایک جھیل شمالی کورنیش پر درۃ العروس کے مقام پر بھی ہے۔ یہ جھیلیں اپنے سندھ کی کینجھر جھیل کے مقابلے میں کوئی خاص قدرتی خوبصورتی نہیں رکھتیں۔

مرمہ جھیل



درۃ العروس



جدہ کے مشرق میں "مرمہ جھیل" واقعہ ہے۔ اس جھیل کے بارے میں عام لوگ زیادہ نہیں جانتے۔ میں نے اس جھیل کو گوگل

ارتھ پر دریافت کیا اور ایک دن وہاں جا دھمکا۔ یہ میٹھے پانی کی نہایت ہی خوبصورت جھیل ہے جس کے قدرتی مناظر بڑی حد تک کینجھر جھیل سے مشابہ ہیں۔

جدہ کے لینڈ مارکس

جدہ راؤنڈ اباؤٹس کا شہر ہے۔ شہر کے بہت سے چوراہوں پر راؤنڈ اباؤٹ بنے ہوئے ہیں جن کے درمیان آرٹ کے نمونے تخلیق کئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور سائیکل چوک ہے۔ یہاں کم و بیش پچاس فٹ اونچی سائیکل بنائی گئی ہے جسے بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے کی سائیکل قرار دیتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا کی ملاقات یہیں ہوئی تھی۔ پرانے شہر میں سیدہ حوا رضی اللہ عنہا کی قبر بھی موجود ہے جو کہ ظاہر ہے اکثر مزارات کی طرح جعلی ہے۔ دیگر لینڈ مارکس میں بحری جہاز، ہوائی جہاز، جیومیٹری باکس کا سیٹ، زمین کا گلوب، انجینئرنگ کے اوزار، نظام شمسی کا ماڈل اور کشتیاں نمایاں ہیں۔ میں آرٹ کے ان شاہکاروں کو دیکھ کر عربوں کے ذوق سے خاصا متاثر ہوا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں ان کا کوئی کمال نہیں۔ انہوں نے شہر کو خوبصورت بنانے کے لئے مختلف کمپنیوں کو ٹھیکہ دیا جنہوں نے آرٹ کے یہ نمونے تخلیق کئے۔ جدہ میں دنیا کا سب سے بڑا نمکین پانی کا فوارہ بھی بنایا گیا ہے جو کہ سمندر کی ایک کریک میں واقع ہے۔

جدہ کے ریسٹورنٹس

جدہ کا ذکر مکمل نہ ہو گا اگر اس کے ریسٹورنٹس کا ذکر نہ کیا جائے۔ چونکہ یہ ایک کاسموپولیٹن شہر ہے، اس لئے اس میں بہت سے ممالک کے ہوٹل اور ریسٹورنٹ موجود ہیں۔ ایسے افراد کو، جو انٹرنیشنل کھابہ گیری کے شوقین ہوں، میرا مشورہ ہے کہ اگر وہ یہاں آئیں تو جدہ کے کثیر القومی ریستورانوں کا مزہ بھی ضرور چکھیں۔ یہاں سعودی، لبنانی، انڈونیشین، وسطی ایشیائی، ایرانی، امریکی، یورپین، انڈین اور پاکستانی ریسٹورنٹس کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

سعودی عرب کا سب سے زیادہ چلنے والا فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ "البیک" ہے۔ ہر وقت یہاں افراد کا مجمع لگا رہتا ہے۔ بعض جگہ اس کے بالکل سامنے یا ساتھ "کے ایف سی" بھی پایا جاتا ہے جو عموماً خالی پڑا رہتا ہے۔ اگر آپ البیک میں جا کر آرڈر بک کروائیں تو آپ کو تیس چالیس افراد کے بعد کا نمبر ملتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کی باری دس منٹ ہی میں آ جاتی ہے۔ مجھے البیک کا شرمپ (جھینگا) سینڈوچ بہت پسند آیا۔

جدہ کی "سبعین اسٹریٹ" کو یہاں کی فوڈ اسٹریٹ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں آپ کو ہر قسم کے ریسٹورنٹس ملیں گے۔ خاص طور پر زیادہ تر پاکستانی ریستوران یہیں پر واقع ہیں جہاں تمام روایتی پاکستانی کھانے دستیاب ہیں۔ کھانے زیادہ تر لاہوری اسٹائل میں بنائے جاتے ہیں اور ان کے کاؤنٹرز پر بھی عموماً لاہوریے ہی اپنے مخصوص اسٹائل میں توند نکالے براجمان نظر آتے ہیں۔ مجھے چونکہ کھانے پینے میں

لاہوری کھانے پسند ہیں، اسلئے کراچی میں اپنے چھ سالہ قیام کے دوران میں اس ذائقے کو ترس گیا تھا۔ جدہ آکر مجھے دوبارہ یہ ذائقہ ملا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔



جدہ فوارہ



جدہ کا سائیکل چوک

جدہ میں جنوبی ہندوستان بالخصوص حیدر آباد دکن اور مدراس کے کھانے بھی ملتے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے ان کا ذائقہ عجیب سا ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ ان کھانوں میں املی کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ شمالی ہندوستان اور پاکستان کے کھانوں کو یہ لوگ پنجابی کھانے کہتے ہیں اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

سعودی عرب کا نظام حیات

سعودی عرب میں سلفی نقطہ نظر سے تعلق رکھنے والوں کی حکومت ہے۔ علماء کا حکومتی معاملات میں خاصا عمل دخل ہے۔ تمام مساجد سرکاری کنٹرول میں ہیں جس کی وجہ سے یہ ہماری طرح اکھاڑے بنائے جانے سے محفوظ ہیں۔ یہاں کی مساجد عام طور پر کویت کی طرح بہت خوبصورت نہیں ہیں۔ طہارت خانے بھی بس گزارے لائق ہی ہوتے ہیں۔ حکومت کا ایک محکمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ اس کے اہل کار مطوع کہلاتے ہیں۔ یہ سڑکوں پر گشت کرتے ہیں اور کسی ایسے شخص کو جس نے ان کے نزدیک، قابل اعتراض حرکت کی ہو، گرفتار کر لیتے ہیں۔ سعودی پولیس ہمارے ہاں کی نسبت کچھ بہتر ہے۔ عام طور پر یہ کسی کو تنگ نہیں کرتے لیکن کبھی کبھار اگر کوئی ان کے نرغے میں آجائے تو اس کی جان بڑی مشکل چھوٹتی ہے۔ ان کے آفیسرز تک انگریزی سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے اگر کوئی ان کے قبضے میں آجائے تو اسے اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک کوئی انگریزی بولنے والا پولیس مین نہیں آجاتا یا پھر وہ شخص اپنے کسی عربی جاننے والے سے رابطہ نہیں کرلیتا۔

سعودی خواتین عموماً مغربی لباس پہنتی ہیں لیکن باہر نکلتے ہوئے یہ برقع ضرور پہن لیتی ہیں جو ''عبایہ'' کہلاتا ہے جس کی وجہ سے بے حیائی نظر نہیں آتی۔ گھر کے اندر یہ خواتین اپنے سسر، دیور اور کزنز وغیرہ سے پردہ کرتی ہیں۔

ان کی معاشرت میں ایک اچھی چیز یہ ہے کہ شادی کے وقت ہی والدین اولاد کو الگ کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہاں ساس بہو، نند بھابی اور دیورانی جیٹھانی کے جھگڑے کافی کم ہیں۔ ہمارے ہاں جائنٹ فیملی سسٹم کی وجہ سے آپس کے جھگڑے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ خواتین بے چاری بس گھٹ گھٹ کر زندگی گزارتی ہیں۔ جب وہ اپنی جوانی اسی حالت میں گزار کر بڑھاپے میں داخل ہوتی ہیں تو وہ اپنی بہو کے لئے ویسی ہی بن جاتی ہیں جیسی ان کی ساس ان کے لئے تھی۔

حالیہ سالوں میں سعودی معاشرے میں ایک تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ معاشرہ اب لبرل ازم کی طرف جا رہا ہے۔ شخصی آزادیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اب سے چند سال پہلے غیر ملکی افراد اپنے کفیل کی تحریری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہیں جاسکتے تھے لیکن اب یہ پابندی اٹھالی گئی ہے۔ غیر ملکیوں کے کاروبار کرنے پر پابندی تو عائد ہے ہی لیکن امید ہے کہ اگلے چند سالوں میں یہ اٹھالی جائے گی۔ فیملی ساتھ ہو تو پولیس بھی بلاوجہ تنگ نہیں کرتی۔ موجودہ سعودی حکمران شاہ عبداللہ ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے ایک وژن رکھتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مقامات پر بڑی بڑی انڈسٹریل اسٹیٹس قائم کی ہیں جن میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کو سرمایہ لگانے کے لئے راغب کیا جا رہا ہے۔ ان میں رابغ کا صنعتی زون بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

مکہ

جدہ پہنچنے کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ حرمین شریفین کی زیارت کی جائے۔ میں سنیچر کے روز جدہ پہنچا تھا جو کہ سعودی عرب میں ہفتے کا پہلا ورکنگ ڈے ہوتا ہے۔ اگر میں اسی دن مکہ کا رخ کرتا تو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ حرم کعبہ کو صحیح طور پر دیکھ نہ پاؤں گا اور بھاگم بھاگ جدہ واپس آنا پڑے گا۔ میں حرم کعبہ میں اپنے پہلے وزٹ کو یادگار بنانا چاہ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے مکہ حاضری کو ویک اینڈ تک موخر کیا اور اس سے اگلے ویک اینڈ پر مدینہ جانے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد حاضریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو تادم تحریر جاری ہے۔ اس سفر نامے میں ان تمام اسفار کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

جدہ میں اکثر لوگ جمعرات کو عازم مکہ ہوتے ہیں۔ شام کو حرم کعبہ میں دو یا تین نمازیں پڑھ کر اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد رات کو واپس گھر آ جاتے ہیں۔ بعض لوگ باقاعدگی سے جمعہ کی نماز خانہ کعبہ میں ادا کرتے ہیں۔ جدہ سے مکہ جانے کے تین طریقے ہیں۔ بس، ٹیکسی یا اپنی گاڑی کے ذریعے۔ بس کے سفر کا تو مجھے کوئی تجربہ نہیں ہو سکا۔ ٹیکسی کا سفر کافی آسان ہے۔

جدہ میں "باب مکہ" سے مکہ جانے والی ٹیکسیاں مل جاتی ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور عموماً عرب بدو ہوتے ہیں اور مکہ مکہ کی آوازیں لگا رہے ہوتے ہیں۔ چار سواریاں پوری ہونے پر ٹیکسی چل پڑتی ہے اور فی کس دس ریال کے عوض حرم تک پہنچا دیتی ہے۔ میں نے اپنا پہلا سفر ایسی ہی ایک ٹیکسی پر کیا۔ اپنی کار کے ذریعے سفر سب سے آسان اور سستا ذریعہ ہے۔ چونکہ سعودی عرب میں پیٹرول بہت سستا ہے اس لئے محض دس پندرہ ریال کے پیٹرول میں بڑی سے بڑی گاڑی جدہ سے مکہ جا کر واپس آ جاتی ہے۔ اس طرح پوری فیملی کے افراد معمولی سی رقم خرچ کر کے حرم سے ہو کر واپس گھر پہنچ جاتے ہیں۔

ہمارا یہ معمول تھا کہ ہم عمرہ بالعموم جمعرات کو ادا کرتے تھے کیونکہ اگلے دن چھٹی ہوتی تھی۔ چونکہ جدہ میقات کی حدود کے اندر واقع ہے، اس لئے جدہ کے رہنے والے اپنے گھروں سے ہی احرام باندھ کر روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ کے تمام اطراف سے آنے والے راستوں پر میقات مقرر کئے گئے ہیں جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ احرام باندھتے ہی انسان پر کئی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

احرام

احرام دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں سے ایک دھوتی کے طور پر باندھ لی جاتی ہے اور دوسری سینے پر لپیٹ لی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم نے اپنے پروردگار کے حکم پر نت نئی ورائٹی کے لباس چھوڑ کر ایک سادہ ترین لباس اختیار کر لیا ہے جس میں ہم اس کے حضور حاضری دینے کے لئے جا رہے ہیں۔ چونکہ حج یا عمرہ شیطان کے خلاف ایک علامتی جنگ ہے، اس لئے اس کی یونیفارم احرام مقرر کی گئی ہے۔

میرا تعلق اگرچہ پنجاب سے ہے لیکن دھوتی باندھنا میرے لئے ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے۔ اس ائر کنڈیشنڈ لباس کو وہی سنبھال سکتا ہے جسے اس کی اچھی خاصی پریکٹس ہو۔ چونکہ یہ لباس اب شہروں میں متروک ہوتا جارہا ہے' اس لئے میرے لئے بھی یہ ایک مسئلہ تھا۔ احرام میں دھوتی باندھنے کی مجبوری تھی۔ میرے ایک دوست حافظ عاطف کے ساتھ بھی حج کے موقع پر ایسا ہی مسئلہ درپیش ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے، جیسا سمجھ میں آیا، دھوتی باندھ لی۔ جب وہ اپنے عزیزوں کے سامنے آئے تو سب کی ہنسی نکل گئی کیونکہ انہوں نے 'خطائے اجتہادی' سے واجپائی سٹائل میں دھوتی باندھ لی تھی۔

میں نے بھی جدہ میں مقیم اپنے ایک کولیگ جمیل سے دھوتی باندھنے کا طریقہ دریافت کیا۔ انہوں نے کچھ ایسے فصیح و بلیغ طریقے سے کاغذ کے ایک ٹکڑے کی مدد سے دھوتی باندھنے کا طریقہ عملی طور پر بیان کیا جو مجھے ازبر ہو گیا۔ میں نے اسی طریقے کو آزمایا تو حیرت انگیز طور پر دھوتی بالکل درست طریقے سے بندھ گئی۔ اس کے ہوا میں اڑنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے اپنی پتلون کی بیلٹ بھی دھوتی کے اوپر باندھ لی اور اوپر کے کناروں کو بیلٹ کے گرد دو تین مرتبہ فولڈ کر لیا۔ اس کے باوجود دل پوری طرح مطمئن نہ تھا اور میرے اعصاب کسی بھی متوقع صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تنے ہوئے تھے۔

دو تین بار عمرہ کرنے کے بعد مجھے اس دھوتی پر پورا اعتماد ہو گیا اور اس کے بعد میں پوری خود اعتمادی سے اپنے دیہاتی بھائیوں کی طرح دھوتی باندھنے لگا جو دھوتی باندھ کر کبڈی کھیلنے سے لے کر سائیکل چلانے تک تمام کام کر لیتے ہیں۔ احرام کی دوسری چادر کو سینے پر ڈالنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ پنجاب کی شدید سردی میں ہم لوگ اکثر گرم شال سینے پر لپیٹا کرتے تھے جسے پنجابی میں "بُکل مارنا' کہتے ہیں چنانچہ میں نے دوسری چادر کو بکل مارنے کے سٹائل میں سینے پر لپیٹ لیا۔ خواتین احرام میں عام سلا ہوا لباس استعمال کرتی ہیں چنانچہ ان کے لئے کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا۔

اگرچہ یہ ایک شہری شخص کا دیہاتی لباس کے ساتھ پہلا تجربہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لباس بہت آرام دہ ہے۔ احرام میں اس سادہ لباس کے استعمال کی حکمت غالباً یہ ہے کہ انسان علائق دنیا سے منہ موڑ کر خالصتاً اپنے رب کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ حج اور عمرہ کی اصل روح اپنے رب کریم سے تعلق ہے۔ یہ تمثیلی اسلوب میں شیطان کے خلاف جنگ کا نام ہے۔ انسان دنیا چھوڑ کر مجاہدانہ لباس پہن لیتا ہے اور اپنے رب کریم کے حکم پر شیطان کے خلاف برسرپیکار ہو جاتا ہے۔ عملی زندگی میں انسان کو مسلسل شیطان کے خلاف جنگ درپیش ہوتی ہے۔ حج اور عمرہ انسان کو بتاتے ہیں کہ اس کا رویہ اپنی عملی زندگی میں بھی شیطان کے خلاف ایک دشمن ہی کا ہونا چاہیے کیونکہ وہ ہمیں اپنے رب کریم سے دور لے جانے کی کوشش میں مسلسل مصروف ہے۔

اب ہم بیسمنٹ میں کھڑی اپنی گاڑی میں آبیٹھے۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ بکل مار کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا بھی ایک مسئلہ ہوتا تھا کیونکہ سعودی عرب میں سیٹ بیلٹ کی پابندی لازم ہے۔ اس کے لئے آئیڈیل طریقہ یہ ہے کہ اوپر والی چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر ایک کندھا برہنہ کر دیا جائے جیسا کہ طواف کے دوران کرتے ہیں۔ اس طرح سیٹ بیلٹ بھی بڑے آرام سے بندھ جاتی

ہے اور ہاتھ بھی آزاد رہتا ہے۔ میری اہلیہ نے ساتھ والی سیٹ سنبھالی اور بچیاں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ میری بڑی بیٹی اسماء قلم اور پیڈ سنبھال کر اس سفر نامے کے لئے نوٹس لینے کے لئے تیار ہو گئی۔ یقیناً اسماء کی مدد کے بغیر میں یہ سفر نامہ آپ تک نہ پہنچا سکتا۔

ہم عزیزیہ کے علاقے میں واقع اپنے گھر سے نکل کر شارع فلسطین پر آئے جو شرقاً غرباً جدہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی ہے۔ اس سے گزر کر ہم رنگ روڈ پر آ گئے۔ یہاں مکہ جانے کے لئے دائیں جانب اور مدینہ جانے کے لئے بائیں جانب مڑنا ضروری ہے۔ اس مقام پر اوور ہیڈ برج کچھ اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ کسی بھی جانب جاتے ہوئے کسی سگنل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ہمارے گھر سے حرم مکہ کا فاصلہ تقریباً 75 کلومیٹر ہے جس پر ہمیں صرف تین سگنلز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دو ہمارے گھر کے بالکل پاس اور ایک حرم کے قریب۔ یہ فاصلہ ہم تقریباً 35 سے 40 منٹ میں طے کر لیتے ہیں۔ حجاج کو جدہ ائر پورٹ سے لے کر حرم مکہ تک صرف ایک سگنل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔

چونکہ اس دن جمعرات تھی، اس لئے رنگ روڈ پر ہزاروں گاڑیاں موجود تھیں۔ ہمارے ہاں جمعرات کا دن حلوے پکانے اور مزارات پر حاضریوں کا دن سمجھا جاتا ہے لیکن اہل جدہ اس دن ویک اینڈ کی وجہ سے عمرے کے لئے مکہ روانہ ہوتے ہیں۔ جدہ مکہ موٹر وے آٹھ لین پر مشتمل ہے جن میں سے چار جانے اور چار آنے کے لیے ہیں۔ انٹر چینج کے نزدیک یہ موٹر وے ایک طرف سے پانچ چھ لین تک پھیل جاتی ہے۔ ہماری لاہور اسلام آباد موٹر وے پر تو ہمیں دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آتی لیکن جدہ مکہ موٹر وے پر ہمہ وقت گاڑیوں کا اژدھام رہتا ہے جو ایک دوسرے سے محض بیس بیس فٹ کے فاصلے پر 120 سے 150 کی رفتار پر محو سفر ہوتی ہیں۔

جدہ مکہ موٹر وے

جدہ سے مکہ جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک جدہ مکہ موٹر وے اور دوسرا اولڈ مکہ روڈ۔ یہ دونوں راستے ایک دوسرے کے متوازی چلتے ہوئے مکہ تک پہنچتے ہیں۔ اب سے تقریباً تیس سال پہلے مکہ جانے کا ایک ہی راستہ تھا، لیکن جدید موٹر وے نے ایک اچھا متبادل فراہم کیا ہے جس کی وجہ سے دونوں شہروں میں سفر کا وقت بہت کم ہو گیا ہے۔ اب اولڈ مکہ روڈ کو زیادہ تر بھاری گاڑیاں استعمال کرتی ہیں جبکہ ہلکی گاڑیاں موٹر وے سے مکہ کی طرف سفر کرتی ہیں۔

شہر کے جنوب مشرقی کونے پر جدہ رنگ روڈ پر شہر کی بندر گاہ اور ساحلی علاقوں سے آنے والی میرین ہائی وے بھی مل جاتی ہے۔ یہ ایلی ویٹڈ (Elevated) ہائی وے ہے جو ایک بیس پچیس کلومیٹر طویل پل پر مشتمل ہے۔ دونوں سڑکوں کے سنگم پر بہت سے کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ ایک کھجور کے درخت کا دیو قامت ماڈل ہے اور اس کے ساتھ ایک مصنوعی قلعہ بھی بنا ہوا ہے۔ ایسے ماڈل قلعے سعودی عرب میں بہت سے مقامات پر سڑکوں کے درمیان بنے ہوئے ہیں۔ اس مقام سے جدہ مکہ موٹر وے شروع ہوتی ہے۔

یہ روڈ قبلہ رو ہے۔ دنیا بھی بہت سے دوسرے روڈ بھی قبلہ رو ہوتے ہیں لیکن اس روڈ کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان اس پر قبلے کی سمت میں سفر کرتے ہوئے سچ مچ قبلے تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ سعادت دنیا میں کسی اور روڈ کو حاصل نہیں ہے۔ طائف، مدینہ اور جیزان

سے آنے والے دوسرے راستے ڈائرکٹ مسجد الحرام تک نہیں پہنچتے لیکن یہ روڈ سیدھا حرم تک جاتا ہے۔

احرام باندھ کر مکہ کی طرف سفر کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ اس سفر میں انسان اپنے رب کے دربار میں جارہا ہوتا ہے۔ دنیا میں اپنے محبوب سے ملنے کے لئے انسان کیسا سج سنور کر تیار ہوتا ہے اور کیسے جوش و جذبے کے ساتھ اس کی طرف جاتا ہے۔ یہاں کائنات کے مالک سے ملنے کے لئے جس کی محبت ایک بندہ مومن کا کل اثاثہ ہے، انسان محض دو چادروں میں ملبوس انتہائی سادگی بلکہ فقیری کے عالم میں حاضری دیتا ہے۔ یہ اپنے رب کریم کے حکم کے آگے محبت سے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ اس کی لذت وہی جانتے ہیں جو محبت کرنا جانتے ہوں۔ اب سے چار ہزار سال قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کے آگے سر جھکاتے ہوئے ایسا ہی ایک سفر کیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ننھے سے اسماعیل علیہ السلام کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا تھا۔ اسی سر جھکانے کی یاد اب دنیا بھر سے لاکھوں افراد آ کر تازہ کرتے ہیں۔

اس سفر کا ترانہ "لبیک" ہے۔ **لبيك اللهم لبيك. لا شريك لك لبيك. إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك.** "میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ، میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تعریف، نعمتیں اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔" حج یا عمرہ دراصل حاضر ہونے ہی کا نام ہے۔ میرے پیارے اللہ نے مجھے بلایا اور میں چلا آیا۔ یہی حج ہے۔ یہی عمرہ ہے۔

جدہ مکہ موٹروے کے آغاز پر جدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ذرا سا آگے ہی ایک وسیع و عریض ریسٹ ایریا تھا۔ اس ریسٹ ایریا میں مسجد، پیٹرول پمپ، سپر مارکیٹ، ریسٹورنٹس، ورک شاپس اور کئی سہولیات میسر تھیں۔ یہ سب کچھ کافی پرانا بنا ہوا تھا۔ مجھے اپنی موٹر وے کے ریسٹ ایریا یاد آئے جو خوبصورتی اور سروس میں اس ریسٹ ایریا سے بہتر تھے۔

یہاں سب سے واضح چیز میکڈانلڈ کا سائن بورڈ تھا۔ ہمارے بعض لوگوں کو امریکی ریسٹورنٹس کے نام سے ہی خدا واسطے کا بیر ہے۔ ذرا سا جلوس نکل جائے تو ان پر پتھراؤ شروع کر دیتے ہیں اور یہاں تک کہ آگ لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے حالانکہ یہ تمام ریسٹورنٹ مسلمانوں ہی کی ملکیت ہیں جو اپنا کاروبار چلانے کے لئے انٹرنیشنل چین سے محض فرنچائز کے طور پر نام استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ غیر مسلموں کی ملکیت بھی ہوں تو کسی بھی انسان، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کی جان، مال اور آبرو کو نقصان پہنچانا دین اسلام میں جرم عظیم ہے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو اسلام کے نام پر اسلام ہی کی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں۔ آگے مکہ جا کر معلوم ہوا کہ حرم کے اطراف میں کے ایف سی، پیزا ہٹ، ہارڈیز، کوڈو اور دیگر فاسٹ فوڈ کے ریسٹورنٹس نہ صرف موجود ہیں بلکہ بہت اچھا بزنس بھی کرتے ہیں۔

مجھے اس ریسٹ ایریا کو دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی۔ ابھی سفر شروع ہی نہیں ہوا کہ ریسٹ ایریا آ گیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ دور دراز سے آنے والے حجاج اور زائرین جدہ ائر پورٹ پر امیگریشن اور دیگر مراحل میں کئی گھنٹے کی خواری برداشت کرنے کے بعد اس ریسٹ

ایریا کے مستحق ہیں۔ اس سے تھوڑا سا آگے ایک اور ریسٹ ایریا تھا جہاں "طازج" نمایاں تھا۔ یہ ایک عرب فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ ہے۔

طازج سے ذرا سا آگے براؤن رنگ کی پہاڑیاں ہماری منتظر تھیں۔ مجھے پہاڑی سفر ہمیشہ پسند رہا ہے لیکن اس سفر میں فطرت کے حسن کے ساتھ ساتھ عقیدت کا رنگ بھی نمایاں تھا۔ ان پہاڑیوں پر ایک جگہ بورڈ لگا ہوا تھا۔ سیر وا وسبحوا اللہ۔ "سیر کرو اور اللہ کی تسبیح بیان کرو۔" میرے خیال میں یہ ایک بندہ مومن کے ہر قسم کے سفر کا مقصد تھا۔ دنیا میں جب بندہ طرح طرح کی بوقلمونیاں دیکھتا ہے تو اس کا ذہن بے اختیار ان کے بنانے والے کی طرف چلا جاتا ہے۔ خدا کی یاد اور اس کی پہچان ہی مومن کے سفر کا مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر میں انسان خود کو فطرت کے زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔

موٹر وے پر جگہ جگہ عربی میں 120 کے بورڈ نظر آ رہے تھے جس کا مطلب ہے کہ اس روڈ پر حد رفتار 120 کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔ دنیا بھر میں موٹر وے پر 120 کی حد رفتار کا معیار مقرر ہے۔ عرب ممالک میں ہمارے ہاں کی طرح قانون شکنی کی روایت تو نہیں ہے لیکن پھر بھی تقریباً سبھی لوگ 140 سے 160 کی رفتار پر گاڑی چلا رہے تھے۔ یہ انسان کی شاید فطرت ہے کہ جب اس پر کوئی پابندی لگائی جاتی ہے، تو وہ اس سے تھوڑا سا تجاوز کر ہی جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پابندیاں تھوڑی سی زیادہ لگا دی جاتی ہیں تاکہ فطری تجاوز کر کے بھی انسان حدود ہی میں رہے۔ حد رفتار سے تجاوز کرنا بہر حال ایک اخلاقی جرم ہے کیونکہ انسان نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ دوسروں کو بھی خطرے میں ڈالتا ہے۔

عرب بھی عجیب ڈرائیور ہوتے ہیں۔ اگر آپ 150 کی رفتار سے تیز رفتار لین پر جا رہے ہوں، تب بھی کوئی عرب اچانک 200 کی رفتار سے آئے گا اور آپ کی گاڑی سے چند فٹ کے فاصلے پر لائٹیں جلا بجھا کر آپ کو ہٹنے کے لئے کہے گا۔ آپ کے ہٹنے سے قبل ہی وہ روڈ کے شولڈر کا استعمال کرتے ہوئے آپ کو اوور ٹیک کر جائے گا۔

پہاڑیوں کے درمیان "کنگ عبد العزیز میڈیکل سٹی" کا انٹر چینج نظر آیا۔ یہ میں نے پاکستان والی اصطلاح استعمال کی ہے ورنہ اسے یہاں "مخرج (Exit)" کہا جاتا ہے۔ اس سے تھوڑا سا آگے کوئی ٹیلی کمیونیکیشن کی تنصیبات تھیں اور سفید رنگ کے بڑے بڑے ڈش انٹینا نظر آ رہے تھے۔ ٹیلی کام کا یہی انقلاب ہے جس کے نتیجے میں ہم لوگ انڈسٹریل ایج سے انفارمیشن ایج میں داخل ہوئے ہیں۔ ایک عام آدمی کو بھی موبائل فون کے ذریعے وہ سہولت میسر ہے جو دور قدیم کے بادشاہوں کو بھی حاصل نہ تھی۔ بے چارے پرانے بادشاہ اہم ترین جنگی معلومات کے لئے بھی اپنے جاسوسوں کے منتظر رہا کرتے تھے جو گھوڑوں پر دنوں کا سفر کر کے معلومات لایا کرتے تھے۔ اب اس سے کہیں کم اہم معلومات، جیسے میچ کی تازہ ترین صورتحال، ہر شخص کو سیکنڈز میں اپنے موبائل پر مل جاتی ہیں۔ خدا جانے کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ انفارمیشن ایج کا ایک المیہ یہ ہے کہ معلومات کے انبار میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی عادت کم ہوتی جا رہی ہے۔

تھوڑا سا آگے موٹر وے پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر سب اپنی رفتار کم کر کے 120 پر لے آئے۔ یہاں کی موٹر وے پولیس بھی ہماری موٹر وے پولیس کی طرح مستعد ہے اور یہ لوگ بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ اس فورس میں زیادہ تر نوجوان ہی بھرتی کئے گئے تھے البتہ یہ نوجوان پولیس والے اپنی توند کے سائز میں ہماری روایتی پولیس کا مقابلہ کر رہے تھے۔

ان میں افریقی نسل کے پولیس مین خاصے سمارٹ اور چاک و چوبند نظر آ رہے تھے۔ عرب نوجوان بالعموم کافی موٹے تازے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ لوگ کھانے میں پنیر کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ ان کے عام نوجوان لڑکے ہمارے گوجرانوالہ اور لاہور کے اسٹینڈرڈ سائز کے پہلوانوں کے برابر ہوتے ہیں۔ ان کے دبلے پتلے لوگوں کو بھی اپنے ہاں کے سیاست دانوں پر قیاس کر لیجئے۔ جدہ میں ہمارے کلب میں کثیر تعداد میں عرب نوجوان آتے ہیں جو الٹی سیدھی ورزشوں کی مدد سے اپنی توند کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر میری طرح ناکام رہتے ہیں۔

اچانک روڈ کے کنارے گھنا سبزہ آ گیا۔ شاید یہ کوئی فارم ہاؤس تھا۔ وسیع و عریض صحرائی ماحول میں یہ سبزہ بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔ ہم لوگ ان صحراؤں کو عبور کرنے کے لئے ائر کنڈیشنڈ گاڑیاں استعمال کرتے ہیں۔ مجھے وہ لوگ یاد آئے جو اپنے رب کی پکار پر حج و عمرہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اونٹ کا تکلیف دہ سفر کر کے یہ صحرا پار کرتے تھے۔ انہیں ایسے نخلستان کیسے لگتے ہوں گے؟

نخلستان کے بعد براؤن پہاڑیوں کے درمیان سنہرے رنگ کی وادیاں شروع ہو گئیں۔ یہ منظر اتنا دلفریب تھا کہ بے اختیار میری زبان پر یہ حمد یہ گیت جاری ہو گیا------ تیرے رنگ رنگ، تیرے رنگ رنگ ------ میں جہاں بھی جاؤں دنیا میں تیرے جلوے میرے سنگ سنگ۔ شاید دنیا کا حسن دیکھ کر ہی بعض صوفیا کو وحدت الوجود کا نظریہ ایجاد کرنا پڑا ورنہ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر چیز کی تخلیق میں اپنے خالق کی نشانیاں موجود ہیں۔

سنہری وادیوں میں ریت کے جھکڑ چل رہے تھے۔ جب یہ شدید ہوں تو ان کے جھٹکے چھوٹی موٹی گاڑی کا توازن بگاڑ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب کے رہنے والے ان صحرائی راستوں پر کم از کم 2000 سی سی کی گاڑی میں سفر کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ تھوڑا سا آگے ہی بحرہ کا ایگزٹ تھا۔ یہ جدہ اور مکہ کے درمیان ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ روڈ پر جگہ جگہ ہورڈنگز اور بل بورڈ لگے ہوئے تھے۔ چند ایک اشیا کی ایڈورٹائزنگ کے لئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ سعودی عرب میں یہ چیزیں ابھی تک بے حیائی کی لعنت سے بچی ہوئی ہیں۔ یہ ہورڈنگز پاکستان کی نسبت بڑے سلیقے سے لگائی گئی تھیں اور ان کی تنصیب میں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ ان سے ڈرائیور کی توجہ سڑک سے نہ ہٹ سکے۔

بہت سی ہورڈنگز پر سعودی عرب کے نئے شاہ عبداللہ کی تصاویر لگی ہوئی تھیں جن میں انہیں بادشاہ بننے پر مبارکباد دی گئی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ان ہورڈنگز پر شاہ فہد کی تصاویر ہوتی ہوں گی۔ مجھے وہ واقعہ یاد آیا کہ کوئی بزرگ کسی بادشاہ کے

دربار میں گئے تو فرمانے لگے، "مجھے یہ سرائے پسند نہیں آئی۔" بادشاہ بے چارہ بہت سٹ پٹایا کہ جناب یہ میرا محل ہے کوئی سرائے نہیں۔ فرمانے لگے، "سرائے وہ ہوتی ہے جس میں ایک شخص جائے اور دوسرا آئے۔ آپ کے محل میں آپ کے دادا آکر رہے پھر چلے گئے اور آپ کے والد اس کے مالک بنے۔ وہ بھی گزر گئے اور آپ اس میں رہتے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کا بیٹا اس میں رہے گا۔ یہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا ایک بڑے سائز اور لمبی مدت کی (Long Term) سرائے ہی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سرائے میں سرائے کی ہی طرح رہتے ہیں اور اپنے اصل گھر کو نہیں بھولتے جو آخرت میں ہمارا منتظر ہے۔

بحرہ سے تھوڑا سا آگے ہی حرم کی حدود کے آغاز کے سائن بورڈز نظر آنے لگے۔ یہاں سے ایک روڈ نکل کر مکہ کو بائی پاس کرتے ہوئے طائف اور ریاض کی طرف جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک چیک پوسٹ بنی ہوئی تھی۔ سعودی پولیس کے بظاہر مستعد نظر آنے والے اہل کار کسی کسی کے کاغذات چیک کر رہے تھے۔ یہ لوگ عموماً فیملی کے ساتھ جانے والے افراد کو چیک نہیں کرتے۔ چیک پوسٹ پر ایک مسجد بھی بنی ہوئی تھی جس کا نام شمیسی مسجد تھا۔ اس مقام کا جدید نام شمیسی اور قدیم نام "حدیبیہ" ہے۔ جی ہاں، یہ وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے 6ھ میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے قیام کیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

حرم کی حدود

تھوڑا سا آگے چلے تو ایک ہلکے سبز رنگ کی پہاڑی نظر آئی۔ صحرائی علاقے میں ایسے خوبصورت مناظر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سرسبز علاقوں کی سیاحت میں تو ایک ہی رنگ دیکھنے کو ملتا ہے لیکن صحرائی علاقوں کی سیاحت میں فطرت کے بہت سے رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بہت ہی خوبصورت بنائی ہے۔ سرسبز کھیت جہاں انسان کو زرعی اشیاء فراہم کرتے ہیں، وہاں لق و دق صحرا تیل، گیس اور دیگر معدنیات سے معمور ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ فبای اٰلاءِ ربکما تکذبان۔ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

یہاں سے حرم کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے حرم قرار دیا تھا۔ اخبار مکہ کے مصنف علامہ ازرقی لکھتے ہیں،

> "سب سے پہلے حرم کی حدود مقرر کرنے والے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے۔ سیدنا ابراہیم نے سیدنا جبریل کی ہدایات کے مطابق حرم کی (حدود متعین کرنے والی) برجیاں نصب کیں۔ پھر ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سیدنا تمیم بن اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے ان برجیوں کو نئے سرے سے بنایا۔ پھر ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی حتی کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار قریشیوں کو مقرر فرمایا، جنہوں نے ان کی پھر تجدید کی۔" (اخبار مکہ، ازرقی: بحوالہ تاریخ مکہ مطبوعہ دارالسلام: ص 81)

حرم کی حدود کے آغاز پر ایک گیٹ بنایا گیا ہے جس کے دونوں جانب برجیاں سی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں حرم کے آغاز کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس سے تھوڑا آگے ایک بہت بڑا گیٹ ہے جس کے کے دو بازو روڈ کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر پتھر کا بنا ہوا قرآن مجید کا بہت بڑا ماڈل ہے۔ حرم کی حدود میں لڑائی جھگڑا، شکار کرنا اور حتیٰ کہ یہاں کی نباتات کو نقصان پہنچانا بھی منع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی عرب اس حرمت کا پورا احترام کیا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی امت تھے اور آپ کی تعلیمات کم از کم اس معاملے میں پوری طرح زندہ تھیں۔

حرم کی حدود کے آغاز سے ہی روڈ کے دونوں طرف درختوں کی طویل قطاریں شروع ہو گئیں جو صحرا کے پس منظر میں بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ آگے ایک سرخ رنگ کی وادی تھی۔ روڈ پر دونوں طرف سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور استغفر اللہ کے بورڈ نظر آ رہے تھے۔ یہ اذکار بندہ مومن کے ہر وقت کے اذکار ہیں۔ خصوصاً سفر میں جب انسان فطرت کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو یہ اذکار اسے اپنے پروردگار کی یاد دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد قائم کرنا ہی دین کا اصل مقصود ہے۔ ہمارے ہاں ان اذکار کو جنتر منتر کی شکل دے لی گئی ہے اور ان پر غور کئے بغیر انہیں طوطے کی طرح زبان سے ادا کیا جاتا ہے۔ اگر انسان ان پر غور و فکر کرے تو اپنے پروردگار کی قربت حاصل کرنے کے لئے ان اذکار سے مفید کوئی چیز نہیں۔

روڈ پر ایک بہت بڑا بورڈ تھا جس پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی۔

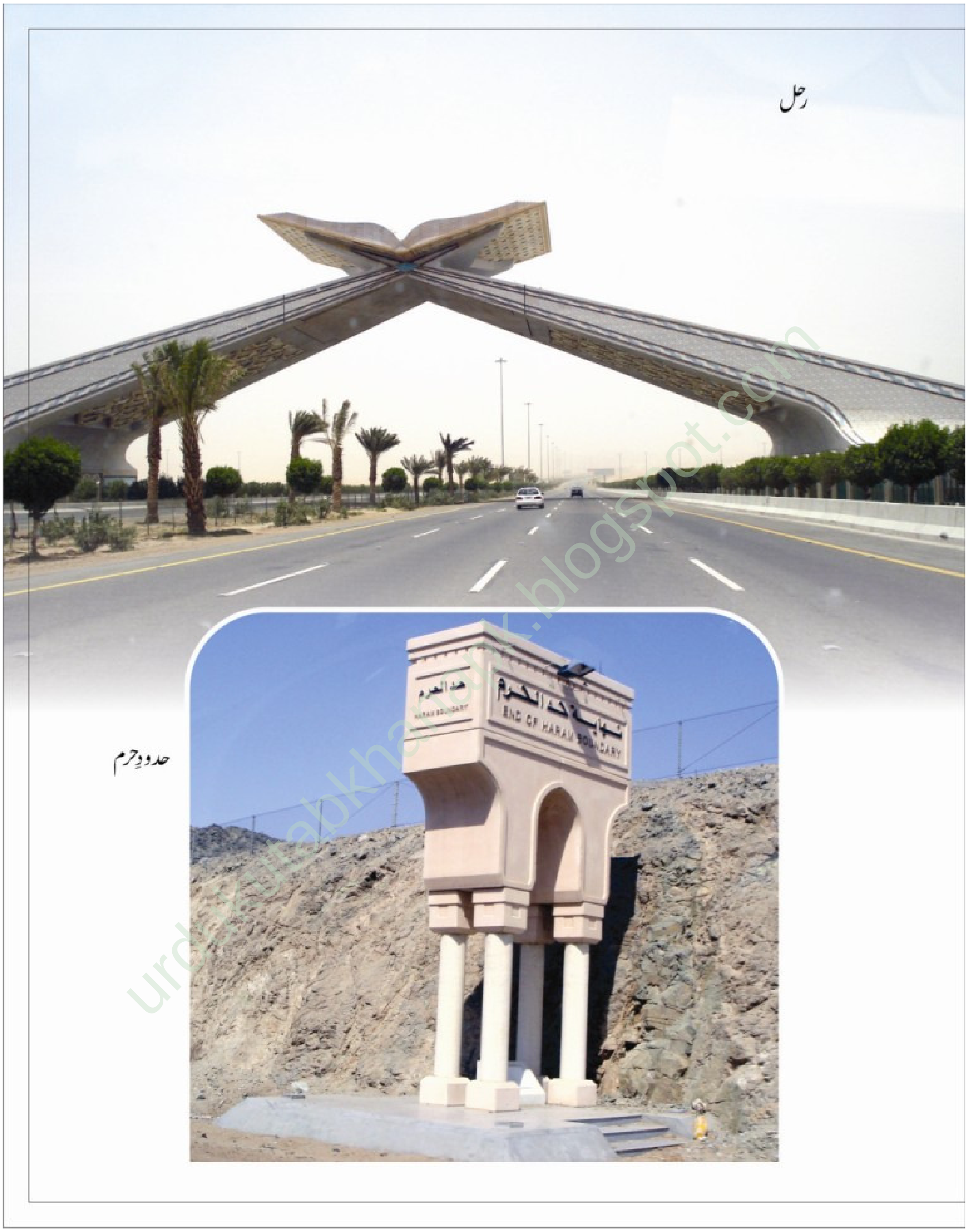
إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ. فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً۔ (آل عمران 3:96-97)

"بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بنایا گیا، وہ مکہ مبارکہ میں تھا۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں اور ابراہیم (کی نماز) کا مقام ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہوا اسے امان ہے۔ اللہ کے لئے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں، جو بھی اس کی طرف آنے کی استطاعت رکھتا ہو۔"

یہ آیت کریمہ، خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کا بہترین تعارف ہیں۔ بائیں ہاتھ جدہ واپسی والی روڈ کے کنارے ایک بہت بڑا پارک نظر آیا جہاں بچوں کے لئے جھولے وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑا پارک ہے۔ یہاں بہت بڑے الفاظ میں "اسماک دانہ" لکھا ہوا تھا۔ یہاں کی مچھلی بہت مشہور ہے۔ آپ اپنی پسند کی مچھلی کا انتخاب کیجیے، اس کی رقم ادا کیجیے، اپنی پسند کے اسٹائل میں پکوائیے اور باپردہ ہٹ میں بیٹھ کر تناول فرمائیے۔ اس طرز کے مچھلی ریسٹورنٹ سعودی عرب کی شاہراہوں پر عام ہیں۔

اس پارک کے بعد اچانک ڈھلان شروع ہو گئی۔ یہ مسلسل ڈھلان تھی جو کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہم لوگ مسلسل گہرائی میں جا رہے ہوں۔ سامنے نظر پڑی تو "حرمین ٹاورز" کے جڑواں عمارتیں نظر آئیں جو مسجد الحرام کے بالکل ساتھ واقع ہیں۔ روڈ کے کنارے ایک فیروزی رنگ کی پہاڑی نظر آئی اور اس کے بعد مکہ کا تیسرا رنگ روڈ نظر آیا۔ اگر آپ یہاں سے

دائیں مڑ جائیں تو سیدھے منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور پھر ہدا اور طائف کی جانب جا نکلیں گے۔



مکہ میں داخلہ

یہیں پر رابطہ عالم اسلامی کے ہیڈ کوارٹر کا بورڈ تھا۔ جو عرفات کی مخالف سمت میں واقع ہے۔ اس انٹر چینج کے فوراً بعد دائیں جانب ایک

بہت بڑا پارک ہے جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں۔ پارک سے آگے سگنل تھا۔ یہ جدہ مکہ موٹروے کا اختتام تھا۔ اس سے آگے اس روڈ کو "طریق ام القریٰ" کہتے ہیں اور یہ سیدھی مسجد الحرام پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس چوک کو ہم لوگ "صراحی چوک" کہتے ہیں۔ یہاں صراحی اور مٹکے کے بہت بڑے بڑے ماڈل نصب ہیں۔ قدیم عرب کے صحرائی ماحول میں ٹھنڈا پانی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کے لئے مٹی کے ان برتنوں کی اہمیت غیر معمولی تھی۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی جگہ کولر اور فریج نے لے لی ہے۔

صراحی چوک کے ساتھ "البیک" تھا۔ یہاں سے روڈ کے دونوں طرف دکانوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ درمیان میں شارع منصور، طریق ام القریٰ کو قطع کرتی ہے، جس پر ایک اوور ہیڈ برج بنا ہوا ہے۔ عربی میں اوور ہیڈ برج کو "کوبری" کہتے ہیں۔ حرم کے قریب جا کر ایک اور اوور ہیڈ برج آتا ہے۔ اس برج کے اوپر ایک دوراہا ہے۔ اگر آپ دائیں طرف والی روڈ اختیار کریں تو آپ حرم کے بالکل سامنے والے بس اسٹینڈ پر جا پہنچیں گے۔ اگر آپ بائیں طرف والا روڈ اختیار کریں تو یہ آپ کو حرم کے نیچے ایک سرنگ میں لے جائے گا۔ اس سرنگ میں بھی دو بس اسٹاپ ہیں، جہاں سے الیکٹرانک اور سادہ سیڑھیاں چڑھ کر حرم کے اوپر آ رہی ہیں۔ دونوں صورتوں میں آپ حرم کے ملک فہد گیٹ یا ملک عبدالعزیز گیٹ کے سامنے آنکلتے ہیں۔

میں نے سرنگ والا راستہ اختیار کیا اور اپنی فیملی کو سیڑھیوں کے پاس اتارا اور ان سے حرم کے اندر ملنے کی جگہ کا تعین کیا۔ اس کے بعد میں پارکنگ کی تلاش میں جا نکلا۔ مکہ میں بالخصوص حرم کے قریب پارکنگ تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ سرنگ سے نکلتے ہی دائیں ہاتھ ایک پارکنگ پلازہ ہے جو پارکنگ کی عدم دستیابی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تیس ریال (تقریباً چار سو اسی روپے) فی گھنٹہ چارج کرتا ہے۔ یہاں بھی پارکنگ دستیاب نہ تھی۔ مکہ کی پولیس روڈ پر پارک کی جانے والی گاڑیاں اٹھانے میں بہت مستعد واقع ہوئی ہے۔ پولیس کو ایسا ہی کرنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ پارکنگ کا معقول انتظام بھی ہونا چاہیے۔ مکہ کے برعکس مدینہ میں پارکنگ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کافی دور جا کر ایک گلی میں مجھے پارکنگ ملی۔ یہاں ہر گھر کے دروازے پر انڈیا کا جھنڈا نظر آ رہا تھا۔ اس گلی کے تمام گھر انڈین حج مشن نے کرائے پر لئے ہوئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے حج مشن کے مقابلے پر انڈین حج مشن زیادہ منظم طریقے سے کام کرتا ہے اور عازمین حج کو تمام سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انڈین حکومت عازمین حج کے لئے خصوصی سبسڈی دیتی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو حج کافی سستا پڑتا ہے۔ ایک غیر مسلم حکومت کی طرف سے حاجیوں کو اتنی سپورٹ اور ہماری مسلمان حکومت حجاج کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے؟

میں نے گاڑی پارک کرنے کے بعد قریب کھڑے ایک پولیس والے سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ ان صاحب نے بیزاری سے "مافی مشکل (کوئی مسئلہ نہیں)" کے الفاظ کہہ کر جان چھڑائی۔ عرب میں آپ کو یہ الفاظ اکثر سننے میں ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود بہت سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد میں پندرہ منٹ کا پیدل فاصلہ طے کر کے واپس حرم پہنچا۔ اس مسئلے کا ایک متبادل حل یہ ہے کہ آپ حرم سے کافی فاصلے پر "کُدَی پارکنگ" میں گاڑی کھڑی کر کے وہاں سے کسی ٹیکسی وغیرہ کے ذریعے حرم پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آپ نے طویل وقت کے لئے حرم میں رکنا ہو تو یہ نسبتاً آسان حل ہے۔





کرسچن بائی پاس



مسجد الحرام

میں نے جب حرم پر پہلی نظر ڈالی تو سامنے ایک دلفریب منظر تھا۔ سامنے مسجد کا وسیع و عریض صحن تھا۔ مسجد الحرام کے باہر چاروں طرف صحن ہے جو سروس ایریا کا کام کرتا ہے۔ یہ اصطلاحی مفہوم میں مسجد کا حصہ نہیں۔ یہ سفید ماربل کا بنا ہوا ہے اور رات میں بہت خوبصورت منظر پیش کرتا ہے البتہ دن میں اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ جب بھی دن میں حرم

جائیں تو اپنے ساتھ سن گلاسز ضرور رکھیں۔

صحن میں زیر زمین مردوں اور خواتین کے الگ الگ طہارت خانے تھے۔ ہر طہارت خانے میں فلش کے ساتھ ساتھ ایک شاور بھی لگا ہوتا ہے تاکہ گرمی کا مارا کوئی زائر اگر غسل بھی کرنا چاہے تو اسے اس کی سہولت میسر ہوا البتہ یہاں گرمیوں میں تیز گرم اور سردیوں میں شدید ٹھنڈا پانی دستیاب ہوتا ہے۔ صحن میں لاکر رومز بھی ہیں جہاں آپ اپنی قیمتی اشیا رکھ کر جاسکتے ہیں۔ اس صحن کے ساتھ ہی کئی فائیو سٹار ہوٹل تھے جن کے گراؤنڈ فلور پر بڑی بڑی مارکیٹیں تھیں۔ یہاں چھوٹے موٹے ہوٹلوں سے لے کر بڑے بڑے فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹس موجود تھے۔

میرے سامنے حرم کا "ملک فہد گیٹ" تھا جسے عربی میں "باب الملک فہد" کہتے ہیں۔ یہ دروازہ حرم کی جدید ترین توسیع میں بنایا گیا ہے جو کہ 1988 میں کی گئی تھی۔ مسجد الحرام کے 5 بڑے اور 54 چھوٹے دروازے ہیں۔ بڑے دروازوں کے نام باب فہد، باب عبد العزیز، باب صفا، باب فتح اور باب عمرہ ہیں۔ ان میں سے ہر دروازے کے ساتھ دو مینار ہیں جبکہ باب صفا کے ساتھ ایک مینار ہے۔ اس طرح مسجد الحرام کے کل میناروں کی تعداد نو ہے۔

میرا مشورہ ہے کہ نئے عازمین اپنی سہولت کے مطابق ان میں سے کسی بڑے گیٹ ہی سے داخل ہوں۔ گیٹ میں داخل ہوتے ہیں دائیں اور بائیں سیڑھیاں اور لفٹیں موجود ہیں جو آپ کو فرسٹ اور سیکنڈ فلور تک لے جاسکتی ہیں۔ اگر فیملی ساتھ ہو تو میں عام دنوں میں فرسٹ فلور کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ یہاں اس طرح کارش نہیں ہوتا جیسا گراؤنڈ فلور پر موجود ہوتا ہے۔ رمضان اور حج کے دنوں میں سیکنڈ فلور بھی کھل جاتا ہے جو دراصل مسجد کی چھت ہے۔

باب صفا (اور اب باب عبد العزیز) کے ساتھ ہی وہیل چیئرز کا کاؤنٹر موجود ہے جہاں اقامہ یا پاسپورٹ دکھا کر آپ بلا معاوضہ وہیل چیئر لے سکتے ہیں۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی بزرگ، معذور یا چھوٹے بچے ہوں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ وہیل چیئر لازماً لے لیں کیونکہ عمرہ میں تقریباً 8 سے 10 کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا ہوتا ہے جو کسی بھی ضعیف شخص کے لئے خاصا مشکل ہے۔ خواتین کے لئے بچوں کو اٹھا کر یہ فاصلہ طے کرنا بھی خاصا مشکل ہے۔ باب صفا کے قریب فرسٹ فلور پر آٹومیٹک وہیل چیئرز بھی دستیاب ہیں جو تیس ریال کے عوض کرائے پر لی جاسکتی ہیں۔ انہیں خود ہی چلایا جاسکتا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے مفید ہیں جو ضعیف ہوں اور ان کے ساتھ کوئی نوجوان بھی نہ ہو۔ بڑے دروازوں میں سیڑھیوں کے ساتھ وہیل چیئر کے راستے بھی موجود ہیں۔

مسجد میں جگہ جگہ آب زمزم کے کولر رکھے ہوتے ہیں۔ ان کولرز کے ساتھ ہی ڈسپوزیبل گلاس بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ مسجد کا حسن انتظام ہے کہ ان کولرز میں کبھی پانی اور گلاس کو کبھی ختم نہیں ہونے دیا جاتا۔ اگر آپ مسجد میں کافی وقت گزارنا چاہتے ہیں تو جاتے ہی آب زمزم نہ پئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی زیادہ پینے سے رفع حاجت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اور مسجد سے لے کر طہارت خانے تک جانے اور آنے کا فاصلہ تقریباً ایک کلومیٹر ہے۔ زیادہ پانی پینے کی بدولت آپ کو بار بار طواف اور سعی چھوڑ کر طہارت خانے

کے چکر لگانے پڑیں گے۔ عمرہ اور دیگر عبادات سے فارغ ہو کر آپ واپسی سے پہلے دل کھول کر آب زمزم پینے کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔



مسجد الحرام کا فضائی نظارہ



مسجد میں جوتوں کو ٹھکانے لگانا بھی ایک مسئلہ ہے۔ مسجد میں جگہ جگہ جوتوں کے ڈبے ہیں جن پر نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ جب میں پہلی مرتبہ حرم گیا تو 100 نمبر ڈبے میں اپنے جوتے رکھ کر آگے چلا گیا۔ میں خوش تھا کہ نمبر بہت آسان ہے۔ واپسی پر میں ڈھونڈ

ڈھونڈ کر تھک گیا کیونکہ 100 نمبر ڈبہ کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ڈبے نمبر کے ساتھ ساتھ اس دروازے کا نمبر یا نام بھی یاد رکھیں جس کے راستے پر وہ ڈبہ پڑا ہوا تھا۔ اس سلسلے میں ایک مسئلہ اور درپیش ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے جوتا جہاں رکھ دیا ہے اب واپسی کے لئے بھی وہی راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اگر آپ فیملی کے ساتھ آئے ہیں تو آسان حل یہ ہے کہ تمام جوتے ایک لفافے میں ڈال کر اسے ساتھ ہی رکھ لیں اور کعبہ کے قریب ترین کسی ڈبے میں یہ لفافہ ڈال کر اس کا نمبر یاد کر لیں۔ اس طریقے سے آپ آسانی سے جس راستے سے چاہیں واپس جا سکیں گے۔

کعبۃ اللہ

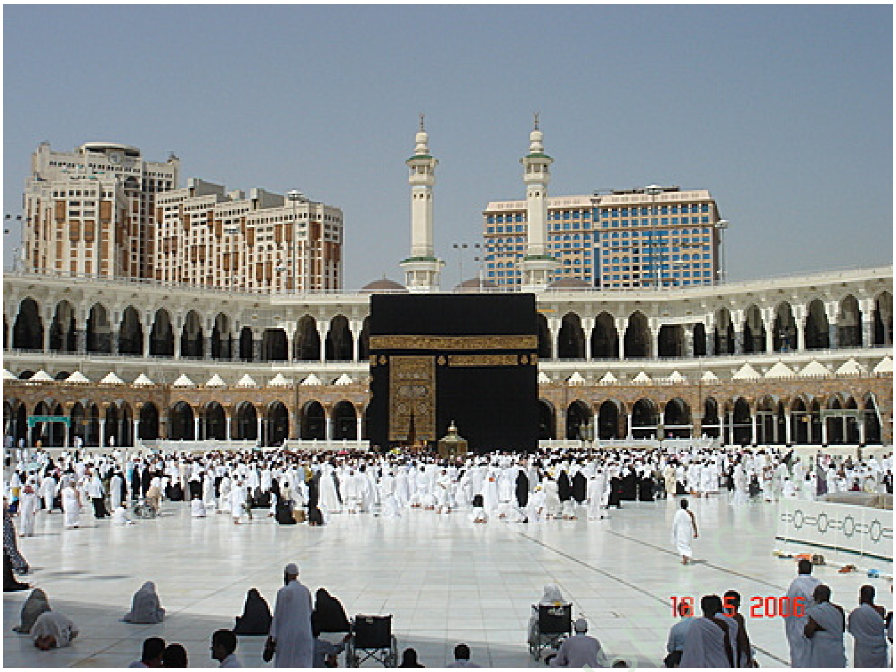
مسجد الحرام کا مرکز کعبہ ہے۔ اس مسجد کا لے اوٹ دنیا کی دوسری تمام مساجد سے مختلف ہے۔ تمام مساجد عموماً مربع یا مستطیل شکل کی بنائی جاتی ہیں اور ان کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مسجد الحرام چونکہ کعبہ کے گرد تعمیر کی گئی ہے، اس لئے اس کی شکل تقریباً بیضوی ہے۔ اس مسجد میں صفیں بھی دائرے کی شکل میں بنتی ہیں۔ ظاہر ہے ان کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔

کعبہ اور مسجد کی عمارت کے درمیان کھلا میدان ہے جسے "مطاف" کہتے ہیں۔ یہاں حجاج اور دیگر زائرین کعبہ کے طواف کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ مطاف بالکل گول شکل کا نہیں ہے بلکہ تقریبا بیضوی شکل کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد الحرام کی توسیع شمال و جنوب کی طرف زیادہ کی گئی ہے جبکہ مشرق اور مغرب کی طرف اس کی زیادہ توسیع نہیں کی گئی جس کی وجہ سے مسجد بیضوی شکل اختیار کر گئی ہے۔

اگر مطاف میں جگہ نہ ہو تو طواف فرسٹ یا سیکنڈ فلور پر بھی کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں پر پھیرا خاصا طویل ہو جاتا ہے۔ مطاف میں طواف کرتے ہوئے سات پھیرے لینے کے لئے تقریباً ایک سے دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے لیکن یہی فاصلہ مسجد کے اوپر والے فلورز پر اندازاً سات کلومیٹر ہو جاتا ہے۔

مشہور تاریخی روایات کے مطابق کعبہ کی تعمیر متعدد مرتبہ کی گئی۔ اس کی پہلی تعمیر فرشتوں نے کی جو مرور زمانہ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی جگہ پر اس کی دوبارہ تعمیر سیدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی مدد سے کی۔ اس موقع پر کعبہ سادہ پتھروں کی عمارت تھی جو بغیر سیمنٹ وغیرہ کے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی تیسری تعمیر قریش نے کی جو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناتے اس کے متولی تھے۔

مطاف



رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعلان نبوت سے تقریباً پانچ سال قبل بھی کعبہ کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس موقع پر مختلف عرب قبائل نے اس میں حصہ لیا۔ ہر قبیلے کے یہ خواہش تھی کہ حجر اسود نصب کرنے کی سعادت اسے حاصل ہو۔ نوبت کشت و خون تک جا پہنچی۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ اگلی صبح جو شخص کعبہ میں داخل ہو گا، اس کا فیصلہ قبول ہو گا۔ اگلے دن تمام قبائل کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہیں۔ سب ہی لوگ آپ کی صداقت، امانت اور دیانت دارانہ فیصلوں کے قائل تھے۔ آپ نے اس قضیے کا فیصلہ یہ فرمایا کہ اپنی چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھ دیا اور تمام قبائل کے نمائندوں کو اس کے کنارے پکڑا دیے۔ انہوں نے چادر اٹھائی اور آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود نصب فرما دیا۔ اس طرح سب لوگ مطمئن ہو گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عرب معاشرے میں کیا مقام حاصل تھا۔

قریش کی تعمیر میں کچھ رقم کم پڑ گئی تھی کیونکہ انہوں نے اس کا اہتمام کیا تھا کہ صرف حلال کمائی ہی کعبہ کی تعمیر میں استعمال ہو گی۔ اس وجہ سے کعبہ کی تعمیر مکمل ابراہیمی بنیادوں پر نہ ہو سکی۔ اس کا کچھ حصہ باہر رہ گیا جس کے گرد دیوار بنا دی گئی۔ یہ دیوار حطیم کہلاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ آپ اسے دوبارہ ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر فرمائیں۔

صحیحین کی روایت کے مطابق آپ نے فتح مکہ کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور یہ بھی فرمایا کہ، "ابھی تمہاری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ اگر ان کے مرتد ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ایسا کر گزرتا۔" سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانے میں شامی افواج کی سنگ باری سے کعبہ کی چھت جل گئی تھی۔ آپ نے اس کی تعمیر حضور

صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خواہش کے مطابق ابراہیمی بنیادوں پر کی۔

آپ کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان نے آپ کے کئے ہوئے اضافوں کو گرا کر اس کی صورت قریش کی تعمیر کی طرح کر دی۔ بعد میں جب اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث معلوم ہوئی تو اسے اس کا افسوس ہوا لیکن اس نے عمارت کو ایسے ہی رہنے دیا۔ ولید بن عبد الملک کے دور میں اس کے حکم پر کعبہ کے دروازے، پرنالے اور اندرونی ستونوں پر سونے کا کام کیا گیا۔ بعد میں کئی بادشاہوں نے کعبہ کی تعمیر کی خواہش کا اظہار کیا لیکن علماء نے اس کی سختی سے مخالفت کی کیونکہ اس صورت میں یہ ایک کھیل بن جاتا اور جس کا جی چاہتا، کعبہ کو گرا کر اس کی تعمیر کرتا رہتا۔

کعبہ کی عمارت چونکہ مکعب نما(Cubical) ہے، اس لئے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے چار کونے ہیں۔ ایک تو حجر اسود والا کونا ہے۔ باقی کونوں کو رکن یمانی، رکن شامی اور رکن عراقی کہتے ہیں کیونکہ ان کا رخ بالترتیب یمن، شام اور عراق کی طرف ہے۔ ہم لوگ جب پاکستان میں نماز پڑھتے ہیں تو ہمارا رخ تقریباً حجر اسود کی طرف ہوتا ہے۔ کعبہ کا طواف اس کی عمارت کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے خلاف گھڑی وار(Anti Clock Wise) سمت میں ہوتا ہے۔ اس کے ہر پھیرے کا آغاز اور اختتام حجر اسود والے کونے سے ہوتا ہے۔ طواف کرنے والوں کے لئے سنت ہے کہ وہ ہر پھیرے میں حجر اسود کا بوسہ لیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دور سے اس کی طرف اشارہ کر لیں۔ یہ اشارہ بوسے کے قائم مقام ہوتا ہے۔

جب میں پہلی بار حرم کی زیارت سے فیض یاب ہوا تو میں باب فہد سے داخل ہوا تھا، اس لئے میرے سامنے رکن یمانی تھا۔ کچھ نہ پوچھئے کہ کعبہ کی پہلی زیارت کا کیا لطف تھا۔ اس لطف کی کیفیت کا عالم وہی جان سکتے ہیں جنہیں یہ زیارت حقیقتاً نصیب ہوئی ہو۔ ہمارے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ پہلی نظر کے وقت جو بھی دعا مانگی جائے گی وہ مقبول ہو گی۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لوگوں نے محض اپنی خوش فہمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منسوب کر دیا ہے۔ کعبہ کی حاضری اصل میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہے۔ اس پوری حاضری میں جب بھی اور جہاں بھی کوئی دعا مانگی جائے گی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی مشیت اور اپنے قانون کے مطابق قبول فرمائے گا۔

میں طواف کرنے والوں میں شامل ہوئے بغیر گھوم کر حجر اسود کے سامنے آ گیا۔ ان دنوں صفر کا مہینہ تھا اور ابھی عمرہ کا سیزن شروع نہیں ہوا تھا، اس لئے زیادہ رش نہیں تھا لیکن یہ کم رش بھی بلا مبالغہ سینکڑوں افراد پر مشتمل تھا اس لئے حجر اسود کو بوسہ دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر حجر اسود کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اس کے بوسے ہی کی ایک شکل تھی۔

انسان کی یہ خواہش ہے کہ جب وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہو تو اس کا رب مجسم صورت میں اس کے سامنے موجود ہو۔ وہ اس کے قدموں سے لپٹے، اس کے ہاتھوں کو چومے، اس کے آگے سربسجود ہو۔ اسی خواہش کے پیش نظر لوگوں نے اپنے معبودوں کے بت بنائے۔ اصل خدا کو ہم مجسم صورت میں اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی زیارت مقرر کر دی جہاں انسان

لپٹ کر اپنے رب کے سامنے فریاد کر سکتا ہے۔ اس کے آگے گڑ گڑا سکتا ہے۔ حجر اسود کے بوسے کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ چومنے کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے، لاکھوں لوگوں کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ اسے باقاعدہ بوسہ دیں، اس لئے ہاتھ سے اشارے کو بوسے کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ بعض لوگ اشارہ کر کے اپنے ہاتھ کو چوم رہے تھے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ سنت یہی مقرر کی گئی ہے کہ ہاتھ سے صرف اشارہ کیا جائے۔

اگر طواف کرتے ہوئے کعبہ کے قریب رہا جائے تو کم چلنا پڑتا ہے لیکن یہاں رش زیادہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رک رک کر چلنے کی صورت میں وقت اتنا ہی لگتا ہے جتنا دور سے لمبا چکر لیتے ہوئے لگتا ہے۔ میں نے حجر اسود سے طواف کا آغاز کیا۔ حجر اسود والے کونے کے ساتھ ہی کعبہ کا دروازہ ہے۔ کونے اور دروازے کی درمیانی جگہ کو ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں لوگ لپٹ کر کھڑے تھے اور اپنے پروردگار کے سامنے زار و قطار رو رہے تھے۔ کعبہ کا دروازہ زمین سے چھ فٹ سے زائد بلند ہے۔ سیاہ غلاف میں سنہرے رنگ کا دروازہ انتہائی دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔

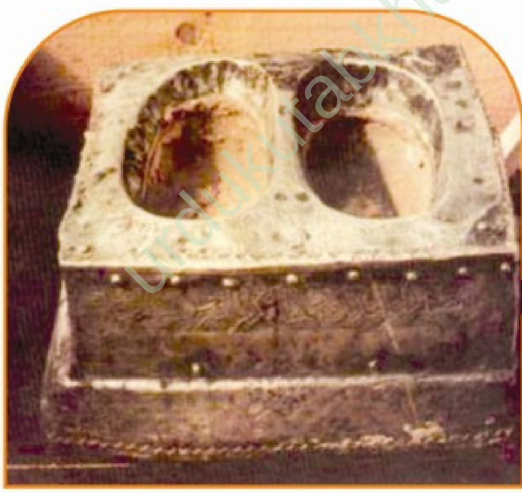
کعبہ کے اسی طرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے منسوب پتھر ہے۔ اسے شیشے کے ایک کیس میں رکھا گیا ہے۔ میں نے قریب ہو کر اس پتھر کو دیکھا، اس پر آپ کے قدموں کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ اب میں گھوم کر حطیم کی طرف آ گیا۔ یہ ایک بریکٹ کی شکل کی دیوار ہے جو کعبہ کی شمال مغربی سمت میں بنائی گئی ہے۔ اس کے اندر کا حصہ کعبہ میں داخل ہے۔ یہاں لوگ نوافل پڑھ رہے تھے۔ بعض لوگ طواف میں حطیم کے اندر سے گزر جاتے ہیں، یہ درست نہیں کیونکہ طواف پورے کعبہ کے گرد ہونا چاہیے۔ رکن شامی اور رکن عراقی کے سامنے سے گھومتا ہوا میں رکن یمانی تک آ گیا اور پھر تھوڑی دیر میں دوبارہ حجر اسود تک پہنچ گیا۔ یہاں پر پھر ہاتھ اٹھا کر بوسے کا اشارہ کیا اور دوسرا پھیرا شروع کر دیا۔ میری زبان پر لبیک کا ترانہ جاری تھا اور دل میں اپنے رب کے حضور حاضری کی سی کیفیت تھی۔ یہی کیفیت قائم رکھنا حج اور عمرے کی اصل روح ہے۔

طواف

طواف کے چکر دراصل قربانی کے پھیرے ہیں۔ انسان اپنے رب کے حضور خود کو قربانی کے لئے پیش کرتا ہے۔ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد ہے۔ رب کا بندہ پروانے کی طرح گھومتا ہوا اپنے رب کے حضور قربان ہونا چاہتا ہے۔ اگر خالصتاً مادہ پرستانہ نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ نقصان کا سودا نہیں، اپنی جان کو اپنے رب کے حضور پیش کر کے انسان وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جس کی قیمت یہ پوری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کر سکتی۔



مقامِ ابراہیم







صفا پہاڑی



مسجدِ حرام کی جدید تعمیر

ہجوم کی وجہ سے میرے لئے اپنی نارمل رفتار پر چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ دائرے کے باہر کی طرف حرکت کرنے لگا۔ اب کھلی جگہ میسر تھی۔ میرے چلنے میں ایک ردھم پیدا ہونے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ دنیا میں دائروی حرکت (Circular Movement) کو ایک عجیب اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات بنائی ہے، اس میں عظیم الجثہ سیاروں اور ستاروں سے لیکر

ایک چھوٹے سے الیکٹران تک ہر چیز کسی مرکز کے گرد گردش کر رہی ہے۔ اپنے رب کے آگے سربسجود کائنات کے آگے مجھے اپنی حیثیت ایک الیکٹران کی سی معلوم ہوئی جو اپنے مرکز (Nucleus) کے گرد گردش کر رہا تھا۔ کعبہ کی موجودگی تو ایک علامتی شکل تھی، دراصل یہ طواف تو اپنے رب کے لئے تھا۔ انسان اپنے رب کو اپنی زندگی کا محور و مرکز مان کر اسی کے گرد گردش کرتا رہے، یہی طواف کا سبق تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی اگر اپنا اللہ ہی انسان کے فکر و عمل کا مرکز بنا رہے تو اس نے اس طواف کا حق ادا کر دیا۔

سات پھیرے کب مکمل ہوئے، اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ مطاف میں طواف کرنے والوں کے لئے خاصی جگہ چھوڑ کر پیچھے صفیں بندھی ہوئی تھیں۔ کارپٹ بچھے ہوئے تھے اور لوگ کعبہ کی جانب منہ کئے نماز، اذکار، تلاوت اور دعاؤں میں مشغول تھے۔ ساتواں پھیرا مکمل کرنے کے بعد میں نے ان صفوں میں آ کر دو نفل ادا کئے۔ اگر حجر اسود کی سیدھ میں آپ پیچھے ہٹتے جائیں تو سیدھے صفا کی طرف پہنچ جائیں گے۔ چونکہ مطاف مسجد کی عمارت کی نسبت نشیب میں واقع ہے، اس لئے یہاں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنی فیملی سے ملنے کے لئے یہی جگہ طے کی تھی۔ جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ سب ہی فیملیوں کا میٹنگ پوائنٹ ہے۔ تھوڑی دیر میں ہم اکٹھے ہو گئے۔ اب صفا و مروہ کی سعی کی باری تھی۔

صفا و مروہ

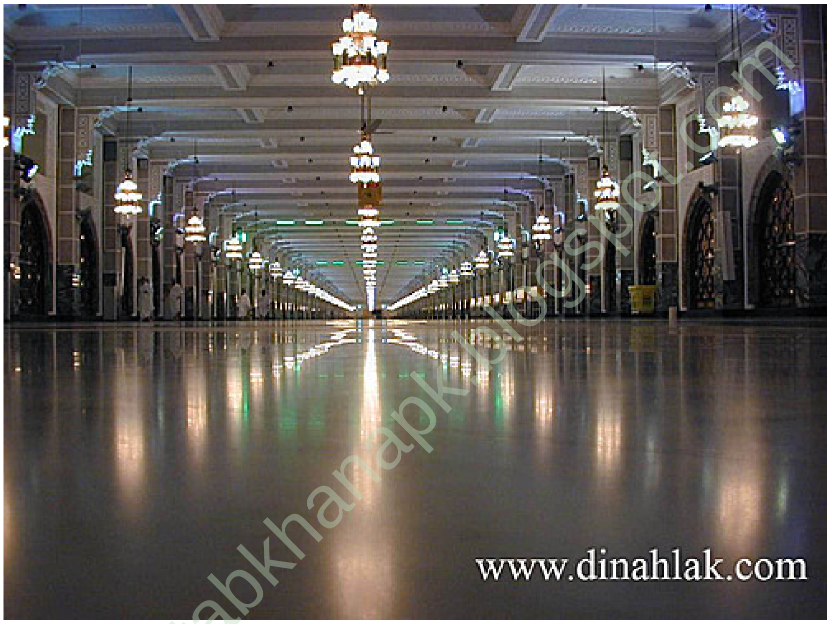
ہم لوگ حجر اسود کی سیدھ میں چلتے ہوئے صفا تک آئے۔ صفا ایک پہاڑی ہے جس کی عظیم تاریخی و شرعی اہمیت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں یہ اہل مکہ کے لئے اہم اعلان کرنے کے لئے ادا ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی اپنی پہلی عام دعوت یہیں دی تھی۔ آپ نے لوگوں کو یہاں اکٹھا کر کے ان سے پوچھا، "اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑی کے دوسری طرف ایک فوج آ رہی ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے۔" لوگوں نے بالاتفاق کہا، "بالکل، کیونکہ آپ جھوٹ نہیں بولتے۔" اس اعتماد کے بعد آپ نے انہیں اپنی رسالت کی طرف دعوت دی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعوت دین کا کام کرنے والے کا اپنا کردار اعلیٰ اخلاقی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اب صفا کے صرف چند پتھر ہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں کچھ میٹریل لگا کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

بہت سے لوگ صفا کے پتھروں پر بیٹھے تھے۔ صفا کے پہلے فلور کی چھت پر بڑا سا ایک گول سوراخ ہے۔ اس کے اوپر دوسرے فلور پر ایک گنبد ہے۔ یہاں دائروی شکل میں یہ آیت لکھی ہوئی تھی۔

انّ الصفا و المروۃ من شعائر اللہ۔ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ و من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم۔ (البقرہ 2:158) ۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تو جو کوئی حج یا عمرہ کرے، اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے۔ اور جو اپنی طرف سے نیکی میں زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ شاکر و علیم ہے۔" مشرکین عرب نے کعبہ کی طرح یہاں بھی بت آویزاں کر رکھے تھے، اس لئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خیال گزرا کہ شاید یہ سعی کوئی جاہلیت کی رسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح فرما دیا کہ یہ سعی جاہلیت کی رسم نہیں بلکہ اللہ کی نشانی اور سنت ابراہیمی ہے۔

میری بیٹی ماریہ اس وقت ڈیڑھ سال کی تھی۔ چھوٹے بچے کو اٹھا کر طواف اور سعی خاصا مشکل کام ہے۔ بہت سے لوگوں نے تو اس کا حل یہ نکالا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بیلٹ کی مدد سے پشت پر باندھ لیتے ہیں۔ بعض لوگ اس مقصد کے لئے وہیل چیئر کا استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں فوری طور پر یہی حل سوجھا کہ سعی کرنے کے لئے دو پارٹیاں بنائی جائیں چنانچہ میری اہلیہ اسماء اور ماریہ کو لے کر صفا کے پاس بیٹھ گئیں اور میں فاطمہ کو لے کر سعی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہیل چیئر والا حل زیادہ مناسب ہے۔

صفا و مروہ کی سعی



سعی کی حقیقت بھی طواف ہی کی طرح ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے قربانی کے چکر ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان اب ایک ائر کنڈیشنڈ گیلری بنا دی گئی ہے جو تقریباً پون کلومیٹر طویل ہے۔ یہ دو منزلہ گیلری ہے اور اس میں سے بہت سے دروازے باہر اور مسجد الحرام کی طرف کھلتے ہیں۔ فرش اور دیواروں پر اعلیٰ درجے کے سبز و سفید ماربل کا استعمال کیا گیا ہے اور بہت خوبصورت فانوس چھت سے لٹک رہے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ اب تو یہ حالت ہے، اس وقت کیا عالم ہو گا جب گرمی میں سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے یہاں پھیرے لئے ہوں گے۔

تقریباً پانچ چھ منٹ میں ہم مروہ پر پہنچ گئے۔ صفا کے برعکس یہاں اب پہاڑی کی کوئی نشانی موجود نہیں۔ صرف فرش تھوڑا سا اوپر اٹھتا ہے۔ مروہ پر پہنچ کر ایک پھیرا مکمل ہو جاتا ہے۔ امام حمید الدین فراہی کی تحقیق کے مطابق مروہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربان گاہ ہے۔ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"سعی اسماعیل علیہ السلام کی قربان گاہ کا طواف ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس قربان گاہ کو دیکھا

> تھا اور پھر حکم کی تعمیل کے لئے ذرا تیزی سے چلتے ہوئے مروہ کی طرف گئے تھے۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:
>
> 'تیسرے دن ابراہیم نے نگاہ کی اور اس جگہ کو دور سے دیکھا۔ تب ابراہیم نے اپنے جوانوں سے کہا: تم یہیں گدھے کے پاس ٹھیرو۔ میں اور یہ لڑکا، دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کر کے تمہارے پاس لوٹ آئیں گے۔ (پیدائش 22:4-5)'
>
> چنانچہ صفا و مروہ کا یہ طواف بھی نذر کے پھیرے ہی ہیں جو پہلے معبد کے سامنے اور اس کے بعد قربانی کی جگہ پر لگائے جاتے ہیں۔" (قانون عبادات)

اس قربانی کے بارے میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ منی میں ہوئی تھی۔ یہاں پر دعا کرنے کے بعد ہم نے صفا کی طرف رخ کر کے دوسرا پھیرا شروع کیا۔ دوران سعی سبز نشانوں کے درمیان لوگ تیز چل رہے تھے بلکہ دوڑ رہے تھے۔ اس مقام پر حضور نے اپنی رفتار تیز کی تھی۔ صفا پر پہنچ کر اب میں اور فاطمہ بیٹھ گئے۔ میں نے ماریہ کو اٹھالیا اور میری اہلیہ اسماء کو لے کر سعی کے لئے نکل کھڑی ہوئیں۔

جب یہ لوگ دو پھیرے مکمل کر کے واپس پہنچے تو میں نے سوچا کہ اوپر والے فلور پر رش کم ہو گا اور نسبتاً آسانی سے سعی ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے فلور پر چلے گئے۔ یہاں واقعی رش بہت کم تھا، چنانچہ بڑے اطمینان سے سعی مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد ہم نے یہ معمول بنالیا کہ ہم ایک وہیل چیئر لے لیتے اور جو بھی تھک جاتا وہ اس پر ماریہ کو لے کر بیٹھ جاتا اور باقی افراد پیدل چلتے رہتے۔

مجھے خیال آیا کہ اگر حکومت یہاں پر متحرک بیلٹ لگا دے تو بہت سے لوگوں کو آسانی ہو جائے کیونکہ وہیل چیئر لگنے سے کئی لوگوں کے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح طواف کرنے کے لئے پہلے یا دوسرے فلور پر ایک بڑی سی متحرک بیلٹ لگا دی جائے جس پر معذور افراد کو وہیل چیئر سمیت کھڑا کر دیا جائے۔ بس اسٹاپ اور باتھ رومز سے لے کر ان بیلٹس تک مزید بیلٹیں بھی لگا دینی چاہیئیں۔ شاید مستقبل میں کسی وقت حکومت اس منصوبے پر عمل درآمد کر ڈالے۔

صفا سے شروع ہونے والی سعی کے ساتویں پھیرے کا اختتام مروہ پر ہوتا ہے۔ اس پر عمرہ ختم ہو جاتا ہے اور احرام کھولنے کی اجازت ہوتی ہے۔ احرام کھولنے کے لئے سر منڈوانا یا بال کٹوانا ضروری ہے۔ دور قدیم میں جب کسی کو اپنی غلامی میں لیا جاتا تو اس کے بال منڈوا یا کٹوا دیے جاتے تھے۔ عمرہ کے اختتام پر یہ عمل اس بات کی علامت ہے کہ بندے نے اپنے آپ کو اپنے رب کی غلامی میں مکمل طور پر دیا ہوا ہے۔

حلق یا قصر

مروہ کے دونوں فلورز پر ایک بڑا دروازہ ہے جس کے باہر بہت سے ہیئر کٹنگ سیلون ہیں۔ برادر مکرم ریحان احمد یوسفی کے بقول اگر آپ نے زیادہ پیسے دے کر خراب بال کٹوانے ہوں تو یہاں سے کٹوایئے۔ اس سلسلے میں میری تحقیقات یہ ہیں کہ اگر آپ کا ارادہ سر منڈوانے کا ہو تو آپ یہاں ذوق فرما سکتے ہیں۔ ہاں اگر آپ بال کٹوانے کا ارادہ رکھتے ہوں تو پھر حرم سے دور کسی حجام کا رخ کیجیے۔ زیادہ

بہتر ہے کہ کسی پاکستانی یا انڈین سیلون سے بال کٹوائیں ورنہ عرب نائی آپ کے ہیئر اسٹائل کو نہ سمجھنے کے باعث اس کا بیڑا غرق کر سکتا ہے۔ ہاں اگر آپ فوجی بھائیوں کی طرح پیالہ کٹ بال رکھتے ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

مجھے فن حجامت سے کوئی شغف نہیں۔ ایک حجام بھائی سے حاصل کی گئی معلومات کے مطابق سر مونڈنا اس فن کی مبادیات میں سے ہے اور یہ کام اس فن کے سیکھنے والے اپنے ابتدائی ایام میں سیکھ لیتے ہیں۔ چونکہ حرم کے قریب دکانیں اپنی کمرشل اہمیت کی بنا پر بہت مہنگی ہیں، اس لئے سیلونز کے مالک اپنی کاروباری لاگت کم کرنے کے لئے اناڑیوں کو بھرتی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ مشین کی مدد سے سر مونڈنا تو با آسانی سیکھ جاتے ہیں لیکن بال کاٹنے کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے چنانچہ یہ آپ کے بالوں کا وہی حال کر سکتے ہیں جو ایک ارنا بھینسا نازک برتنوں کی دکان کا کرتا ہے۔ شاید اس لئے عرب نائیوں کی دکان پر "صالون الحلاقہ" لکھا ہوتا ہے کہ اؤ اور ٹنڈ کرواتے چلے جاؤ۔

باب مروہ کے باہر وسیع صحن میں طہارت خانے موجود ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ عین اس مقام پر ابوجہل کا گھر ہوتا تھا۔ مسجد کے باہر صحن پر لوگ اس طرح دھرنا دیے بیٹھے تھے جیسے ہماری سیاسی جماعتیں دھرنا دیتی ہیں۔ یہ نہ صرف مرد تھے بلکہ ان میں خواتین بھی تھیں۔ ان کے بچے ادھر ادھر کھیل رہے تھے۔ دراصل مسجد کے اندر کھانے پینے کی چیزیں لانا ممنوع ہے، اس لئے لوگ عبادت سے فارغ ہو باہر آتے ہیں، دکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے ہیں، صحن میں بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں اور پھر عبادت کے لئے مسجد کا رخ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جائے ولادت

باب مروہ سے تھوڑے سے فاصلے پر، بس اسٹاپ کے قریب ہی لائبریری کی وہ عمارت تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا گھر ہوا کرتا تھا۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جائے پیدائش تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر جناب ابوطالب کا گھر تھا جنہوں نے والدہ اور دادا کی وفات کے بعد آپ کی خدمت کی۔

میں تصور ہی تصور میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور کے مکہ کو دیکھنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت، جوانی، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی، معاشرے میں مثبت سرگرمیوں کے فروغ سے لے کر دعوت دین کے آغاز کے مراحل میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگے۔ صفا پر پہلا وعظ، مکہ میں جگہ جگہ دین کی دعوت، سرداروں سے خطاب، عام لوگوں سے خطاب یہ سب مناظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔

مکہ چٹیل پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ شدید گرمی میں یہاں کے پتھر انگاروں کی طرح تپ جاتے ہیں اور ہم ننگے پاؤں زمین پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ مجھے سیدنا بلال، عمار، یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم یاد آئے جنہیں ان کے بے رحم آقا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کے سبب اس تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر دہکتے ہوئے پتھر رکھ دیا کرتے تھے لیکن دین کے ان جانثاروں کے پایہ

استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔

مروہ سے واپس آکر ہم لوگ مسجد میں داخل ہو گئے اور پہلے فلور پر جا کر عین کعبہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ یہاں پر کعبہ انتہائی دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ حرم میں رات کو فلڈ لائٹس کا اتنا خوبصورت نظام ہے کہ اس کے آگے ہمارے کرکٹ اسٹیڈیمز کی لائٹس کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ جب دودھیا لائٹ سیاہ و سنہری کعبہ پر پڑتی ہے اور اس کے بیک گراؤنڈ میں مطاف کا سفید فرش ہوتا ہے، تو آنکھیں اس منظر کو دیکھتی رہ جاتی ہیں۔ آپ نے کعبہ کی جو زیادہ تر تصاویر دیکھی ہوں گی، وہ اسی رخ اور اسی مقام سے لی گئی ہیں۔ اگرچہ حرم میں تصاویر کشی کی ممانعت ہے لیکن لوگ دھڑا دھڑ اپنے موبائل فونز کی مدد سے کعبہ کی تصاویر اتار رہے تھے۔ ایک پولیس مین نے انہیں اس سے منع کیا اور باز نہ آنے پر ان کے موبائل چھین لئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس سفر نامے اور اپنی ویب سائٹ میں اپنی بجائے دوسروں کی کھینچی ہوئی تصاویر کو جگہ دی ہے۔

یہاں بہت سکون تھا۔ میری اہلیہ نماز اور اذکار میں مشغول ہو گئیں۔ میں نے ریک میں سے ایک قرآن مجید اٹھالیا۔ مسجد میں ہر جگہ اس طرح کے ریک رکھے ہوئے ہیں اور ان میں قرآن مجید مختلف زبانوں میں ترجمے کے ساتھ موجود ہیں۔ مجھے اس ریک میں زیادہ تر فرنچ اور جرمن زبان کے ترجمے نظر آئے۔ میری یہ عادت رہی ہے کہ حرم مکہ میں میں اکثر قرآن مجید کی مکی سورتوں کی تلاوت کرتا ہوں اور حرم مدینہ میں مدنی سورتوں کی۔ اس طرح سیدنا ابراہیم اور حضور علیہما الصلوۃ والسلام کے ادوار کا ایک پیارا سا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ سامنے وہی مقامات ہوتے ہیں جہاں اللہ کے یہ برگزیدہ رسول اور ان کے ساتھیوں کی دینی جدوجہد میں مختلف واقعات پیش آئے ہوتے ہیں۔ میں نے قرآن کھولا تو سامنے سورہ ابراہیم تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا نے میرے سامنے وہ نقشہ کھینچ دیا جب آپ نے اپنی اولاد کی ایک شاخ کو اس مقام پر آباد کیا تھا۔ آپ کے اس اقدام کا مقصد اس دعا سے پوری طرح واضح ہوتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الأَصْنَامَ. رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنْ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنْ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنْ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔(ابراہیم 14:35-37)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی، "اے میرے رب! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے، مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ فرما دے۔ اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ میں سے ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس زراعت سے محروم اس وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کر دیا ہے تاکہ یہ نماز قائم رکھیں۔ اس لئے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر تاکہ وہ ان کی طرف (دین کا تعلق قائم کرنے کے لئے) آئیں اور انہیں پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار بن سکیں۔"

کافی دیر یہاں گزارنے کے بعد ہم لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ واپسی کے وقت ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔ زیادہ آسان یہ تھا کہ ہم لوگ فرسٹ فلور پر ہی چلتے ہوئے باب عبد العزیز یا باب فہد تک پہنچتے اور سیڑھیاں اتر کر باہر نکل جاتے لیکن ہم صفا کے پاس کی سیڑھیاں اتر کر گراؤنڈ فلور پر آ گئے اور اپنی طرف سے شارٹ کٹ مارنے کے چکر میں ایک غلط راستے پر چل نکلے۔

تھوڑی دور جا کر احساس ہوا کہ ہم غلط آ گئے ہیں۔ یہاں ہر طرف خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری اہلیہ کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا، وہ بڑے اطمینان سے ان کی صفیں پھلانگتی ہوئی بچوں کے ساتھ مطاف کی طرف نکل گئیں جبکہ میں وہیں بے یار و مددگار کھڑا رہ گیا۔ میں واپس مڑا تو وہاں بھی بہت سی خواتین صفیں بنا چکی تھیں۔ میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، زندگی میں پہلی مرتبہ میں ایسی صورتحال سے دوچار ہوا تھا۔ میرے لئے تو مردوں کی صفیں پھلانگنا بھی ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے کجا میں خواتین کی صفیں پھلانگتا۔

میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اچانک میری نظر ایک اور صاحب پر پڑی جو میری ہی صورتحال سے دوچار تھے لیکن میرے برعکس ان کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ یہ صاحب شکل سے پنجابی اور لہجے سے حیدر آباد دکن کے معلوم ہوتے تھے۔ سر استرے کے تازہ تازہ اثر سے سفید لائٹوں میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے خواتین کی صفوں کو پھلانگتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہاں زیادہ تر مصر، شام اور سعودی عرب کی بوڑھی خواتین بیٹھی تھیں جنہیں ان صاحب کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان صاحب کو عربی میں کوسنے دینے شروع کر دیے۔ غالباً یہ 'ککھ نہ رہوے' ٹائپ کے کوسنوں کا عربی ترجمہ تھا۔ ان صاحب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے باقاعدہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر ان عربی کوسنوں کا اردو میں جواب دیا، "اری اماں! تم بھی تو ہماری طرف آ جاتی ہو، کیا ہوا اگر غلطی سے ہم یہاں آ گئے۔"

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الأَصْنَامَ. رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنْ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنْ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنْ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (ابراہیم 14:35-37)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی، "اے میرے رب! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے، مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ فرما دے۔ اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ میں سے ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس زراعت سے محروم اس وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کر دیا ہے تاکہ یہ نماز قائم رکھیں۔ اس لئے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر تاکہ وہ ان کی طرف (دین کا تعلق قائم کرنے کے لئے) آئیں اور انہیں پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار بن سکیں۔"

کافی دیر یہاں گزارنے کے بعد ہم لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ واپسی کے وقت ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔ زیادہ آسان یہ تھا کہ ہم

لوگ فرسٹ فلور پر ہی چلتے ہوئے باب عبد العزیز یا باب فہد تک پہنچتے اور سیڑھیاں اتر کر باہر نکل جاتے لیکن ہم صفا کے پاس کی سیڑھیاں اتر کر گراؤنڈ فلور پر آ گئے اور اپنی طرف سے شارٹ کٹ مارنے کے چکر میں ایک غلط راستے پر چل نکلے۔

تھوڑی دور جا کر احساس ہوا کہ ہم غلط آ گئے ہیں۔ یہاں ہر طرف خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری اہلیہ کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا، وہ بڑے اطمینان سے ان کی صفیں پھلانگتی ہوئی بچوں کے ساتھ مطاف کی طرف نکل گئیں جبکہ میں وہیں بے یار و مددگار کھڑا رہ گیا۔ میں واپس مڑا تو وہاں بھی بہت سی خواتین صفیں بنا چکی تھیں۔ میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، زندگی میں پہلی مرتبہ میں ایسی صورتحال سے دوچار ہوا تھا۔ میرے لئے تو مردوں کی صفیں پھلانگنا بھی ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے کجا میں خواتین کی صفیں پھلانگتا۔

میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اچانک میری نظر ایک اور صاحب پر پڑی جو میری ہی صورتحال سے دوچار تھے لیکن میرے برعکس ان کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ یہ صاحب شکل سے پنجابی اور لہجے سے حیدر آباد دکن کے معلوم ہوتے تھے۔ سر استرے کے تازہ تازہ اثر سے سفید لائٹوں میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے خواتین کی صفوں کو پھلانگتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہاں زیادہ تر مصر، شام اور سعودی عرب کی بوڑھی خواتین بیٹھی تھیں جنہیں ان صاحب کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان صاحب کو عربی میں کوسنے دینے شروع کر دیے۔ غالباً یہ 'ککھ نہ رہوے' ٹائپ کے کوسنوں کا عربی ترجمہ تھا۔ ان صاحب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے باقاعدہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر ان عربی کوسنوں کا اردو میں جواب دیا، "اری اماں! تم بھی تو ہماری طرف آ جاتی ہو، کیا ہوا اگر غلطی سے ہم یہاں آ گئے۔"

ان کی قوت خود اعتمادی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا جس کی میں اس وقت خاصی کمی محسوس کر رہا تھا۔ میری حالت تو یہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ میں نے فوری طور پر دل ہی دل میں انہیں اپنا نجات دہندہ قرار دیا، لپک کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تا کہ وہ کہیں ہاتھ سے پھسل نہ جائیں اور تیزی سے ان کی پیروی شروع کی۔ ان کے صف پھلانگنے کے نتیجے میں بننے والے خلا کا میں نے بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ چند سیکنڈ میں ہم اس مصیبت سے چھٹکارا پا چکے تھے۔ مجھے اصولاً اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا لیکن بدحواسی میں نے پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا اور سر پر پاؤں رکھ کر مطاف کی طرف بھاگا جہاں میری اہلیہ اور بچے میری حالت زار پر ہنس رہے تھے۔ میری اہلیہ کہنے لگیں، "خدا کا شکر ادا کریں کہ یہ عرب خواتین تھیں، پاکستانی یا انڈین خواتین نہیں تھیں۔" میں نے اس جملے کی معنویت پر کافی غور کیا اور جب اس کا مطلب سمجھ میں آیا تو سچ مچ خدا کا شکر ادا کیا۔

باب فہد کے راستے باہر نکلنے میں ہمیں دس منٹ لگ گئے۔ باہر نکل کر ہم نے ایک کولر سے دل کھول کر آب زم زم پیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی فیملی کو سٹاپ پر کھڑا ہونے کے لئے کہا اور خود گاڑی لانے کے چل پڑا۔ گاڑی خوش قسمتی سے وہیں موجود تھی جہاں میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس پر پولیس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ میں اسے لے کر واپس آیا اور بال بچوں کو اس میں لاد کر اپنے کزن عابد کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا جو مکہ ہی میں مقیم ہیں۔ یہاں آ کر ہم نے بھابی سے قینچی مانگی اور خود ہی پورے سر کے مختلف حصوں سے بال

کاٹ کر احرام کھولا۔



مقامِ ولادت رسول ﷺ



جبل نور اور غارِ حراء

جبل نور اور غار حرا

عابد کا گھر شارع ام القریٰ پر حرم سے تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اگلی صبح میں تن تنہا پیدل ہی سوئے حرم چل پڑا۔ راستے میں میں نے ایک بنگالی ریسٹورنٹ پر رک کر کافی کا گلاس لیا اور پیدل چلتا گیا۔ میں نے موبائل پر اپنے دوسرے کزن ابرار کو کال کی۔ ابرار سعودی عرب کے ابوجدائل گروپ میں ملازم تھے اور ان دنوں غار حرا کے بالکل نیچے جبل نور کے دامن میں ان کا سائٹ آفس تھا۔ ابرار نے مجھے حرم کے باب فہد پر پہنچنے کے لئے کہا۔ تقریباً آدھ گھنٹے میں میں حرم پر پہنچ گیا۔ جب میں باب فہد پر پہنچا تو ابرار وہاں کھڑے دانت نکال رہے تھے۔

رسمی کلمات کے بعد ہم لوگ مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کی صبح تھی۔ چھٹی کا دن ہونے کے باعث اکثر لوگ فجر کی نماز کے بعد محو استراحت تھے۔ ان دنوں محرم کے آخری ایام تھے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی حاجی رخصت ہوئے تھے اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے ابھی ویزوں کا اجرا شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ حرم کی زیارت کا آئیڈیل وقت تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس مرتبہ حجر اسود کا بوسہ نصیب ہو ہی جائے گا۔

جب ہم لوگ مطاف تک پہنچے تو واقعتا رش بہت ہی کم تھا لیکن 'قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے' کی سی کیفیت تھی۔ ہماری طرح کے رش سے بھاگنے والے تین چار سو افراد عین اس وقت بھی وہاں موجود تھے۔ شاید یہ مسجد الحرام کا کم سے کم رش ہو گا۔ خیر ہم نے اطمینان سے طواف کیا، حطیم میں نوافل ادا کئے اور باب مروہ سے نکل کر جبل نور کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابرار کے کیمپ پر پہنچ کر کچھ دیر سستانے کے بعد ہم جبل نور پر چڑھنے کے لئے تیار ہو گئے۔

جبل نور مکہ سے طائف اور پھر ریاض جانے والی سیل ہائی وے کے کنارے واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں بھی یہ راستہ ہی رہا ہو گا۔ آپ کے گھر سے پیدل یہاں تک آٹھ دس کلومیٹر کا فاصلہ ہو گا۔ جبل نور کا سلوپ کافی زیادہ ہے۔ شروع میں اس پر چڑھتے ہوئے راستہ 45 کے زاویے پر اٹھتا ہے اور درمیان میں جا کر تقریباً 60 کے زاویے پر مڑ جاتا ہے۔ پہاڑی کے درمیان تک روڈ بنا ہوا ہے جہاں گاڑی جا سکتی ہے۔ آگے پیدل ٹریک ہے۔ راستے کے شروع میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر عربی، انگریزی، اردو، فرنچ اور ایک آدھ اور زبان میں یہ تحریر درج تھی۔

> "برادران اسلام! نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس پہاڑی پر چڑھنا، اس پر نماز پڑھنا، اس کے پتھروں کو چھونا، اس کے درختوں پر گرہیں لگانا، اس کی مٹی، پتھر اور درختوں کی شاخوں کو بطور یاد مشروع نہیں کہا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی

سنت کی اتباع ہی میں ہم سب کے لئے بھلائی ہے۔ اس لئے آپ اس کی مخالفت نہ کریں۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے، "اللہ کے رسول تم سب کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔"

حضور کے دور کا مکہ



حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دین کو اسی طرح لینا چاہیئے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیا ہے۔ آپ نے کبھی بھی جبل نور پر چڑھنے، اس پر نماز پڑھنے، اس کے پتھروں کو چھونے، اس کی مٹی اور پتھر کو ساتھ لے جانے کا حکم نہیں دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے کہیں زیادہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت کرنے والے تھے۔ انہوں نے بھی آپ کی زندگی میں یا آپ کے بعد ایسا نہیں کیا۔ اس لحاظ سے یہ اعمال یقینی طور پر دین اور شریعت کا حصہ نہیں ہیں۔ ہاں دین اور شریعت سے ہٹ کر ان کی ایک تاریخی اہمیت ضرور ہے جو کسی بھی بڑی شخصیت کے ساتھ کسی چیز کی نسبت ہونے سے پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

میرا اس پہاڑ پر چڑھنے کا مقصد ان جگہوں کو دیکھنا تھا جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وقت گزارا تھا۔ ان جگہوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے معمولات سامنے آتے ہیں جو آپ کی سیرت کے طالب علم کی حیثیت سے میرے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان جگہوں سے آپ کی تعلق کی بنا پر ایک جذباتی وابستگی بھی ہر مسلمان کو ہوتی ہے لیکن اس کو

بہر حال دین اور شریعت کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔

فروری کا مہینہ تھا اور دھوپ میں کوئی خاص گرمی نہ تھی لیکن ہمارا پسینہ چھوٹنے لگا۔ روڈ کا سلوپ بہت زیادہ تھا۔ پہاڑی ٹریک تک پہنچتے پہنچتے ہم پسینے سے نہا چکے تھے۔ ابرار کا تعلق دیہاتی ماحول سے تھا۔ میں شہری ماحول سے تعلق رکھنے کے باوجود پابندی سے اسکواش کھیلنے کا عادی تھا اور اس کے علاوہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں ٹریکنگ میرا شوق رہا تھا۔ اس کے باوجود اس پہاڑ کی چڑھائی خاصی مشکل معلوم ہو رہی تھی۔

جبل نور



پہاڑی ٹریک پتھروں پر مشتمل تھا۔ بعض جگہوں پر اسے سیڑھیوں کی شکل دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ شاید یہ ٹریک ہم پاکستانیوں ہی کو مشکل لگ رہا تھا ورنہ بعد میں ایک اور سفر میں میں نے دیکھا کہ اس ٹریک پر ترک بابے اور مائیاں قلانچیں بھرتے ہوئے اوپر جا رہے ہیں اور واپس آ رہے ہیں۔ تقریباً دو سو میٹر کی بلندی پر ایک چھپر ہوٹل تھا۔ اس ہوٹل کے بعد راستے نے باقاعدہ سیڑھیوں کی شکل اختیار کر لی۔ جگہ جگہ کچھ افراد ہاتھ میں کشکول نما برتن لئے کھڑے تھے اور سیڑھیاں بنانے کے لئے چندہ مانگ رہے ہیں۔ یہاں کی حکومت اس پہاڑ پر چڑھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی ورنہ یہاں چیئر لفٹ لگانا کیا مشکل تھا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ یہاں کھڑے تھے اور چندے میں سے کچھ رقم سیڑھیوں پر لگا کر باقی سے اپنا خرچ نکال رہے تھے۔

جبل نور کی چوٹی تک پہنچنے میں ہمیں 45 منٹ لگے۔ پہاڑوں پر چڑھنے کا میرا اسٹائل یہ ہے کہ میں دس بیس قدم اٹھاتا ہوں، پھر چند سیکنڈ رک کر سانس لیتا ہوں اور پھر آگے چل پڑتا ہوں۔ جب ضرورت محسوس ہو تو رک کر دو تین منٹ آرام بھی کر لیتا ہوں۔ اس کے باوجود ہم خاصی جلدی اوپر پہنچ گئے تھے۔ پہاڑ کی بلندی سے دور دور تک پھیلا ہوا مکہ نظر آ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے

دور میں آبادی یہاں سے کافی دور رہی ہو گی جبھی آپ نے اس پہاڑ کا انتخاب فرمایا۔ اب مکہ اور شہروں کی طرح پھیلتا ہوا اس پہاڑ سے بھی پرے تک پھیل چکا ہے۔ سامنے البیک ریسٹورنٹ کا چمکتا ہوا زرد اور سرخ رنگ کا سائن بورڈ نظر آرہا تھا۔ مکہ شہر مختلف وادیوں میں پھیل چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان وادیوں کو ملانے والی بہت سی سڑکیں پہاڑوں کے بیچ میں بنائی گئی سرنگوں سے گزرتی ہیں۔

غار حرا



اچانک میری نظر دور چمکتی ہوئی مسجد الحرام پر پڑی۔ مسجد کے مینار پوری شان کے ساتھ فضا میں ایستادہ تھے اور مسجد کا منظر یہاں سے بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں تشریف لاتے ہوں گے تو شاید یہاں سے کعبہ بھی نظر آتا ہو۔ مسجد کے بیک گراؤنڈ میں زیر تعمیر 65 منزلہ حرمین ٹاورز کی عمارت بھی نظر آرہی تھی۔ یہ بھی ٹوئن ٹاورز بنائے جارہے ہیں۔ شاید ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا یہ فیشن پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔

اب ہم پہاڑی کے دوسری جانب اترنے لگے۔ یہاں باقاعدہ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ تھوڑا سا اترنے پر ایک غار آگیا۔ یہ پہاڑ کے آر پار جانے والا غار تھا۔ اس میں بڑی بڑی چٹانیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اور اتنا تنگ راستہ تھا کہ بمشکل جسم کو موڑ توڑ کر

انسان رینگتا ہوا ان چٹانوں کے درمیان سے نکل سکتا ہے۔ مجھے اپنے 40 انچ کے پیٹ کے ساتھ خاصی مشکل پیش آئی۔ نجانے یہاں 50-55 انچ سائز کے پیٹ والے عرب لوگ یہاں سے کیسے گزر جاتے ہوں گے جن کے آگے میں خود کو خاصا سمارٹ محسوس کرتا ہوں۔ اس غار سے گزرنے کے بعد ہم پہاڑ کی دوسری جانب تھے اور ہمارے سامنے پہاڑ کی دیوار میں غار حرا موجود تھا۔

غار حرا ایک چھوٹا سا غار ہے جس میں بمشکل ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہاں آگے پیچھے دو جاء نماز رکھے ہوئے تھے جن پر چار افراد نوافل ادا کر رہے تھے۔ یہاں سے بھی مسجد الحرام صاف نظر آ رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ بعثت سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیوں فرمایا؟



مجھے سمجھ میں آیا کہ مکہ اس دور میں بھی ایک مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ کثیر تعداد میں لوگ حج اور عمرہ کرنے کے لئے یہاں آیا کرتے کیونکہ یہ عبادات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے یہاں جاری تھیں۔ اس کے علاوہ مکہ ایک بڑا تجارتی شہر بھی تھا اور یمن سے شام جانے والی بین الاقوامی تجارتی شاہراہ کا ایک اہم جنکشن تھا۔ شہر کی اس گہما گہمی کی وجہ سے آپ نے جبل نور کا انتخاب فرمایا ہو گا۔ دور جاہلیت میں بھی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک معمول کی بات تھی اور عرب کے بہت سے لوگ اسے اختیار کیا کرتے تھے۔ اسے اصطلاحاً "تحنُّس" کا نام دیا گیا تھا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے دین میں اعتکاف کی شکل میں جاری فرما دیا۔

میں ان چٹانوں کو دیکھنے لگا۔ یہاں ہر طرف میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور قدموں کے نشانات اب بھی موجود ہوں گے۔ میرے لئے یہ احساس ہی کافی تھا کہ میں اس مقام پر موجود ہوں جہاں کی فضا میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم

نے کبھی سانس لیا ہو گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود بھیجا۔ درود کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے دعا ہے۔ ظاہر ہے ہماری دعاؤں کے کرنے یا نہ کرنے سے آپ کی شان پر کیا اثر پڑتا ہو گا۔ لیکن یہ دعا محبت کی نشانی ہے۔

ایک سخی جب فقیر کو کچھ دیتا ہے تو فقیر جواب میں اور کچھ نہیں تو دعا کر کے ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ میری ذات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں۔ سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ آپ کے ذریعے مجھے اپنے پروردگار کی پہچان نصیب ہوئی اور میں اس کے کلام پاک کی لذت سے آشنا ہوا۔ میں اس کے جواب میں آپ کو کچھ دینے کی اوقات نہیں رکھتا، صرف آپ کے لئے اپنے رب سے دعا کر کے الفت وعقیدت کا نذرانہ ہی پیش کر سکتا ہوں۔ اللھم صل علی محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت ابراہیم و علیٰ اٰل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراہیم و علیٰ اٰل ابراہیم انک حمید مجید۔

جمعہ کی نماز کا وقت قریب آ رہا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ جمعہ کی نماز مسجد الحرام میں ادا کی جائے۔ چنانچہ ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ ذرا سا اوپر چوٹی پر پہنچے اور پھر اترنا شروع کیا۔ جو فاصلہ ہم نے پینتالیس منٹ میں چڑھ کر طے کیا تھا، اسے اترنے میں ہمیں پندرہ منٹ لگے۔ اب ہم نیچے آبادی میں تھے جہاں ایک وین حرم جانے کے لئے تیار تھی۔ اس میں بیٹھے اور حرم جا پہنچے۔ اب کی ہم باب السلام سے داخل ہوئے جو صفا و مروہ کی سعی کی گیلری کے عین درمیان میں واقع ہے۔ ہم لوگ سیدھے فرسٹ فلور پر کعبہ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ جمعہ کی اذان ہو رہی تھی۔ ایسا روح پرور منظر اس سے پہلے زندگی میں دیکھنا مجھے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ اذان کے بعد امام صاحب نے خطبہ دیا۔ سعودی عرب میں مساجد پر حکومت کا کنٹرول ہے اور جمعہ کے خطبات بھی وزارت سے تیار ہو کر آتے ہیں۔ یہ خطبات مکمل طور پر اصلاحی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔ الحمد للہ سعودی عرب میں فرقہ واریت موجود نہیں ہے اور لوگ الگ الگ نقطہ نظر رکھنے کے باوجود ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ہاں فرقوں کے زیادہ تر فتنے مساجد کی پرائیویٹائزیشن سے پیدا ہوئے ہیں۔

نماز کے بعد مسجد سے نکلنے کا مرحلہ تھا۔ شروع شروع میں میں اکثر مسجد سے نکلتے ہوئے کوئی نہ کوئی غلطی کر ہی جاتا تھا۔ اس بار غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اندر کی بجائے باہر کی طرف سے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ مجھے خاصا مہنگا پڑا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور سفید ماربل اس کی روشنی کو کسی آئینے کی طرح منعکس کر رہا تھا۔ پہلے تو مجھے احساس نہ ہوا لیکن تھوڑی دور جا کر آنکھیں چندھیا گئیں۔ اب چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھوں کو بند کیا اور پھر تقریباً ایک ملی میٹر کے برابر ایک آنکھ کھول کر چلنا شروع کیا۔ میرا انداز بالکل نابینا لوگوں کا سا تھا۔ آنکھوں سے بری طرح پانی بہہ رہا تھا اور میں بن لادن گروپ کے ان انجینئرز کی جان کو رو رہا تھا جنہوں نے حرم کے صحن میں لگانے کے لئے سفید ماربل کا انتخاب کیا تھا۔ بڑی مشکل صحن سے گزر کر بس سٹاپ تک آیا اور ایک وین میں بیٹھ کر عابد کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس دن کے بعد سے میں نے مستقلاً ایک سن گلاس اپنی گاڑی میں رکھ لیا۔

مکہ کے دیگر تاریخی مقامات

حدیبیہ

اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔ 23 ستمبر کا دن تھا اور سعودی قومی دن کی چھٹی بھی تھی۔ ہم نے اس دن مکہ کے تاریخی مقامات دیکھنے کا ارادہ کیا۔ ہم لوگ ظہر کی نماز سے کچھ دیر پہلے روانہ ہوئے اور عین نماز کے وقت حدیبیہ جا پہنچے۔ یہاں چیک پوسٹ کے ساتھ ہی ایک مسجد بنا دی گئی ہے۔ مسجد کافی پرانی تھی۔ صحرا میں لو چل رہی تھی۔ ہم مسجد میں داخل ہو ۔ اسی مقام پر صلح حدیبیہ ہوئی تھی۔

6ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، 1400 صحابہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عمرے کے لئے مکہ تشریف لائے۔ اہل مکہ نے آپ کو عسفان کے مقام پر روکنے کی کوشش کی۔ آپ راستہ بدل کر دشوار گزار راستوں سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ میں بھیجا۔ اہل مکہ نے انہیں روک لیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ عثمان شہید کر دیے گئے۔ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی کہ وہ میدان جنگ میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ تاریخ میں یہ "بیعت رضوان" کے نام سے جانی جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے ان بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوشخبری سنائی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اہل مکہ نے سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ، جو بعد میں اسلام لائے، کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے صلح کی پیش کش کی اور کچھ شرائط پیش کیں۔ ان شرائط میں صرف ایک شرط مسلمانوں کے حق میں تھی کہ قبائل کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ قریش یا مسلمانوں، جس سے چاہے مل جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک فائدے کے لئے باقی تمام شرائط کو قبول کر لیا جو بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں۔

اس سے ہمارے ناعاقبت اندیش لیڈروں کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ بڑے فائدے کے لئے چھوٹے مفادات کو قربان کرنا ہی عملی سیاست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد صرف 1400 تھی۔ دو سال کے عرصے میں اس صلح کی بدولت یہ تعداد 10000 تک جا پہنچی۔ جب قریش نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اسے توڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ کو فتح کر لیا۔ قرآن مجید نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا:

> "ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کرے، تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے۔---------- جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ کی بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔(فتح 10-48:1)



مسجد شمیسی، حدیبیہ


مسجد جعرانہ


مسجد جعرانہ کا تاریخی کنواں

مسجد جعرانہ

حدیبیہ میں ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔ مکہ کے تیسرے رنگ روڈ سے ہم نے منیٰ کا رخ کیا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ منیٰ کا پورا نقشہ دیکھ لیا جائے تا کہ حج کے موقع پر کوئی پریشانی نہ ہو۔ منیٰ سے فارغ ہو کر ہم مسجد جعرانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ مسجد طائف جانے والے سیل کبیر والے راستے پر موجود ہے۔ جعرانہ کے مقام پر حرم کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور فٹ بال کا ایک بہت بڑا اسٹیڈیم نظر آتا ہے۔ اس اسٹیڈیم پر نہایت کی خوبصورت قابل حرکت فلڈ لائٹس لگی ہوئی ہیں۔ جعرانہ کے ایگزٹ سے ایک سڑک نکل کر مسجد جعرانہ کی طرف جاتی ہے جو یہاں سے نو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

اس مسجد کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ غزوہ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہاں مال غنیمت تقسیم کیا تھا۔ پھر اسی مقام سے آپ نے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا تھا۔ اسی موقع پر آپ نے قریش کے نومسلموں کی تالیف قلب کے لئے انہیں کچھ زیادہ مال عطا فرمایا تا کہ یہ لوگ ایمان پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں۔ اس پر انصار کے بعض نوجوانوں کو یہ خیال آیا کہ آپ انہیں اپنے ہم قوم ہونے کے ناتے زیادہ نواز رہے ہیں۔

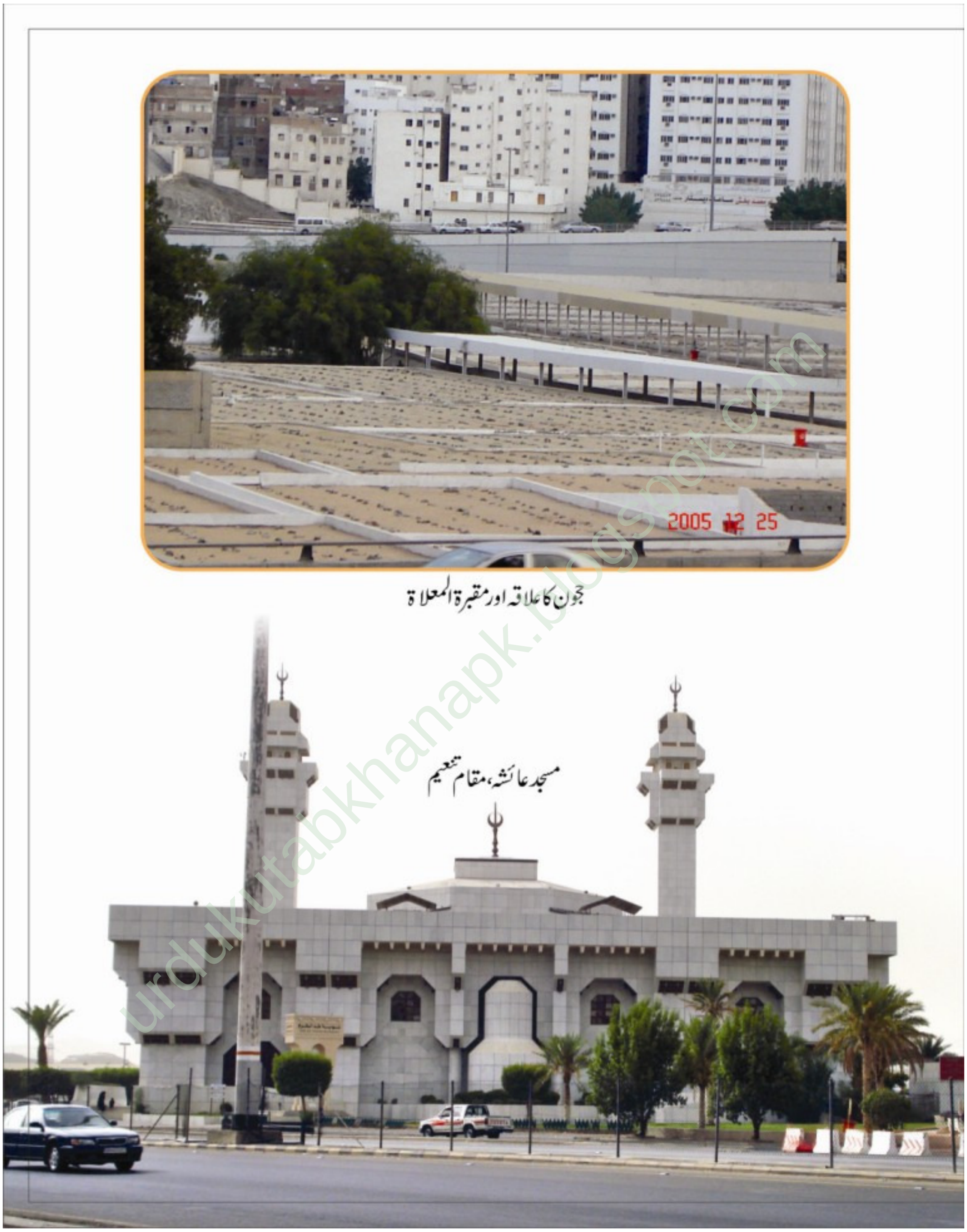
اگر آپ آمرانہ انداز میں حکومت کر رہے ہوتے تو ان نوجوانوں کو سزا دیتے لیکن آپ نے اس کی بجائے انصار کو جمع کیا اور تفصیل سے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ قریش کے نومسلموں کو زیادہ مال کیوں دیا گیا ہے؟ اس موقع پر آپ نے انصار کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ، ''لوگ تو مال و دولت لے جائیں گے جبکہ تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔'' آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد بھی آپ کا ٹھکانہ انصار کے ساتھ ہی ہو گا۔ یہ ایک نہایت ہی جذباتی منظر تھا۔ انصار کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ یہ خوشی کے آنسو تھے جو ظاہر کرتے تھے کہ انصار کو حضور سے کتنی محبت تھی۔

مقام تنعیم

مدینہ جانے والے راستے پر تنعیم کے مقام پر حرم مکہ کی حدود ختم ہوتی ہیں۔ یہاں ایک مسجد ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے موسوم ہے۔ دور قدیم سے مکہ کے رہنے والے عموماً عمرہ ادا کرنے کے لئے یہاں آکر احرام باندھتے ہیں۔ ویسے تو اہل مکہ کسی بھی جانب حرم کی حدود سے باہر جا کر احرام باندھ کر عمرہ کرنے کے لئے آسکتے ہیں لیکن ان کی ترجیح یہی مسجد عائشہ ہوتی ہے کیونکہ یہ مسجد الحرام سے قریب ترین ہے اور یہاں سے حرم تک ٹرانسپورٹ با آسانی دستیاب ہے۔

اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی مخصوص وجوہات کے باعث عمرہ ادا نہ کر سکی تھیں۔ حج کے بعد انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس حسرت کا اظہار کیا تو آپ نے انہیں ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مقام تک بھیجا جہاں سے انہوں نے احرام باندھ کر واپس کعبہ آ کر عمرہ ادا کیا۔ جب سیدنا عبداللہ بن زبیر

رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی تو سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر آ کر عمرہ ادا کریں۔



جون کا علاقہ اور مقبرۃ المعلاۃ

مسجد عائشہ، مقام تنعیم

حجون، جبل خندمہ اور فتح مکہ

مسجد جعرانہ سے ہم لوگ حجون کے علاقے کی طرف آ نکلے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے حضور فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہاں بازار ہی بازار ہیں۔

صلح حدیبیہ کی شرائط کے تحت اہل مکہ اور مسلمانوں میں دس سال کے لیے جنگ بندی ہوئی۔ صرف دو سال بعد قریش کے حلیف بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر شب خون مارا اور قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ حدیبیہ کے معاہدے کی کھلی خلاف ورزی تھی جو قریش کی جانب سے ہوئی۔ اس کے بعد اس معاہدے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دس ہزار قدوسیوں کا لشکر جرار تیار کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لشکر کا ذکر بائبل کی کتاب استثنا میں موجود ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی وفات سے پہلے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

> خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر ظاہر ہوا، اور کوہ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا، وہ جنوب سے اپنی پہاڑی ڈھلانوں میں سے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ (کتاب استثنا 3-33:2)

آپ کی تیاریوں کی خبر سن کر قریش کے سردار ابوسفیان مدینہ آئے اور آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ مکہ پر حملہ نہ کریں۔ ابو سفیان چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سسر بھی تھے، اس لئے انہوں نے اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی سفارش بھی کروانا چاہی جس پر وہ تیار نہ ہوئیں۔

حجون سے نکل کر ہم جبل خندمہ کی طرف سے حرم میں داخل ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور نے مختلف دستوں کو مختلف اطراف سے مکہ میں داخل فرمایا تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، خندمہ سے داخل ہوئے۔ مکہ کے چند سرکشوں نے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ مکہ بڑی آسانی سے فتح ہو گیا۔ پورا مکہ فتح ہونے میں گنتی کے صرف چند لوگ قتل ہوئے جنہوں نے سیدنا خالد کے دستے کے سامنے مزاحمت کی تھی۔

مکہ پر حملے سے قبل ہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ رسول اللہ نے ان تمام لوگوں کے لئے معافی کا اعلان کر دیا جو جنگ میں مزاحمت نہ کریں، اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیں، یا کعبہ میں پناہ لے لیں یا پھر ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لیں۔ اہل مکہ نے تیرہ سالہ دعوت میں رسول اللہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ انہیں بھی اپنی زیادتیوں کا پورا احساس تھا۔ حضور نے ان سب کو کعبہ کے پاس اکٹھا فرمایا اور ان سے فرمایا، "میں تمہیں وہی کہوں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں۔" اس عام معافی کے نتیجے میں تمام اہل مکہ ایمان لائے۔ ان میں بڑے بڑے اسلام دشمنوں ابوجہل اور امیہ بن خلف کے بیٹے عکرمہ اور صفوان بھی ایمان لائے۔ ان دونوں حضرات نے بعد میں ساری عمر اسلام کی خدمت میں لگا دی اور روم و ایران کے خلاف کئی معرکوں میں داد شجاعت دی۔

منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور غار ثور

مکہ کے قریب یہ تین تاریخی میدان ہیں جہاں حج ادا کیا جاتا ہے۔ اب یہ جدید مکہ کے اندر شامل ہو چکے ہیں۔ ان کا تفصیلی تذکرہ آگے حج کے باب میں آ رہا ہے۔ غار ثور کے لیے دیکھیے ہجرت کا باب۔

سفر حج

اب حج کا موسم قریب آ رہا تھا۔ چونکہ سعودی عرب میں یہ میرا پہلا سال تھا اس لئے حج کا موقع ہمیں زندگی میں پہلی مرتبہ مل رہا تھا۔ ہم کسی صورت بھی اس موقع کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ عید الفطر کے فوراً بعد عمرے کے زائرین واپس جانے لگے اور حرمین شریفین خالی ہونے لگے۔ ذیقعد کی آمد کے ساتھ ہی حجاج کے قافلے دھڑا دھڑ جدہ پہنچنے لگے۔ ہمارا گھر چونکہ جدہ ایر پورٹ سے کچھ ہی فاصلے پر تھا اس لئے تمام جہاز ہمارے گھر کے اوپر سے گزرتے ہوئے ایر پورٹ پر جا اترتے۔ ایک دن میں نے دس منٹ تک ان جہازوں کا شمار کیا تو محض دس منٹ میں سات آٹھ جہاز اتر چکے تھے۔

ہم نے حج کی تیاریاں ڈیڑھ ماہ پہلے ہی شروع کر دیں۔ میرا تجربہ ہے کہ اگر مناسب تیاری اور پلاننگ سے کسی کام کو کیا جائے تو اس میں پریشانیاں کم سے کم ہوتی ہیں۔ تیاریوں کا آغاز ہم نے منی، مزدلفہ اور عرفات کا سروے کر کے کیا۔ گوگل ارتھ پر تفصیل سے ایک ایک مقام کا جائزہ لیا۔ منی کے نقشے کو اچھی طرح سمجھا۔ عرفات کے انفرا اسٹرکچر کا جائزہ لیا۔ حج کے لئے ضروری ساز و سامان خریدنے کے لئے جدہ کے "بلد" کا رخ کیا جو کہ جدہ کا "اندرون شہر" ہے۔ اس کے بازاروں کو کراچی کے صدر یا لاہور کی انار کلی پر قیاس کر لیجیے۔ اپنی شاپنگ کے دوران ہم نے سلیپنگ بیگ، ایک عدد خیمہ، سامان کھینچنے والی ٹرالی اور ماریہ کے لئے پرام خریدی۔

حج سے چار ہفتے قبل ہم لوگ مکہ گئے اور منی، مزدلفہ اور عرفات کا تفصیلی جائزہ لیا۔ میری اہلیہ کو شیطان دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ کہنے لگیں، "حج کے دنوں میں تو ماریہ کو سنبھالنے کے باعث میں شیطان کے دیدار سے محروم رہوں گی، اس لئے ابھی دکھا دیجیے۔" جب ہم منی پہنچے تو وہاں حج کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں اور سینکڑوں کارکن صفائی اور دیگر کاموں میں مشغول تھے۔ ہم لوگ پل پر ہی گاڑی کھڑی کر کے شیطان کے دیدار کے لئے روانہ ہوئے۔ ان دنوں جمرات برج کو فائنل ٹچ دیا جا رہا تھا۔ نئے جمرات برج کے ساتھ یہ پہلا حج تھا۔

پہلے جمرات پتلے پتلے ستونوں کی شکل میں تھے جن پر چاروں طرف سے سنگ باری کی جاتی تھی۔ لوگ چاروں طرف سے آتے اور انہیں واپسی کا راستہ نہ ملتا۔ درست نشانہ لگانے کی کوشش میں حجاج بھگدڑ کا شکار ہوتے اور بہت سی قیمتی جانیں یہاں ضائع ہوتیں۔ جدید پل کو اس طرح بنایا گیا تھا کہ لوگ ایک طرف سے آئیں اور رمی کرتے ہوئے دوسری طرف سے نکل جائیں۔ قدیم پتلے ستونوں کی جگہ اب چوڑے چوڑے ستون بنا دیے گئے تھے۔ جمرات کو دیکھ کر میری اہلیہ کو کافی مایوسی ہوئی کیونکہ یہ سیدھے سادے ستون تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں پر شیطان کی کوئی خوفناک سی صورت بنی ہو گی لیکن ایسا کچھ نہ تھا۔

منی میں بہت سے مقامات پر منی کے خیموں کے تفصیلی نقشے دیے گئے تھے۔ ہم نے ان نقشوں کا تفصیلی مطالعہ کیا تاکہ بعد میں مشکل نہ ہو۔ منی دراصل ایک ٹینٹ سٹی ہے جہاں مستقل خیمے بنے ہوئے ہیں۔ آگ لگنے کے واقعات کے باعث اب ان خیموں کو فائر

پروف میٹریل سے بنایا گیا ہے۔ پہلے لوگ خیموں میں کھانا پکاتے جس کے باعث آگ لگ جاتی۔ اب کئی خیموں کے علیحدہ کچن بنا دیے گئے ہیں۔

قدیم جمرات



منی کے بعد ہم نے مزدلفہ کا رخ کیا۔ مسجد مشعر الحرام دیکھی اور منی سے عرفات براستہ مزدلفہ جانے والی سڑکوں کا جائزہ لیا۔ عرفات میں مسجد نمرہ دیکھی، جبل رحمت دیکھا اور عرفات کے رنگ روڈ کا تفصیلی جائزہ لیا۔

مزدلفہ کے بیچوں بیچ دو چوڑی سڑکیں سیدھی عرفات کی طرف جا رہی تھیں جس پر "طریق المشاۃ" لکھا ہوا تھا۔ یہ پیدل حج کرنے کا راستہ تھا۔ بہت سے حجاج سے ہم سے سنا تھا کہ گاڑیوں کے ذریعے حج کرنے والے بہت خوار ہوتے ہیں۔ اگرچہ منی سے عرفات تک وسیع سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے لیکن گاڑیوں کی تعداد کے باعث ٹریفک جام ہو جاتا ہے اور کئی کئی گھنٹے کے سفر کے بعد لوگ چند کلومیٹر کا سفر کرتے ہیں۔ اس بنیاد پر ہم نے طے کیا کہ گاڑیوں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے زور بازو بلکہ زور ٹانگ پر حج کیا جائے۔ ٹانگوں کے اسٹیمنا میں اضافے کے لئے میں نے روزانہ اپنی اہلیہ کو چھ چھ کلومیٹر پیدل چلانا شروع کر دیا۔

جدہ میں بہت سے حج گروپ آپریٹ کرتے ہیں جو جدہ سے حجاج کو لے کر جاتے ہیں اور واپس وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک آدھ کو

چھوڑ کر ان کی سروس کے بارے میں لوگوں کے یہی تاثرات تھے کہ ان کی خدمات نہ ہی حاصل کی جائیں تو اچھا ہے چنانچہ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ کسی گروپ کی بجائے خود ہی حج کریں۔ بعد کے تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے دونوں فیصلے درست تھے۔

آٹھ ذوالحجہ

حج کی تیاریوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور سات ذوالحج کی شام آ پہنچی۔ شام کو تمام چیزیں پیک کر کے ہم اگلی صبح روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور سوئے منی چل پڑے۔

ہمارا خیال تھا کہ جدہ مکہ روڈ پر بہت رش ہو گا لیکن یہاں خلاف توقع بہت سکون تھا کیونکہ بیرون ملک سے آنے والے حاجی سات تاریخ سے پہلے ہی مکہ پہنچ چکے تھے اور جدہ سے جانے والے گزشتہ رات بسوں کے ذریعے منی پہنچ چکے تھے۔ ان بے چاروں نے 75 کلو میٹر کا فاصلہ چھ چھ گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ اب سڑک پر بہت کم بسیں تھیں۔ اس وقت وہی سر پھرے جا رہے تھے جنہوں نے ہماری طرح اپنے بل بوتے پر حج کا ارادہ کیا تھا۔

جدہ اور مکہ کے راستے میں تین چیک پوسٹیں لگا دی گئی تھیں جن میں سے ہر ایک پر بس والوں کی تفصیلی جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ ہمیں کسی نے نہ پوچھا، چنانچہ ہم لوگ محض پینتالیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد مکہ میں داخل ہو گئے۔ میں نے ایک بقالے سے تیس ریال کا موبائل کارڈ خریدا جو کہ ان صاحب نے بتیس ریال میں دیا کیونکہ آج ان کی کمائی کا دن تھا۔

مکہ کے تھرڈ رنگ روڈ پر ٹریفک جام تھا کیونکہ اب اہل مکہ منی کے لئے نکل آئے تھے۔ ہم نے سروس لین پکڑی اور کسی نہ کسی طرح ہم منی کے قریب پہنچے۔ روڈ سے ہٹ کر ایک طرف کسی سرکاری محکمے کی بڑی اچھی پارکنگ تھی جس میں ہمیں خوش قسمتی سے جگہ مل گئی۔ یہاں گاڑی کھڑی کر کے ہم نے سامان کو ٹرالی پر باندھا۔ ماریہ کو پرام میں بٹھایا۔ اب میں ٹرالی کھینچنے لگا اور میری اہلیہ ماریہ کو دھکیلنے لگیں۔ یہ جگہ مقام سے تقریباً تین کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔

بے شمار حاجی جوق در جوق منی کی طرف جا رہے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ادا کی گئی خداوند قدوس کی پکار کو اسی رب نے پوری دنیا میں ایسے پھیلایا ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس فریضے کی ادائیگی کے لئے چلے آتے ہیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ دنیا کے انسانوں کی اکثریت اپنے رب سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ اگرچہ انسان کبھی اس کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے لیکن پھر بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس دنیا میں انسان کا امتحان یہ نہیں کہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہو بلکہ اس کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے سر جھکا کر رہے اور اگر کبھی نافرمانی ہو جائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کر کے توبہ کی جائے۔

ہم بھی اہل محبت کے اس قافلے میں شامل ہو گئے جو دو ان سلی چادریں اوڑھے سوئے منی چلے جا رہے تھے۔ گاڑیوں میں بیٹھے لوگ ٹریفک جام کے باعث گھنٹوں سے ایک ہی مقام پر کھڑے تھے جبکہ پیدل چلنے والے چلے جا رہے تھے۔ آدھ گھنٹے میں ہم منی کی حدود میں

داخل ہو چکے تھے۔ ہم لوگ عبد العزیز برج پر چلتے گئے اور منی کے دوسری جانب جا پہنچے جہاں رش کم تھا۔ ایک نسبتاً پر سکون گوشہ دیکھ کر ہم نے خیمہ نصب کیا اور بیٹھ کر اذکار کرنے لگے۔



منیٰ کا ٹینٹ سٹی



منی کا نقشہ کچھ اس طرح سے ہے کہ پورے منی کے طول میں بہت سے سڑکیں ہیں جو مزدلفہ اور عرفات تک جاتی ہیں۔ منی کے عرض کو دو پل تقسیم کرتے ہیں جن کے نام شاہ عبد العزیز اور شاہ خالد کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ خالد برج جمرات کے قریب واقع ہے

جبکہ عبد العزیز منیٰ کے وسط میں۔ اس کے بعد ایک اور پل فیصل برج ہے جو مزدلفہ کے قریب واقع ہے۔

تھوڑی دیر میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ حج کے دنوں میں نمازیں قصر اور جمع کر کے ادا کی جاتی ہیں۔ ہمارا قیام کویتی مسجد کے قریب تھا۔ منیٰ میں صرف دو مساجد ہیں، ایک مسجد خیف اور دوسری کویتی مسجد۔ مجھے رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں مسجد کے استنجا خانے میں پہنچا تو یہاں ہر ٹائلٹ کے سامنے طویل قطار موجود تھی۔ میرا نواں نمبر تھا۔ اس بھیانک تجربے کے باعث میں نے عزم کر لیا کہ دوران حج کم سے کم کھانا اور پینا ہے تاکہ یہ مسئلہ دوبارہ درپیش نہ ہو۔

ظہر و عصر کی نمازوں سے فارغ ہو کر میں واپس اپنے خیمے میں آ گیا اور اب میری اہلیہ مسجد چلی گئیں۔ یہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم لوگ اذکار و اوراد میں مشغول رہے۔ اس سال میرے دو دوست عامر اور نوخیز بھی حج کر رہے تھے۔ نوخیز خان اپنے نام کے برعکس، طویل داڑھی والے بھرپور قسم کے جوان مرد ہیں جن میں لاہوریوں اور پٹھانوں کی خصوصیات اکٹھی پائی جاتی ہیں۔ عامر کا تعلق کراچی سے ہے۔ شام کو عامر سے فون پر بات ہوئی جن کا خیمہ ہمارے قریب ہی تھا۔ وہ مجھے اپنے پاس بلا رہے تھے تاکہ میں انہیں منیٰ کا نقشہ تفصیل سے سمجھا سکوں۔

میں عامر کے پاس پہنچا تو اپنے خیمے کے دروازے پر ہی اپنی ہمیشہ کی سی تشویش ناک صورت کے ساتھ موجود تھے۔ انہیں اس بات پر تشویش لاحق تھی کہ کثیر تعداد میں افریقی خواتین نے منیٰ کے سڑکوں کے کناروں پر قبضہ جمایا ہوا تھا جہاں وہ چولہے جلائے مزے سے بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس انڈے، کافی، چائے، ڈبل روٹی، بسکٹ اور کھانے پینے کی بہت سے اشیا دستیاب تھیں۔ بھگدڑ کی صورت میں انہی چولہوں میں آگ لگ کر کافی نقصان کر سکتی تھی۔ میں انہیں قریب لگے ہوئے ایک نقشے کے قریب لے گیا اور انہیں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے طول و عرض سے آگاہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی تشویش میں کوئی خاص فرق واقع نہ ہوا۔

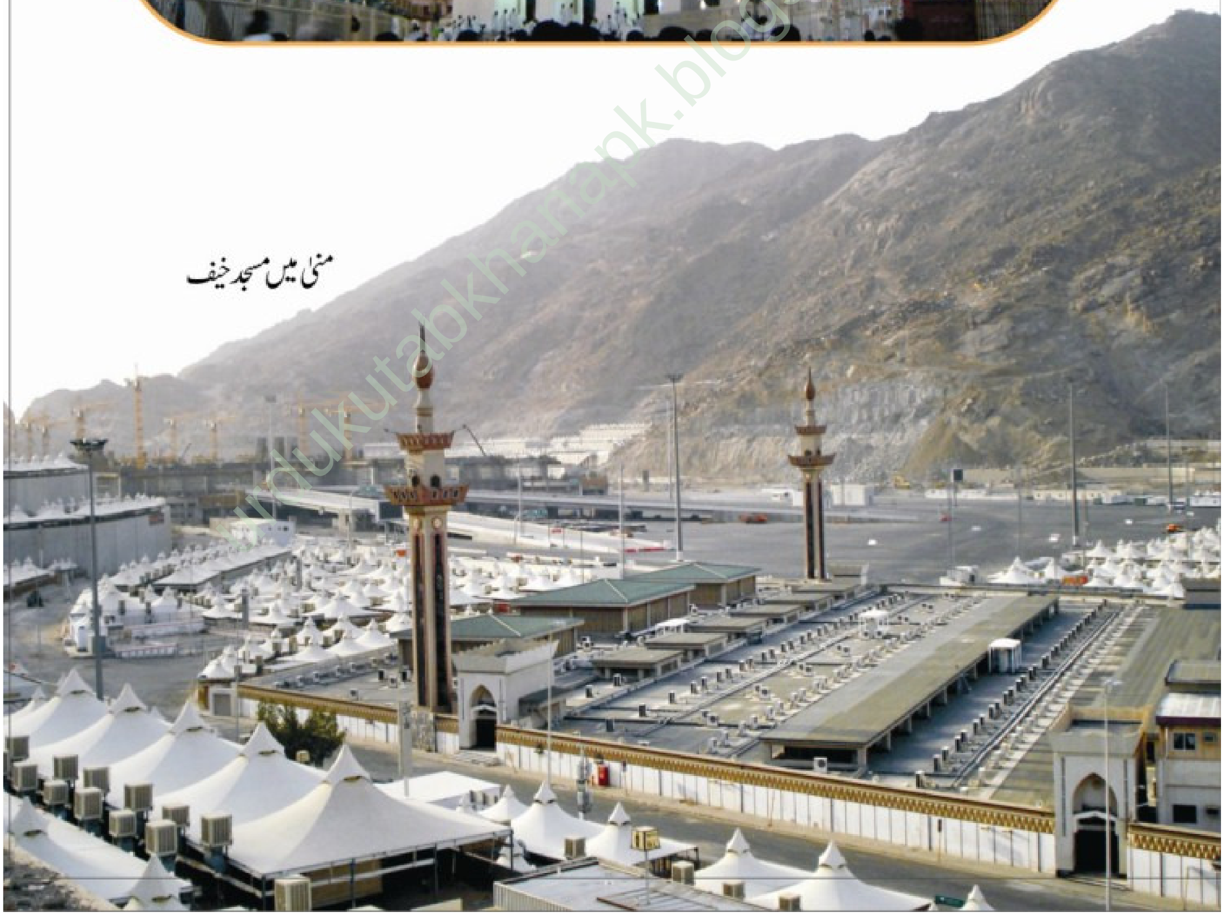
واپس پہنچا تو نوخیز کا فون آ گیا جو اتفاق سے عامر کے خیمے میں ہی موجود تھے اور اپنے بچوں کے باعث کافی پریشان معلوم ہو رہے تھے۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا پیدا ہوا کہ رات کیوں نہ مزدلفہ کے قریب گزاری جائے لیکن ساتھ والے خیمے والوں نے بتایا کہ وہاں شدید ترین رش ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اتنی پر سکون جگہ چھوڑ کر نہ جائیں۔ ان کی بات بالکل درست تھی کیونکہ یہ جگہ جہاں ہر وقت دس بارہ افراد فی سیکنڈ کے حساب سے گزر رہے تھے، اس مقام کی نسبت بہت پر سکون تھی جہاں پچاس ساٹھ افراد فی سیکنڈ کے حساب سے گزر رہے ہوں۔

حج کی حقیقت

مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد ہم نے بمشکل ایک دکان سے کھانا لیا جو مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے ناکافی تھا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ جلد سے جلد سویا جائے کیونکہ اگلا دن نہایت ہی پر مشقت تھا۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہم سونے کے لئے لیٹ چکے تھے جس کا ہمیں اگلے دن خاطر خواہ فائدہ ہوا۔



منیٰ میں مسجد کویت



منیٰ میں مسجد خیف

قرآن مجید میں حج کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ. لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ. ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (الحج 29-22:27)

"لوگوں میں حج کی منادی کر دو۔ وہ دور دراز کے گہرے پہاڑی راستوں سے چلتے ہوئے تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور ان اونٹوں پر سوار ہو کر بھی جو سفر کی وجہ سے دبلے ہو گئے ہوں گے، تاکہ اپنے لئے منفعت کی جگہوں پر پہنچیں اور چند متعین دنوں میں اپنے ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا کئے ہیں۔ (پھر تم ان کو ذبح کرو) تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ یہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔"

جاوید احمد صاحب اپنی کتاب میزان میں بیان کرتے ہیں کہ حج دراصل تمثیل کی زبان میں شیطان کے خلاف جنگ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو راندہ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کیا کہ وہ اس کے بندوں کو ہمیشہ گمراہ کرے گا۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ شیطان کا یہ چیلنج قبول کر لیا گیا ہے اور اللہ کے بندے اب قیامت تک اس کے دشمن شیطان کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ اسی جنگ کو حج کی صورت میں ممثل کر دیا گیا ہے۔ اللہ کے بندے اپنے پروردگار کی ندا پر دنیا کے مال و متاع اور اس کی مصروفیات سے ہاتھ اٹھاتے ہیں، پھر لبیک لبیک کہتے ہوئے میدان جنگ یعنی منیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور مجاہدین کے طریقے پر اس وادی میں ڈیرا ڈال دیتے ہیں۔

اگلے دن عرفات کے کھلے میدان میں پہنچ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اس جنگ میں کامیابی کے لئے دعا و مناجات کرتے ہیں اور اپنے امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ تمثیل کے تقاضے سے میدان جنگ کی طرح نمازوں کو قصر اور جمع کر کے ادا کرتے ہیں اور شام کو راستے میں مزدلفہ کے میدان میں قیام کرتے ہیں۔ اگلے دن یہ میدان جنگ میں اترتے ہیں اور اپنے دشمن شیطان پر سنگ باری کرتے ہیں، اپنے جانوروں کو رب کے حضور قربان کرتے ہیں اور سر منڈا کر اپنے رب کے حضور نذر کے پھیروں کے لئے اس کے اصلی معبد یعنی کعبہ اور دین ابراہیمی کی قدیم قربان گاہ مروہ پر حاضر ہوتے ہیں۔

نو ذوالحجہ

فجر کے وقت میری آنکھ کھلی۔ ہم نے قریب ہی ہونے والی جماعت میں نماز ادا کی، خیمہ لپیٹا، سامان کو ٹرالی پر اور ماریہ کو پرام میں باندھا، قریبی دکان سے کافی پی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ سورج طلوع ہونے تک ہم روانہ ہو چکے تھے۔ ہم سے پہلے بے شمار لوگ عرفات کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ انسانوں کا ایک ختم نہ ہونے والا ریلہ تھا جو چلا جا رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور دسمبر کے آخری ایام۔ طائف سے آنے والی سرد ہوائیں منیٰ سے گزر رہی تھیں۔ اچھی خاصی سردی ہو رہی تھی۔ عامر کے مشورے کے مطابق میں نے ایک اچھا کام یہ کیا تھا کہ ایک ہلکا سا کمبل ساتھ رکھ لیا تھا۔ اب وہی کمبل احرام کی اوپر والی چادر کا کام دے رہا تھا۔

تھوڑی دور جا کر منیٰ ختم ہو گیا اور مزدلفہ کا آغاز ہو گیا۔ یہاں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا "عرفات ۱۱ کلومیٹر"، گویا ہمیں اس

دن کل سترہ اٹھارہ کلو میٹر کا سفر پیدل طے کرنا تھا۔ یہاں ٹریفک بری طرح جام تھا اور پیدل چلنے والے مزے سے چلے جا رہے تھے۔ ایک جیسے احرام باندھے، سامان کو ٹرالیوں پر کھینچتے لوگ ایک ردھم میں چلے جا رہے تھے۔ شیطان سے جنگ کی مماثلت سے کہیں سنا ہوا یہ نغمہ میرے کانوں میں گونجا۔

تیز چلو غازیو، سامنے منزل ہے وہ

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

مزدلفہ کے وہ حصہ جو منی کے قریب ہے، اس میں بھی منی کی طرز پر خیمے لگے ہوئے تھے۔ مجھے ان خیموں کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ بعد میں کسی سے معلوم ہوا کہ زیادہ رقم دے کر حج کرنے والے وی آئی پی حضرات کو مزدلفہ کی رات ان خیموں میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں وی آئی پی کلچر اس بری طرح سرایت کر گیا ہے کہ ہم حج جیسی عبادت میں بھی اس سے چھٹکارا نہیں حاصل کر پاتے۔ اگر یہ خیمے آرام کی غرض سے لگائے گئے ہیں تو ان کے مستحق وی آئی پیز کی بجائے بوڑھے اور معذور افراد زیادہ ہیں۔

تھوڑی دور جا کر خیمے ختم ہو گئے۔ افریقی خواتین پلوں کے نیچے بھی اپنے اسٹال لگائے بیٹھی تھیں اور ہر طرح کا ناشتہ مہیا کر رہی تھیں۔ عرفات کے راستے پر طہارت خانوں کا نظام بہت شاندار تھا۔ دو دو سو میٹر کے فاصلے پر طہارت خانے بنے ہوئے تھے جن کی مسلسل صفائی کی جا رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی وضو کی جگہ اور پانی کے کولر بھی تھے۔ یہاں بجلی کے سوئچ بھی دیے گئے تھے تاکہ لوگ اپنے موبائل کی بیٹری چارج کر سکیں اور لوگ ایسا کر رہے تھے۔

مزدلفہ کے اختتام پر ایک طویل چڑھائی شروع ہو گئی۔ یہاں لوگ تھک تھک کر بیٹھنے لگے۔ اس مقام پر کسی صاحب دل نے منرل واٹر کی بوتلوں کے کریٹ رکھ دیے تھے اور لوگ اپنی ضرورت کے مطابق یہاں سے پانی لے رہے تھے۔ ہم نے بھی تین بوتلیں لیں اور آگے چل پڑے۔ چڑھائی کا اختتام پہاڑی کی چوٹی سے کچھ نیچے ہی ہوا اور اب ڈھلوان شروع ہوئی۔ عرفات اب پانچ کلو میٹر رہ گیا تھا۔

منی اور مزدلفہ تو ایک دوسرے سے متصل ہیں لیکن عرفات منی سے کافی فاصلے پر ہے۔ بائیں جانب بہت بڑا بس اسٹیشن تھا جہاں کئی ہزار بسیں کھڑی تھیں۔ یہ حجاج کی نقل و حرکت کی بسیں تھیں جن کا ایک حصہ اس وقت واقعتاً حرکت میں تھا۔ تھوڑا سا آگے بڑھے تو ایک موڑ مڑتے ہی مسجد نمرہ سامنے نظر آنے لگی۔

تیز چلو غازیو، سامنے منزل ہے وہ

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

ٹریفک جام سے نکلنے والی بسیں اب ہمیں کراس کر کے آگے بڑھ رہی تھیں۔ بعض حجاج نے ہمیں اس نظام کا ایک تکلیف دہ پہلو یہ

بتایا کہ ان سے دوران حج نقل و حرکت کا پورا کرایہ وصول کیا گیا ہے لیکن عین موقع پر بسوں والے غائب ہو گئے اور ڈبل رقم کے لالچ میں ان حجاج کی بجائے عام سواریاں اٹھانے لگے۔ حج کے موقع پر یہ رویہ!!!! شاید اسی اخلاقی انحطاط کے باعث دنیا میں ہماری کوئی وقعت باقی نہیں رہی۔

حاجیوں کی نقل و حرکت



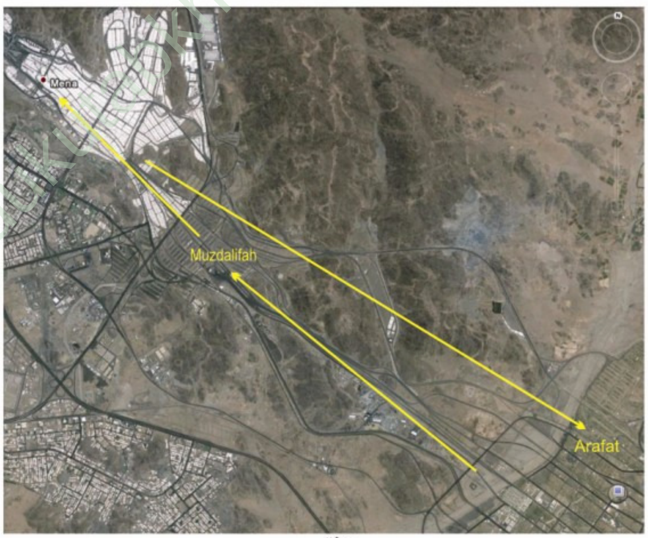
عرفات کے قریب پہنچ کر یہ سڑک مسجد نمرہ سے دور ہٹنے لگی۔ دراصل یہ پیدل کا راستہ نہیں تھا۔ پیدل راستہ تو مزدلفہ کے بیچوں بیچ سے گزر کر عرفات کی جانب آ رہا تھا۔ لوگ اب سڑک سے اتر کر کچے پر ہو لئے۔ ہم بھی اسی طرف چلے لیکن یہاں پرام اور ٹرالی کو چلانا ناممکن ہو گیا۔ خیر کسی نہ کسی طرح اسے عبور کر کے ہم ایک پکے نالے تک آ پہنچے۔ نالے میں چلنا آسان تھا۔ اس سے نکل کر ہم عرفات کی اندرونی سڑک پر آ پہنچے۔ یہاں ہم سے زبردست غلطی یہ ہوئی کہ ہم مسجد نمرہ کی جانب چل پڑے جس کا خمیازہ ہمیں آگے جا کر بھگتنا پڑا۔

اب ہمیں کافی بھوک لگ رہی تھی۔ راستے کے ایک جانب کلیجی کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ ایک بنگالی صاحب تھے جو توے پر کلیجی کی کٹا کٹ بنا رہے تھے۔ ہم نے دس ریال میں ایک پلیٹ لی۔ اس کے ساتھ انہوں نے ایک روٹی دی۔ میں نے ان سے اور روٹی مانگی اور کہا کہ رقم لے لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد ان کے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ بغیر اضافی رقم کے ایک اور روٹی دے

گئے۔ کلیجی کا ناشتہ کر کے ہم آگے چلے۔ مسجد نمرہ سامنے نظر آ رہی تھی لیکن عرفات کی ابتدائی حد ابھی اڑھائی کلو میٹر دور تھی۔

پیدل چلنے والے راستے پر سوائے ایمبولینس اور پولیس کی گاڑیوں کے کسی گاڑی کو آنے کی اجازت نہ تھی جس کی وجہ سے اس دو سو فٹ کھلے روڈ پر لوگ چلے جا رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے گروپوں کا جلوس سا بنایا ہوا تھا۔ گروپ کو اکٹھا رکھنے کے لئے گروپ لیڈر نے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ جنہیں جھنڈا میسر نہ ہوا انہوں نے ڈنڈوں پر لفافے باندھ کر جھنڈے کا کام لیا ہوا تھا۔ ایک صاحب کو اور کچھ نہیں ملا تو انہوں نے ڈنڈے پر سرخ رنگ کا ایک لوٹا ہی باندھ رکھا تھا۔ اسی قسم کا جھنڈا ہماری سیاسی جماعتوں کو اپنا لینا چاہیے۔





حجاج کی نقل وحرکت

بلند آواز میں لوگ پڑھتے جا رہے تھے، "لبيك اللهم لبيك. لا شريك لك لبيك. إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك." یہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اس صدا کا جواب ہے جو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے ایک پتھر پر کھڑے ہو

کر کی تھی۔ اب یہ صدا پوری دنیا میں پھیل چکی ہے جس کے جواب میں اللہ کے بندے یہ دلنواز ترانہ پڑھتے ہوئے شیطان کے خلاف جہاد کے لئے عرفات کے میدان کی طرف رواں دواں تھے۔

راستے میں ایک صاحب وہیل چیئر پر بیٹھے جا رہے تھے اور کیلا کھا رہے تھے۔ انہوں نے کیلا کھا کر اس کا چھلکا راستے پر اچھال دیا۔ یہ بے حسی کی انتہا تھی۔ ایک معذور شخص کو تو اس حرکت کے نتائج کا اچھی طرح اندازہ ہونا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ یہ چھلکا کسی اور کو وہیل چیئر پر پہنچاتا، میں نے لپک کر اسے اٹھالیا اور کسی ڈسٹ بن کے انتظار میں ہاتھ میں لئے چلنے لگا۔ میرے ساتھ ہی دو لاہوری چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے چھلکا چھین کر کیلے کی ایک ریڑھی پر رکھ دیا۔

عرفات کے رش کے باعث بعض لوگ عرفات کی حدود سے باہر ہی رکے ہوئے تھے۔ یہ نہایت ہی غلط عمل ہے کیونکہ وقوف عرفات حج کا رکن اعظم ہے۔ اللہ کرے یہ لوگ بعد میں کسی وقت عرفات کے اندر آ گئے ہوں۔ جیسے ہی ہم عرفات کی حدود کے قریب پہنچے، ہمیں اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا جو ہم نے اس راستے پر آ کر کی تھی۔ لوگ راستے پر صفیں بنائے بیٹھے تھے جس کے باعث راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ اس مقام سے نکلنے والے لوگ کم تھے اور گھسنے والے زیادہ جس کے نتیجے میں انتہائی درجے کی دھکم پیل ہو رہی تھی۔ منظم انداز میں چلنے والی فوج ایک ہجوم بلکہ ریوڑ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

ہجوم کی نفسیات یہ ہے کہ انسان اس موقع پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور اگر اسے کوئی دھکا پڑتا ہے تو وہ اسے آگے والے کو منتقل کر دیتا ہے۔ اس موقع پر اگر کوئی نیچے گر پڑے تو لوگ اس کا لحاظ کیے بغیر اسے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں نظم و ضبط کا دامن نہ چھوڑا جائے تو کئی قیمتی جانیں بچائی جاسکتی ہیں۔ افسوس ہمارے وہ حضرات جو حج کی تربیت دیتے ہیں، بالعموم فقہی مسائل کی جزئیات یا مخصوص دعاؤں کے حفظ تک ہی اپنی تربیت کو محدود رکھتے ہیں اور رش میں چلنے اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب سے حجاج کو بہرہ ور نہیں کرتے۔

میں دو مرتبہ گرا اور میری ٹرالی کئی مرتبہ الٹی لیکن اللہ تعالی کا کرم یہ رہا کہ بچت ہو گئی۔ میں اگلی جانب سے ماریہ کی پرام کے لئے ڈھال بنا ہوا تھا اور میری اہلیہ پچھلی جانب سے۔ قریب ہی چند پاکستانی بیٹھے تھے جنہوں نے ہماری مدد کی اور ہمیں اپنی صفوں میں جگہ دی۔ راستے سے ہٹ کر کافی خواتین ایک جانب بیٹھی تھیں۔ میری اہلیہ ان میں چلی گئیں اور میں انہی صفوں میں گھس کر بیٹھ گیا۔ یہ دھکم پیل ظہر کی اذان تک جاری رہی۔

اپنے محسنوں سے تعارف ہوا۔ ان میں ایک صاحب کوٹلی آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے اور دوسرے ملتان کے۔ ایک فیصل آباد کے ریاض صاحب تھے جو مکہ میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ اور ان کی اہلیہ حجاج کی خدمت کرنے میں پیش پیش تھے۔

اذان کی صدا بلند ہوئی اور امام صاحب نے مختصر خطبہ کے بعد دو رکعت ظہر اور دو رکعت عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ یہاں کئی ٹرک اپنے کنٹینرز کے ساتھ کھڑے تھے جن کی چھتوں پر بھی لوگ چڑھے ہوئے تھے۔ قریب ہی ایک بلند ٹاور تھا جس پر حج کی کوریج کے لئے

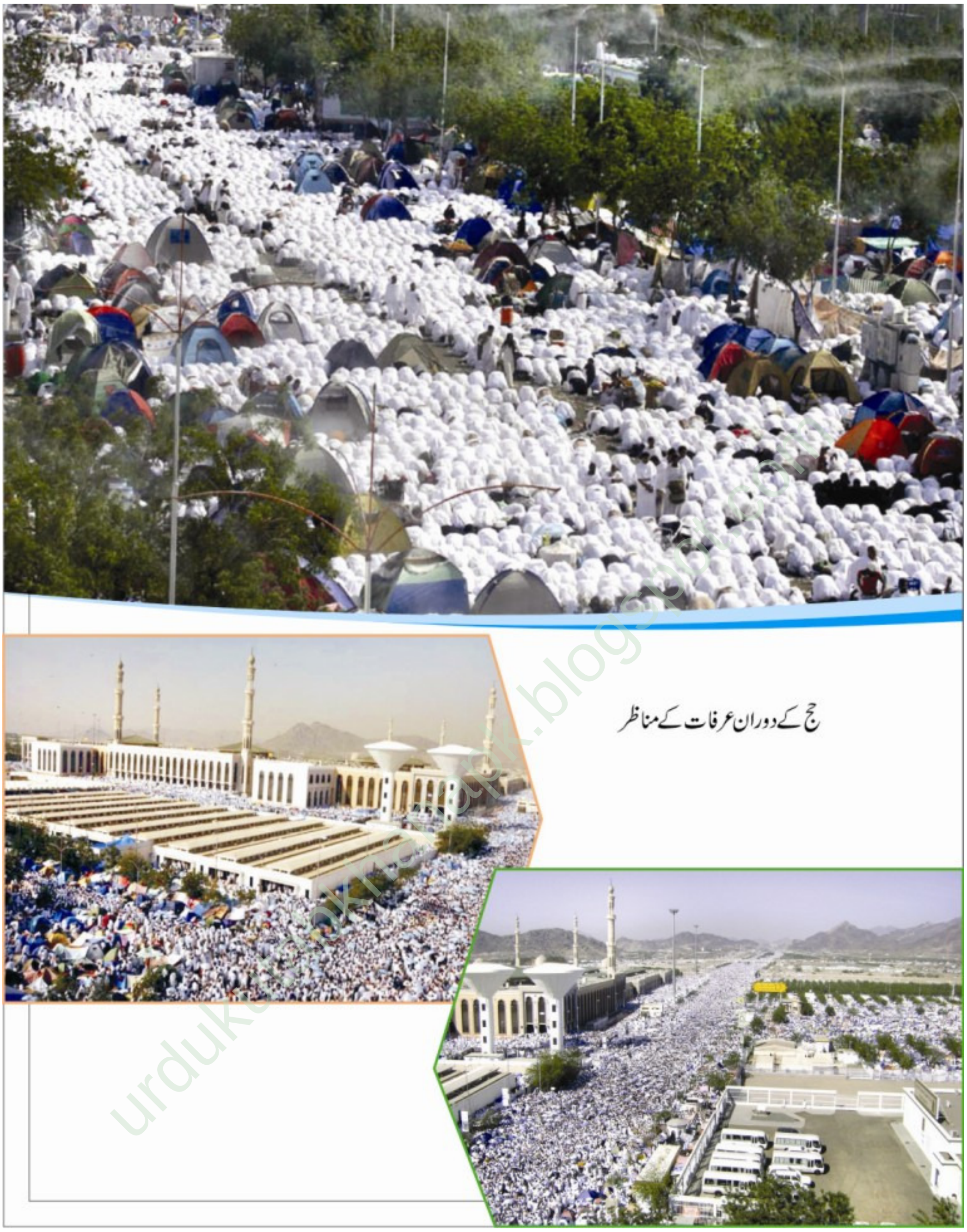
کیمرے لگائے گئے تھے۔ نماز کے بعد دوبارہ دھکم پیل کا آغاز ہوا۔ اس مرتبہ اس کی شدت کئی گنا زیادہ تھی۔ ہم لوگ فوراً اٹھ کر دیوار کی طرف چلے گئے تاکہ بپھرے ہوئے ہجوم سے خود کو بچایا جا سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دھکم پیل کے باعث متعدد افراد کچل کر شہید ہو گئے۔

اس دھکم پیل کی وجہ بڑی مقدس تھی کہ لوگوں کی اکثریت جبل رحمت تک پہنچنا چاہ رہی تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران حج قیام فرمایا تھا۔ دین میں یہ کہیں لازم نہیں ہے کہ حجاج جبل رحمت تک جائیں۔ پورے عرفات میں کہیں بھی قیام کیا جا سکتا ہے لیکن لوگ اپنی اور دوسروں کی جانوں کو خطرات میں ڈالتے ہوئے وہاں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ چیز بھی ہماری تربیت کی کمی ہے کہ ہم ایک ایسی چیز کے لئے جس کا دین میں کوئی حکم نہیں دیا گیا، کے لئے انسانی جان کی حرمت کی پرواہ نہیں کرتے جس کی تلقین قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بار بار فرمائی ہے۔

رش کچھ کم ہوا تو بند کنٹینرز کے دروازے کھلنے لگے۔ ان میں صاحب ثروت لوگوں کی جانب سے حجاج کے لئے کھانے پینے کی اشیا تھیں۔ رضاکار یہ اشیا حاجیوں میں بانٹنے لگے۔ بہت سے افراد نے یہ خدمت سنبھال لی کی کنٹینرز سے اشیا وصول کر کے انہیں ہاتھ در ہاتھ منتقل کرتے ہوئے خواتین اور بچوں تک پہنچایا جائے۔ یہ طریق کار اتنا کامیاب ہوا کہ ہر شخص تک وافر مقدار میں جوس، بسکٹ اور پھل وغیرہ پہنچ گئے۔

مسجد نمرہ





حج کے دوران عرفات کے مناظر

میرے قریب فیصل آباد کے کچھ حضرات کھڑے تھے۔ اہل فیصل آباد کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عام بات بھی کریں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے جگت کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب کے موبائل پر کال وصول ہوئی جو ان کے کسی دوست کی جانب سے تھی۔ انہوں نے چھوٹتے ہی مخصوص جگت لگانے والے انداز میں پوچھا، "آصف! زندہ بچ گیا ایں۔" یہ زندہ دلی کی خوبصورت مثال تھی کیونکہ آصف صاحب دھکم پیل میں کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھی امید کر رہے تھے کہ وہ کہیں کچل کر اگلے جہان پہنچ چکے ہوں گے۔



حج کے دنوں میں ہجوم کا منظر



پیدل چلنے والوں کی راہنمائی کے لیے بورڈ

چونکہ ٹاور پر کیمرے لگے ہوئے تھے اس لئے کئی افراد اس کی جانب دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے گزر رہے تھے حالانکہ ٹاور تقریباً مینار پاکستان جتنا بلند تو ہو گا۔ فضا میں کئی ایمبولینس ہیلی کاپٹر گردش کر رہے تھے کیونکہ اس ہجوم میں گاڑی کا چلنا ناممکن تھا۔ ایمر جنسی خدمات دینے کے لئے بھی لوگ موٹر سائیکل پر آتے جاتے ہیں لیکن یہاں موٹر سائیکل کا داخلہ بھی ناممکن تھا۔ قریب ہی ایک خاتون بے ہوش ہو گئیں۔ اطلاع دینے پر ٹاور میں موجود ڈسپنسری سے ایک ڈاکٹر صاحب بڑی مشکل لوگوں کو پھلانگتے پہنچے اور انہیں طبی امداد دی۔

یہاں کچھ افغانی بھائیوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ سعودی عرب ہی میں سیٹل تھے۔ ان کا تعلق تاجک نسل سے تھا۔ یہ افغانیوں کی وہ نسل تھی جو پاکستان ہی میں پل بڑھ کر جوان ہوئی تھی۔ ان کی اردو بہت صاف تھی۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوئے کہ میرا تعلق جہلم سے ہے کیونکہ انہوں نے بھی جہلم میں کافی وقت گزارا تھا۔

جیسے جیسے سورج ڈھل رہا تھا، ہجوم کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ہم لوگ بمشکل کھڑے تھے اور اللہ تعالی کا ذکر کر رہے تھے۔ ہجوم اور دیگر مشکلات انسان کو حج کے اصل مقصد سے غافل کر دیتی ہیں جو کہ اللہ تعالی کی یاد ہے۔ ذکر الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں یہ وقت گزر گیا۔ اس موقع پر جو بھی دعا یاد آئی وہ کر ڈالی۔ یہ قبولیت کی گھڑی تھی۔ میرا سر کھڑے کھڑے ہی اپنے رب کے حضور سجدے کی نیت سے جھک گیا۔ یہ شکر کا مقام تھا جس نے اس عاجز و حقیر بندے کو حج کی سعادت نصیب فرمائی۔

شام کو عرفات کا منظر



بعض لوگ اس افراتفری میں عرفات سے نکلنا چاہتے تھے حالانکہ ایسا غروب آفتاب کے بعد کیا جانا تھا۔ پولیس والوں نے عرفات کا گیٹ بند کر دیا جس کے نتیجے میں ہجوم ایک جگہ رک گیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہ تھا جبکہ پیچھے سے آنے والوں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کے بازوؤں میں بازو ڈال کر زنجیر بنالی تاکہ بپھرا ہوا ہجوم خواتین پر نہ چڑھ جائے۔ یہ ترکیب کامیاب رہی اور اس زنجیر کے ذریعے کئی مرتبہ ہم نے اس ہجوم کو روکا۔ بہت سے لوگ بے چارے اپنے سامان کو کندھوں پر

اٹھائے گھنٹوں کھڑے رہے کیونکہ اسے زمین پر رکھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

سورج غروب ہوتے ہی عرفات کا گیٹ کھول دیا گیا اور ہجوم سرکنے لگا۔ میں نے اپنی اہلیہ اور ماریہ کو سامان سمیت ایک چھوٹی سی چار دیواری میں کھڑا کر دیا تاکہ ہجوم سے بچا جا سکے۔ اس چار دیواری میں جنریٹر لگا ہوا تھا اور تھوڑی سی جگہ تھی۔ اس جگہ ہم تقریباً دو گھنٹے بیٹھے رہے تاکہ ہجوم میں کچھ کمی واقع ہو تو ہم بھی جا سکیں۔ یہاں ایک شامی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس ہلکی پھلکی فولڈنگ کرسیاں تھیں جو انہوں نے ہمیں پیش کیں۔ ان کی فیملی بھی اسی جنریٹر میں محصور تھی۔

یہ بزرگ شام کے کسی اسکول کے ریٹائرڈ استاد تھے۔ انہیں برصغیر کی تاریخ سے کافی دلچسپی تھی لیکن عربی کے علاوہ کوئی اور زبان نہ جانتے تھے۔ مجھے بھی جس قدر عربی آتی تھی، ان سے گپ شپ کی۔ وہ علامہ اقبال کی خدمات سے واقف تھے اور مغل بادشاہوں کے بارے میں بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ ایسے لوگ عرب معاشرے میں بہت کم پائے جاتے ہیں جو برصغیر کے بارے میں اتنا جانتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف علوم میں برصغیر کے ماہرین نے جو کام کیا ہے وہ زیادہ تر اردو، انگریزی اور فارسی زبانوں میں ہے۔ عربی میں بہت کم کام کیا گیا ہے۔ دوسری طرف اہل عرب عربی کے علاوہ دیگر زبانوں سے بالعموم ناآشنا ہی ہوتے ہیں۔

ریاض صاحب تو اپنا بوری بستر سمیٹ کر اپنے اہل و عیال سمیت جلد ہی روانہ ہو گئے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد ہم بھی اٹھے اور اپنے ساز و سامان کو گھسیٹتے ہوئے بس اسٹاپ تک آئے جہاں بسوں اور ویگنوں کی ایک دنیا موجود تھی مگر ایک ہی مقام پر گھنٹوں سے ساکت کھڑی تھی۔ ان میں سے کسی گاڑی میں کوئی گنجائش نہیں تھی اور لوگ چھتوں پر بھی بیٹھے تھے۔ میری اہلیہ اب کافی تھک چکی تھیں اور ان کے لئے چلنا دشوار تھا۔ بھوک بھی کافی لگی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر ہم یہاں ساری رات بھی بیٹھے رہیں تو سواری اور خوراک ملنا مشکل ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہو گا کہ ہمت کر کے پیدل ہی چلیں۔ اس راستے میں خوراک ملنے کا امکان بھی ہے۔ اس لالچ نے انہیں پیدل چلنے پر قائل کر لیا۔

پیدل راستے پر رش اب اتنا کم تو ہو ہی چکا تھا کہ چلنا ممکن تھا۔ سڑک پر بے پناہ کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ ظاہر ہے جہاں سے لاکھوں افراد گزرے ہوں وہاں ایسا ہونا تو لازم ہے۔ ہم بھی کسی نہ کسی طرح ٹرالی اور پرام کو دھکیلتے ہوئے چلنے لگے۔ اچانک راستے میں ایک جگہ اعلان ہونے لگا، "چائے تیار ہے، جو صاحبان پینا چاہیں وہ آکر 'اپنے خرچ' پر چائے پئیں۔" ہم نے بھی ان صاحب سے کافی خریدی اور پھر چلنے لگے۔ مزدلفہ ہم سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔

راستے میں ایک جگہ کچھ بنگالی بھائی ایک بڑا سا پتیلا ٹرالی پر رکھے لے جا رہے تھے۔ ہم نے انہیں روک کر ان سے دال روٹی خریدی اور بیٹھ کر کھانے لگے۔ اتنی شدید بھوک میں جو مزا اس دال روٹی میں آیا، شاید ہی کبھی آیا ہو گا۔ ہمارے قریب ہی کراچی کی ایک میمن فیملی آکر رکی۔ یہ بہادر آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ صاحب کھانے والوں سے قیمت پر تکرار کرنے لگے۔ ان کی خواتین نے ماریہ کو بہت پیار کیا اور اسے حجن بوا کا خطاب دیا۔

کھانا کھا کر ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ ایک انڈین بزرگ وہیل چیئر پر جا رہے تھے اور ان کا سعادت مند پوتا انہیں دھکیل رہا تھا۔ مجھ سے وہ اگلے دن کے بارے میں استفسار کرنے لگے۔ بے چارے نہایت ہی سیدھے سادے لوگ تھے۔ میں نے پوتے کو مشورہ دیا کہ وہ اگلے دن اپنے دادا کی طرف سے رمی خود ہی کر آئے اور انہیں جمرات کی طرف نہ لے کر جائے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ہم مزدلفہ پہنچے۔ جو لوگ بسوں میں آ رہے تھے، ان میں سے زیادہ تر صبح فجر کے وقت مزدلفہ پہنچ پائے تھے۔ ایک جگہ جماعت ہو رہی تھی۔ ہم نے بھی مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کیں اور سونے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ روڈ پر بھی جگہ جگہ لوگ لیٹے تھے۔ جو جلد پہنچ گئے تھے، انہیں خیمہ نصب کرنے کی جگہ بھی مل گئی تھی۔ اب کم از کم خیمے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ ایک پہاڑی کے کنارے پر ہمیں بڑی آئیڈیل جگہ ملی۔ یہاں ایک کانٹے دار جھاڑی تھی جس کے ساتھ ہم سلیپنگ بیگ بچھا کر لیٹ گئے۔ اس جھاڑی کے باعث لوگوں کی آمد و رفت بھی ممکن نہ تھی۔

دس ذوالحجہ

دن بھر کی مشقت کے بعد دل کھول کر نیند آئی اور پتہ بھی نہ چلا کہ کب صبح ہوئی۔ جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ سورج نکلنے میں بیس منٹ باقی ہیں۔ جلدی جلدی وضو کیا اور نماز ادا کی۔ رات کی بچی کھچی دال روٹی کھائی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ نکلنے سے پہلے حوائج ضروریہ سے فراغت ضروری تھی۔ مزدلفہ کے ٹوائلٹس کے سامنے طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ چونکہ ہم لوگ مزدلفہ کے کنارے پر تھے اس لئے میں نے عرفات کی جانب رخ کیا اور مزدلفہ سے باہر ایک ٹوائلٹ کا رخ کیا۔ یہ تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔

ہم ابھی چلنے ہی لگے تھے کہ ایک صاحب نے لسی کی بوتلیں لا کر دیں۔ پورا مزدلفہ بھی کوڑا کرکٹ سے بھرا پڑا تھا جو لاکھوں لوگوں کے قیام کا نتیجہ تھا۔ میں نے سوچا کہ قدیم زمانے میں جب لشکر کوچ کرتے ہوں گے تو ان کی باقیات سے دشمن کے جاسوس با آسانی لشکر کی نقل و حرکت کا اندازہ لگا لیتے ہوں گے۔ ابھی ہم مزدلفہ سے نکل ہی رہے کہ نوخیز خان کا فون آ گیا۔ کہنے لگے ہم صبح سے بس میں بیٹھے ہیں لیکن ٹریفک جام کی وجہ سے چلنا مشکل ہے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ بس سے اتر کر پیدل ہی چل پڑیں۔ مزدلفہ سے منیٰ زیادہ دور نہیں۔

اب ہم مشعر الحرام کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اس مقام پر اب مسجد بنا دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنْ الضَّالِّينَ ۔(البقرہ 2:198) "جب تم عرفات کی طرف سے نیچے اترو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو کیونکہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تم گمراہوں میں سے تھے۔"

غالباً اس آیت میں نیچے اترنے سے مراد وہ ڈھلوان ہے جس سے اتر کر انسان مزدلفہ کے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ آیت کریمہ کے

حکم کے مطابق ہم نے یہاں اپنے رب کا ذکر کیا، سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔

اس سے آگے نکلے تو کافی کی طلب محسوس ہوئی۔ ایک اسٹال سے کافی لی۔ وہ صاحب ساری رات کے جاگے ہوئے تھے، بے خیالی میں کافی کے کپ میں ٹی بیگ ڈال گئے۔ میں نے توجہ دلائی تو کہنے لگے کہ میں نیا بنا دوں؟ میں نے ان کا نقصان کرنا مناسب نہ سمجھا اور زندگی میں پہلی اور شاید آخری مرتبہ ٹی بیگ والی کافی پی۔ عجیب سا ذائقہ تھا۔

اب ہم وادی محسر میں داخل ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس مقام سے تیزی سے گزرے تھے، اس لئے ہم نے بھی رفتار کچھ تیز کر دی۔ جب ہم فیصل برج کے پاس پہنچے تو اچانک ناک سے حلوہ پوری کی خوشبو ٹکرائی۔ دیکھا تو دونوں جانب عارضی طور پر پاکستانی ہوٹل بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو ندوالے لاہوریے پوریاں تل رہے تھے تو دوسری طرف مانسہرہ ہزارہ ہوٹل والے خان صاحب توے پر پٹھانوں والے پراٹھے بنا رہے تھے، ایک طرف نان چنے بک رہے تھے اور ایک صاحب تو شاید بونگ اور پائے کے پتیلے لئے بیٹھے تھے۔ ہمیں رات کی ٹھنڈی دال روٹی کھا لینے پر کافی افسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے ہم اس ہائی کولیسٹرول ناشتے سے محروم رہ گئے تھے۔

یہاں ایک ریڑھی سے میں نے پاکستانی کینو خریدے۔ اب میں ایک ہاتھ سے ٹرالی کھینچ رہا تھا جس میں میں نے کینو کا لفافہ بھی تھاما ہوا تھا۔ اس موقع پر میں نے ایک محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا اور وہ یہ تھا کہ ایک ہاتھ میں کینو لے کر اسی ہاتھ سے اسے چھیلا، پھر اس کی پھاڑیاں الگ کیں اور پھر اسی ہاتھ سے اسے کھا بھی گیا۔ کیا آپ ایسا کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں؟

اب ہم مزدلفہ کے آخری کونے میں تھے اور منی میں داخل ہوا چاہتے تھے۔ میں نے قریب لگے نقشے سے اپنی پرسوں والی لوکیشن تلاش کی اور اس جانب جانے والی گلیوں کا تعین کرنے لگا۔ دو انڈین بزرگ میرے پاس کھڑے تھے۔ بے چارے بہت پریشان تھے کیونکہ وہ اپنے گروپ سے بچھڑ گئے تھے۔ وہ مجھے اپنے خیمے کا نمبر بتا کر اس کی لوکیشن بتانے کا کہہ رہے تھے۔ میں نے نقشہ دیکھ کر ان کے خیمے کی لوکیشن کا تعین کیا جو یہاں سے قریب ہی تھا اور انہیں راستہ سمجھا دیا۔ اب ایک پنجابی صاحب نے مجھ سے اسی خدمت کے لئے کہا، میں نے انہیں بھی لوکیشن سمجھائی۔ اس کے بعد تو وہاں مجمع لگ گیا۔ لوگوں نے مجھے نجانے کیا سمجھا کہ کئی پاکستانی، انڈین، عرب، انڈونیشین مجھ سے اپنے اپنے خیمے کی لوکیشن پوچھنے لگے اور میں کسی ماہر مجمع باز کی طرح اردو، انگریزی، پنجابی اور عربی میں تقریر جھاڑ رہا تھا۔ اس مجمع بازی میں میری مداریانہ صلاحیتوں کا کوئی کمال نہ تھا بلکہ یہ ان بے چاروں کی مجبوری تھی کہ وہ اپنے گروپوں سے بچھڑ کر اب خیمے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

اس سے میرے ذہن میں ایک نیا آئیڈیا پیدا ہوا۔ جدہ اور مکہ میں مقیم بہت سے لوگ حج کے دنوں میں حجاج کی خدمت کے لئے رضاکارانہ طور پر منی، مزدلفہ اور عرفات جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ حجاج کو بلامعاوضہ کھانے پینے کی چیزیں فراہم کریں۔ یہ خدمت نہایت ہی عمدہ ہے لیکن خدمت کا دوسرا رخ یہ بھی تھا کہ راستہ بھولے ہوئے حجاج کو راستہ سمجھایا

جائے۔ اس کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے۔ نقشہ پڑھ کر اپنے خیمے تک پہنچنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں۔



مزدلفہ کا فضائی منظر



مزدلفہ کی مسجد مشعر الحرام

حجاج کی خدمت کے لئے سرکاری طور پر بھی ہزاروں رضا کار متعین کئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ صرف عربی زبان سے واقف ہوتے ہیں اور انہیں بالعموم منیٰ کا زیادہ علم بھی نہیں ہوتا۔ میں نے جب بھی کسی رضا کار سے کسی بارے میں کچھ پوچھا تو "واللہ! ما فی معلوم، ما ادری" کا جواب ملا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ جتنا عرصہ سعودی عرب میں ہوں، انشاء اللہ آئندہ سال سے یہاں آ کر یہی خدمت انجام دیا کروں گا۔

مجمع کچھ چھٹا تو ہم نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اب ہم منیٰ میں داخل ہو رہے تھے۔ منیٰ کے آغاز سے ہی پیدل چلنے والے راستے پر کئی کلومیٹر طویل چھت بنا دی گئی ہے تاکہ گرمی میں حجاج دھوپ سے محفوظ رہیں۔ یہ چھت منیٰ کے آغاز سے لے کر مسجد الحرام تک بنائی گئی ہے۔ زیادہ اچھا ہو اگر اس چھت کو عرفات تک بنا دیا جائے۔ ان دنوں سردی تھی، اس لئے یہ چھت دن کی بجائے رات کو زیادہ کار آمد تھی۔

طریق المشاۃ سے ہٹ کر ہم لوگ گلیوں میں داخل ہوئے۔ یہ ایرانی حجاج کا علاقہ تھا۔ منیٰ میں کوشش یہ کی جاتی ہے کہ ایک ملک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک مخصوص علاقہ دے دیا جائے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایرانی حجاج نہایت ہی منظم طریقے سے کام کرتے ہیں۔ ان کے ہر گروپ کے پاس جھنڈا ہوتا ہے جسے لے کر گروپ لیڈر چلتا ہے اور تمام افراد ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اس علاقے میں صفائی کا معیار بھی نسبتاً بہتر تھا۔

گیارہ بجے تک ہم اپنے آٹھ ذوالحجہ والے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ یہاں ہم نے خیمہ نصب کیا۔ اہلیہ اور ماریہ کو وہیں چھوڑ کر میں رمی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ نوخیز اور عامر کے پھر فون آئے۔ پوچھنے لگے کہ کہاں پہنچے ہیں۔ وہ بے چارے ابھی تک مزدلفہ سے روانہ ہی نہ ہو پائے تھے اور فجر کے وقت سے بسوں میں بیٹھے تھے۔ ان کا گروپ اچھا تھا کہ انہیں کم از کم بسیں فراہم کر دی گئی تھیں ورنہ بہت سے گروپوں نے ٹرانسپورٹ کی رقم وصول کر لی تھی اور بسیں فراہم نہ کی تھیں۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں کسی گروپ وغیرہ سے منسلک نہیں ہوا۔

راستے میں لوگ جگہ جگہ ایک دوسرے کا سر مونڈنے میں مصروف تھے۔ افریقی زائرین کا ایک گروپ رمی کر کے واپس آ رہا تھا۔ یہ لوگ کسی فوج کی طرح لیفٹ رائٹ کرتے دندناتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ اس طرح کی حرکت سے دوسرے حجاج کو تکلیف ہوتی ہے، اس کا خیال کرنا چاہیے۔ مختلف گلیوں سے ہوتا میں جمرات کی طرف جا رہا تھا۔ اب میں پاکستانی اور انڈین حجاج کے علاقے میں تھا۔

پاکستانی حج مشن کا دفتر ایک خیمے میں قائم تھا اور اس کے بالکل سامنے انڈین حج مشن کا دفتر تھا۔ میں اس منظر کو دیکھ کر خاصا محظوظ ہوا۔ پاکستان اور بھارت ایک دوسرے سے سوکنوں کی طرح لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر رہتے بھی نہیں۔ ایک اچھی چیز یہ تھی کہ دونوں حج مشن والوں نے ایک ایک خیمہ ان لوگوں کے لئے مختص کیا ہوا تھا جو اپنے گروپ سے بچھڑ گئے ہیں۔ ایسے بزرگوں کو کوئی یہاں چھوڑ جاتا ہے اور ان کے لواحقین یہاں سے انہیں لے جاتے ہیں۔

کنکریاں ہم نے صبح ہی مزدلفہ سے جمع کر لی تھیں۔ بعض لوگ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ کنکریاں مزدلفہ ہی سے جمع کی جائیں۔ اس کی کوئی دینی حقیقت نہیں۔ کنکریاں کہیں سے بھی جمع کی جا سکتی ہیں۔ ہاں مزدلفہ میں یہ آسانی ہے کہ وہاں کنکریاں بکثرت دستیاب ہیں۔

میری ٹانگوں میں آپس میں رگڑ لگنے کے باعث اب زخم ہونے لگے تھے۔ دراصل مجھ سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ خیمے سے روانہ ہوتے وقت میں ویزلین لگانا بھول گیا تھا۔ زیادہ پیدل چلنے والے افراد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ جمرات کا پل میں پہلے ہی دیکھ چکا

تھا۔ اس سال جمرات کو تین منزلہ بنا دیا گیا تھا۔ اگلے سالوں میں حکومت کا یہ ارادہ تھا کہ مزید کئی منزلیں تعمیر کی جائیں۔ شیطان کی علامتیں یعنی جمرہ صغری، وسطی اور عقبہ کے ستون تہہ خانے سے نکلتے ہوئے اوپر کی منزل تک جا رہے تھے۔ اب یہ ستون چوڑے بنا دیے گئے تھے جن کے دو جانب سے سنگ باری کی جا رہی تھی۔ لوگ ایک طرف سے آ کر دوسری جانب جا رہے تھے۔ یہ پہلا حج تھا جس میں جمرات کے پاس کوئی شخص کچل کر شہید نہیں ہوا تھا۔

میں نے سب سے اوپر والی منزل کا انتخاب کیا۔ جمرات کے پل پر دو طرف سے چڑھائی تھی۔ پیدل لوگوں کی ٹریفک کا نظام قابل تعریف تھا اور رضاکار لوگوں کو گائیڈ کر رہے تھے۔ پہلے چھوٹا شیطان آیا۔ اس کے بعد درمیانہ شیطان اور پھر بڑا شیطان۔ مجھے اپنے علاوہ اپنی اہلیہ اور ماریہ کی جانب سے بھی رمی کرنا تھی جس کے لئے میں گن کر کافی پتھر لے کر چلا تھا۔

بڑے شیطان کے پاس ایک لاہوری صاحب جنون کے عالم میں کھڑے تھے اور کسی پنجابی ہیرو کی طرح شیطان کو للکار رہے تھے: "اوئے ایہہ وٹا اودا جیہڑا توں میرے کولوں جھوٹ بلایا۔ ٹھاہ۔ ایہہ اودا جیہڑا توں میرے کولوں غیبت کرائی۔ ٹھاہ۔ ایہہ اودا جیہڑا ۔۔۔۔۔" انہوں نے شیطان کو ہر کنکری کے ساتھ شیطان کو وہ جرم یاد دلایا جو اس نے انہیں بہکا کر کیا تھا۔ ننھے منے انڈونیشینز کو کنکریاں مارنے کے لئے جگہ نہیں مل رہی تھی، چنانچہ وہ یہ فریضہ اچھل اچھل کر انجام دے رہے تھے۔

رمی جمار دراصل شیطان کے خلاف جنگ کا کلائمیکس ہے۔ مجاہدین کا یہ لشکر منی میں اکٹھا ہوتا ہے، پھر عرفات کے میدان میں جاتا ہے جو معبد کا قائم مقام ہے۔ پھر واپس مزدلفہ آ کر پڑاؤ ڈالتا ہے۔ اس کے بعد میدان جنگ میں اترتا ہے۔ رمی جمار دراصل شیطان پر حملہ ہے۔ چونکہ قیامت تک کے لئے انسان اور شیطان کی جنگ جاری ہے، اس لئے اس جنگ کو حج کی صورت میں ممثل کیا گیا ہے۔ اس جنگ کا سبق یہ ہے کہ اپنی عام زندگی میں بھی اس دشمن کو کوئی موقع نہ دیا جائے اور اپنے رب کے سچے بندے بن کر رہا جائے۔ اگر کبھی شیطان اپنی کوشش میں کامیاب ہونے لگے تو فوراً توبہ کے ذریعے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا جائے۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے لیکن اللہ کے سچے بندے کبھی اپنی غلطیوں پر قائم نہیں رہتے۔ وہ توبہ کر کے اپنے رب کی طرف پلٹتے ہیں۔

اب نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ جمرات برج پر کافی جگہ خالی تھی۔ ایک طرف ہونے والی جماعت میں میں نے ظہر و عصر کی نمازیں ادا کیں اور آگے چل پڑا۔ یہاں سے یہ سیدھی سڑک مسجد الحرام تک جا رہی تھی۔ رمی جمار کے بعد طواف کرنا حج کا اہم ترین رکن ہے۔ چونکہ پچیس تیس کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنے کے باعث ہم بری طرح تھکے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے ارادہ کیا کہ یہ فریضہ اگلے دن انجام دیا جائے۔

اپنے خیمے میں واپس پہنچ کر میں نے قصر کر کے احرام کھولا۔ ہمارے خیمے کے قریب ہی بہت سے اسٹال لگے ہوئے تھے جہاں دنیا جہان کی اشیا دستیاب تھیں۔ ایک صاحب بہت سی سر مونڈنے والی مشینیں لئے بیٹھے تھے۔ جو بھی ان سے اس مشین کا پوچھتا، وہ مشین اٹھا کر اس کے سر پر ایک "ٹک" لگا دیتے جس پر اسے مشین خریدنا پڑتی۔

قریبی مستقل خیموں میں ایک انڈونیشین گروپ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ اتنے کھلے دل کے لوگ تھے کہ انہوں نے اپنے ٹوائلٹ عام لوگوں کے استعمال کے لئے کھول دیے تھے۔ یہاں میں نے غسل کیا اور عام لباس پہن لیا۔ اس کے بعد میں لمبی تان کر سویا اور مغرب کے وقت آنکھ کھلی۔ شام میں نوخیز کا فون آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بمشکل مغرب کے وقت منی پہنچ پائے تھے۔ انہوں نے رمی رات کے وقت کی تھی۔ مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کر کے ہم نے کھانا کھایا اور نیند کا فائنل راؤنڈ شروع کیا۔

گیارہ ذوالحجہ

صبح فجر کی نماز کے بعد ہم بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ میں دعا کر رہا تھا کہ گاڑی صحیح سلامت اپنی جگہ پر موجود ہو۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دعا قبول ہوئی ہے۔ قریب ہی بڑی بڑی بسیں کھڑی تھیں جن کے شامی ڈرائیور اور کنڈیکٹر بسوں کے اندر سوئے پڑے تھے۔ ایک ڈرائیور نے جگہ بنا کر گاڑی نکالنے میں مدد کی۔ اس وقت منی سے لے کر مسجد الحرام تک ٹریفک بلاک تھی اور لوگ کئی گھنٹے میں یہ آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر پا رہے تھے۔ چونکہ مجھے مکہ کے راستوں سے کچھ واقفیت ہے، اس لئے میں نے شہر کے باہر کی سڑکوں کا ایک طویل چکر کاٹا اور پندرہ منٹ میں مسجد الحرام پہنچ گیا کیونکہ اس راستے میں ہمیں صرف ایک سگنل ملا تھا۔ اپنی اہلیہ اور ماریہ کو حرم کے نیچے سرنگ میں اتار کر میں پارکنگ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ خلاف توقع ایک گلی میں آسانی سے پارکنگ مل گئی ورنہ پارکنگ پلازا والے تو پچاس ریال فی گھنٹہ کے حساب سے چارج کر رہے تھے۔

واپسی پر میں نے اہلیہ کے لئے شاورما اور پیپسی اور اپنے لئے کیلے اور کینو خریدے۔ ہماری ملاقات مسجد کے بیرونی صحن میں ایک متعین مقام پر ہوئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم باب عبدالعزیز سے حرم میں داخل ہوئے۔ ایک پر سکون جگہ اہلیہ کو بٹھا کر میں طواف کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ پہلے میں مطاف میں داخل ہوا جہاں لوگ ایک دوسرے میں پیوست چیونٹی کی رفتار سے چل رہے تھے۔ میں نے یہاں طواف کرنا مناسب نہ سمجھا اور چند فٹ کا فاصلہ طے کر کے ہی باہر آ گیا۔ اب میں حرم کی چھت پر جا پہنچا جہاں طواف کا ایک پھیرا ایک کلومیٹر کا پڑتا ہے۔ یہاں لوگ نارمل رفتار میں چل رہے تھے۔ صرف حجر اسود کے سامنے جہاں سے طواف کا پھیرا شروع ہوتا ہے، کچھ Bottleneck تھی ورنہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔

طواف کے دوران پنجاب کے کسی گاؤں کی ایک اماں سے ملاقات ہوئی جو وہیل چیئر پر بیٹھی تھیں۔ وہ اپنے خاوند سے بچھڑ گئی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ان کے خاوند کے پاس موبائل ہے، کہنے لگیں، "ہے تے سہی پر او میرے کول اے۔" میں نے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، وہ خود کسی سے موبائل لے کر آپ سے رابطہ کر لیں گے۔ میں نے ان کی کرسی کو دیوار کے ساتھ ایسی جگہ لگا دیا جہاں وہ تمام طواف کرنے والوں کو دیکھتی رہیں اور انہیں تفصیل سے سمجھا دیا کہ اس جگہ کی کیا نشانیاں ہیں تاکہ وہ اپنے خاوند کو بتا سکیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں طواف کے پھیرے مکمل کر کے میں نیچے پہنچا۔ اب اہلیہ کی باری تھی۔ انہوں نے نیچے سے ہی طواف شروع

کیا لیکن مطاف کی بجائے مسجد کے اندر سے طواف کرتی رہیں جہاں زیادہ رش نہ تھا۔ طواف کے ساتھ ہی ہمارا حج مکمل ہو گیا۔ اب احرام کی تمام پابندیوں ختم ہو چکی تھیں۔ عصر کی نماز تک ہم لوگ حرم ہی میں رہے۔



جمرات کے مناظر



عصر کے بعد ہم واپسی کے لئے نکلے۔ پارکنگ والی گلی تک ہم لوگ پیدل ہی آئے۔ گاڑی لے کر جیسے ہی ہم روڈ پر آئے تو بہت سے لوگ پریشان کھڑے تھے جنہیں منی کے لئے سواری نہیں مل رہی تھی۔ ہم نے بھی مراکش کے ایک صاحب اور ان کی اہلیہ کو ساتھ

بٹھالیا۔ حرم سے منیٰ تک پورا روڈ بلاک تھا اس لئے ہم نے ایک اور سڑک پکڑی۔ جب ہم منیٰ کے پاس پہنچے تو وہاں بھی یہی حال تھا۔ ایک عرب صاحب نے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اپنی گاڑی آنے اور جانے والی سڑکوں کے درمیان موجود ٹریفک آئی لینڈ پر چڑھائی اور زبردستی یوٹرن لے کر واپس مڑ گئے۔ میں نے بھی ان کی تقلید کا ارادہ کیا لیکن دوسری جانب موجود ٹریفک پولیس کی گاڑی دیکھ کر اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا۔

ان صاحبان کو منیٰ کے قریب اتار کر ہم واپس ہوئے اور اپنی سابقہ پارکنگ جا پہنچے۔ ہمیں دیکھ کر شامی ڈرائیور بہت خوش ہوئے اور ہمیں کھانے کی دعوت دی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ کہنے لگے کہ اگر آپ کو جگہ کا مسئلہ ہے تو رات ہماری بس میں بھی سو سکتے ہیں۔ شام کے لوگ پاکستانیوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اب ہم واپس منیٰ پہنچے۔ میں نے اہلیہ کو پل پر ہی بٹھا دیا جہاں بہت سے کویتی خواتین اپنے بچوں کو لئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے مرد رمی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں فلاسک میں سے عربی قہوہ پیش کیا۔

اس دن کی رمی بھی کافی آسان ثابت ہوئی۔ رمی سے فارغ ہو کر میرا ارادہ تھا کہ مغرب اور عشا کی نمازیں مسجد خیف میں ادا کی جائیں۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو پوری مسجد میں بے شمار لوگ لیٹے ہوئے تھے اور نماز کی کوئی جگہ نہ تھی۔ مجبوراً باہر نمازیں ادا کر کے واپس ہوا۔ اہلیہ کو لے کر ہم اپنے خیمے کی جانب روانہ ہوئے۔ مجھے خیال آیا کہ آج اکتیس دسمبر ہے، دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو نیو ائر نائٹ منا رہے ہوں اور رنگ رلیوں میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہاں موجود لوگوں پر کتنا کرم ہے کہ یہ آج کی رات ان خرافات کی بجائے اس کو راضی کرنے کے لئے حج میں مصروف ہیں۔ یقیناً اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

ابھی ہم اپنے خیمے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ایک خاتون نے ہم سے اپنے خیمے کی لوکیشن پوچھی اور اس کے ساتھ ہی زار و قطار رونے لگیں۔ ان کے خاوند ظہر کے وقت سے ان سے بچھڑ گئے تھے اور وہ اپنی بچی اور جیٹھ کے ہمراہ اپنے خاوند اور خیمے کو اس وقت سے ڈھونڈ رہی تھیں۔ ہم نے انہیں تسلی دی کہ آپ کے خاوند یقیناً خیمے میں پہنچ چکے ہوں گے اور آپ کی تلاش میں ہوں گے۔ ہم آپ کو خیمے تک پہنچا دیتے ہیں۔

ہماری گفتگو سن کر کراچی کے ایک صاحب بھی آ گئے۔ لکھنو کے صاف ستھرے لہجے میں کہنے لگے، "بہت سے لوگوں کو اپنے خیمے نہیں مل رہے۔ میں بھی اسی سلسلے میں نکلا ہوں کہ ایسے لوگوں کی مدد کی جائے۔ اگر اس فیملی کو آپ ان کے خیمے تک پہنچا رہے ہیں تو میں کسی اور کی تلاش میں نکلتا ہوں۔" اگر ان کی طرح کچھ اور لوگ بھی یہ کام کر سکیں تو بہت سے لوگوں کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔

ہم لوگ اس فیملی کو ان کے خیمے تک پہنچانے کے لئے چلے۔ یہ لوگ امریکہ سے حج کے لئے آئے تھے۔ بنیادی طور پر پاکستانی تھے، لیکن اب امریکن نیشنل تھے اور شکاگو میں مقیم تھے۔ نقشے سے پڑھ کر ان کا خیمہ تلاش کیا جو اتفاق سے قریب ہی تھا۔ انہیں وہاں پہنچا کر ہم واپس ہوئے اور آ کر ایک بار پھر لمبی تان کر سو گئے۔

بارہ ذوالحجہ

اگلے دن علی الصبح رمی کر کے ہم نے اپنا بوریا بستر سمیٹا اور واپس روانہ ہوئے۔ جب پارکنگ میں پہنچے تو شامی ڈرائیور اخبار کے ساتھ ہمارے منتظر تھے جس میں صدام حسین کی پھانسی کی خبر نمایاں تھیں۔

ایک باب ختم ہوا۔ صدام نے اپنے دور میں ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا، بے شمار افراد اس کے ظلم کا شکار ہوئے، لوگوں کی شخصی آزادیاں سلب ہوئیں، خواتین کی عزتیں پامال ہوئیں اور بچوں کو زہریلی گیسوں سے قتل کیا گیا۔ اس کے بعد یہی سب کچھ کویتیوں کے ساتھ کیا گیا۔ امت مسلمہ لئے یہ بات باعث شرم ہے کہ ایسا ظالم و جابر شخص ان کا ہیرو قرار پایا۔

امریکہ نے عراقی عوام کو صدام کے ظلم سے نجات دلانے کا اعلان کر کے اس پر چڑھائی کر دی جس کے نتیجے میں عراقی عوام صدام کے ظلم سے نکل کر ایک طرف امریکی فوج اور دوسری طرف اپنے عسکریت پسندوں کے ظلم کا شکار ہو گئے۔ امریکی فوج اور عسکریت پسند ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کا نقصان تو کم ہی ہوتا ہے، لیکن مجبور و بے بس عراقی عوام مارے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ظلم کب ختم ہو گا۔ اگر امریکہ عراق سے نکل بھی گیا تو عراق کے عسکریت پسند، افغانستان اور فلسطین کی طرح آپس میں لڑنے لگ جائیں گے اور کئی برس تک عراقی عوام کو امن نصیب نہ ہو پائے گا۔ بہر حال ہم عراقی عوام کے لئے دعا ہی کر سکتے تھے، جو ہم نے کی۔

مکہ سے واپسی پر ہم جدہ کی بجائے الٹی سمت میں یعنی طائف کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جدہ روڈ پر ٹریفک بری طرح بلاک ہو گی۔ جب ہم میدان عرفات کے پاس پہنچے تو نہایت افسوس ہوا کہ عرفات آنے کا یہ راستہ نہایت ہی آسان تھا۔ روڈ سے اتر کر کچے میں گاڑی کھڑی کر دی جاتی اور ہم چند سو میٹر کا فاصلہ طے کر کے عرفات کے کنارے پر وقوف کر لیتے اور مسجد نمرہ کے قریب جو دھکم پیل تھی، اس سے بچ جاتے۔

حرم مکہ کی حدود سے باہر شمیسی (حدیبیہ) سے آنے والی سڑک مکہ طائف روڈ سے مل رہی تھی جو کرسچن بائی پاس کہلاتی ہے۔ ہم اس بائی پاس کے ذریعے مکہ جدہ روڈ تک پہنچے تو ایک گھنٹے میں اپنے گھر پہنچ گئے جہاں میری والدہ، اسما اور فاطمہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے ہمیں حج کی مبارک دی۔ اس کے بعد والدہ کے بنائے ہوئے مزیدار کھانے کھا کر ہم انہیں حج کی داستان سنانے لگے۔ میں نے حساب لگایا تو ہم نے دوران حج پانچ دن میں تقریباً 55 کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کیا تھا۔

حج کے تجربات

سفر حج سے جو تجربات مجھے حاصل ہوئے، ان میں چند تجاویز کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش ہیں تاکہ اپنے حج کے دوران آپ زحمت سے بچ سکیں۔

- حج کے دوران نظم وضبط اور صبر و تحمل کا خیال رکھیں۔ یہ قدم قدم پر آپ کی مدد کرے گا۔
- اگر آپ کے ساتھ فیملی ہے تو عرفات میں مسجد نمرہ اور جبل رحمت کے قریب جانے کی کوشش نہ کیجیے۔
- اگر آپ کو پیدل چلنے کی عادت ہے تو بہتر ہے کہ پیدل حج کریں۔ اس سے آپ ٹریفک جام کے مسائل سے بچ جائیں گے۔
- آج کل ہر شخص کے پاس موبائل فون ہے۔ اگر آپ کو انٹرنیشنل رومنگ کی سہولت میسر نہیں بھی ہے تب بھی اپنے موبائل سیٹ سعودی عرب لے آئیے اور یہاں سے حجاج کے لئے سستا کنکشن لے لیجیے۔ بچھڑنے کی صورت میں یہ بہت مفید ہو گا۔
- منیٰ میں کوئی ایسا مقام طے کر لیجیے جس تک ہر کوئی آسانی سے پہنچ سکے۔ بچھڑنے کی صورت میں سب لوگ اسی مقام پر آ جائیں۔
- اگر آپ کو بے سہارا بوڑھے، معذور، بچے یا خواتین ملیں تو ان کی مدد کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ انہیں ان کے ملک کے متعلقہ حج مشن کے خیمے تک پہنچا دیجیے۔ ان کے لواحقین انہیں وہاں سے لے لیں گے۔

حج کے انتظامات اور جدید ٹیکنالوجی

تیس لاکھ افراد کا ایک جگہ اکٹھا ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ اتنی غیر معمولی تعداد کے لئے انتظامات بھی جب تک غیر معمولی نہ ھوں، حجاج کو مناسب خدمات فراہم نہیں کی جاسکتیں۔ حج کے موجودہ انتظامات کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ حجاج کی اتنی بڑی تعداد کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔ اگرچہ سعودی حکومت حجاج کو زیادہ سے زیادہ خدمات فراہم کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اس میں ابھی بہتری کی بہت گنجائش موجود ہے۔ حج کے انتظامات کی بہتری کے لئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

موجودہ دور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس ٹیکنالوجی کا استعمال حج کے انتظامات میں کرکے حجاج کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں۔ سعودی حکومت، ہر ملک کی مسلم آبادی کے تناسب سے حجاج کا کوٹہ دنیا بھر کے ممالک میں تقسیم کرتی ہے۔ کئی حکومتیں حج کے انتظامات اپنے پاس رکھتی ہیں جبکہ بعض حکومتیں انہیں پرائیویٹ ٹور آپریٹرز کے حوالے کر دیتی ہیں۔ پاکستان کے حجاج کے لئے دونوں طرح کے نظام رائج ہیں۔ حج کے انتظامات کا آغاز حجاج کی رجسٹریشن سے ہوتا ہے۔ میری رائے میں اسی مقام سے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال شروع ہو جانا چاہیے۔

اس ضمن میں پہلا قدم ہر ملک میں حج رجسٹریشن سنٹرز کا قیام ہے۔ نادرا کے سنٹرز کی طرز پر یہاں بائیو میٹرک (Biometric) سکینرز نصب کئے جائیں جن کے ذریعے حجاج کے چہرے اور فنگر پرنٹس لے لئے جائیں۔ ان سنٹرز کی تعداد بہر حال اتنی ہونی چاہیے کہ تمام حجاج کو طویل قطاروں میں انتظار کروانے کی بجائے جلد از جلد فارغ کیا جاسکے۔ تمام ممالک سے یہ بائیو میٹرک ڈیٹا سعودی عرب کے مرکزی حج ڈیٹا بیس میں منتقل کر دیا جائے۔

سعودی عرب میں فی الوقت حج آپریشن جدہ اور مدینہ ائرپورٹس پر جاری رہتا ہے۔ ان ائرپورٹس پر امیگریشن کاؤنٹرز پر سکینرز نصب کئے جائیں جن کے سامنے سے گزرنے پر یہ خود بخود حاجی کی آمد ورفت کو ریکارڈ کر لیں۔ جدہ سے لے کر مکہ تک تین یا چار چیک پوسٹیں قائم کی جاتی ہیں جہاں حجاج کی کسی کسی بس کو چیک کیا جاتا ہے۔ جس بس کو چیکنگ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، ان کے حجاج کو صبر آزما انتظار سے گزرنا پڑتا ہے۔ چیک پوسٹوں پر پولیس کے اہل کاروں کے پاس بھی ایسے ہی پورٹیبل سکینر ھوں جسے وہ بس میں بیٹھے حجاج کے چہروں کے سامنے سے گزارتے جائیں۔ جس شخص کا ڈیٹا مرکزی ڈیٹا بیس میں موجود نہ ہو گا، سکینر اس کی نشاندہی کر دے گا۔ اس شخص کو بس سے اتار کر مزید تفتیش کی جائے اور بس کو فوراً روانہ کر دیا جائے۔ اس پورے عمل میں ایک دو منٹ سے زیادہ وقت درکار نہیں ہو گا۔

حج کے انتظامات میں سب سے بڑا مسئلہ وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جو حکومت کی اجازت کے بغیر منی پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ ان کے اجازت نہ لینے کی بڑی وجہ اجازت دینے کا طریق کار ہے۔ اگرچہ سعودی حکومت کی طرف سے یہ اجازت نامہ مفت جاری کیا جاتا ہے لیکن یہ صرف ٹور آپریٹرز کی وساطت سے جاری ہوتا ہے۔ یہ حضرات کسی کو اجازت نامہ جاری کروانے کے لئے یہ شرط رکھتے ہیں کہ ان سے رہائش، کھانے اور ٹرانسپورٹ کا پورا پیکج لیا جائے۔ پیکج کی رقم بہت زیادہ اور خدمات کا معیار عموماً بہت ناقص ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کسی کو مجبور کیا جائے اسے نماز پڑھنے کی اجازت اسی صورت میں دی جائے گی جب وہ ایک ناقص چیز مہنگے داموں خریدے گا۔ اس شرط کا کوئی اخلاقی اور شرعی جواز موجود نہیں ہے۔ سعودی حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنے حج رجسٹریشن سنٹر قائم کرے جہاں ہر آنے والے کو رجسٹریشن کے بعد بلا امتیاز حج کی اجازت دی جائے۔ منی اور عرفات کی گنجائش کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک معقول تعداد کو اجازت دینے کے بعد یہ سلسلہ موقوف کر دیا جائے اور انہیں اگلے برس یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے کہا جائے۔

غیر قانونی انٹری روکنے کے لئے منی، مزدلفہ اور عرفات کے گرد باؤنڈری وال بنا دی جائے۔ اس دیوار کو کئی منزلہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس میں ہزاروں کی تعداد میں دروازے بنائے جائیں تاکہ لاکھوں حجاج کی آمد ورفت میں مشکل نہ ہو۔ ہر دروازے پر بائیو میٹرک اسکینر ہوں جو گزرتے ہوئے حجاج کی آمد ورفت کو ریکارڈ کریں۔ ان تینوں میدانوں کو زونز میں تقسیم کر دیا جائے اور ایک زون سے دوسرے زون کے راستے پر اسکینر نصب ھوں جو ہر شخص کا مکمل ریکارڈ رکھ سکیں کہ کس وقت وہ کہاں پر ہے۔

حجاج کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اس وقت درپیش ہوتا ہے جب ان کا کوئی عزیز ہجوم میں گم ہو جائے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے جگہ جگہ کاؤنٹر بنائے جانے چاہیں جہاں کسی بھی حاجی کے کوائف بتانے پر کمپیوٹر کی مدد سے اس کی موجودہ لوکیشن بتائی جا سکے۔ انہی کاؤنٹرز کو قربانی کے کوپن فروخت کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حجاج کے پیکج میں سستی موبائل سم بھی شامل ہونی چاہیئے۔ آج کل ہر شخص کے پاس موبائل سیٹ ہے۔ سعودی عرب پہنچنے پر وہ یہ سم اپنے موبائیل میں لوڈ کر لے جس کی مدد سے اس کا رابطہ اپنے عزیزوں سے قائم رہ سکتا ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہونے والی جدید ایجادات کا بھرپور استعمال بھی حج کے انتظامات کو بہتر بناسکتا ہے۔ منی کا میدان، فکس خیموں پر مشتمل ہے۔ حال ہی میں یہاں عمارتوں کی تعمیر بھی تجرباتی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ پورے منی میں خیموں کی جگہ بلند و بالا عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں جن میں اپارٹمنٹ کی بجائے خیمے ہی بنائے جاسکتے ہیں۔ ان عمارتوں کی تعمیر سے زیادہ سے زیادہ حجاج کے لئے فریضہ حج کی ادائیگی ممکن ہوسکے گی۔

ان عمارتوں کی تعمیر میں اس بات کا دھیان رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان میں داخلے کے راستے کشادہ رکھے جائیں، ایمر جنسی ایگزٹس موجود ہوں، ہر عمارت میں آگ بجھانے کا انتظام موجود ہو اور ہر منزل پر کثیر تعداد میں طہارت خانے موجود ہوں۔ ایسے افراد جو کسی ٹور آپریٹر کے بغیر حج کر رہے ہیں، ان کے لئے، ان کی تعداد کے تناسب سے عمارتیں مخصوص کی جائیں جہاں وہ اپنے خیمے لگا کر آرام سے عبادت کر سکیں۔ ان عمارات کی ہر منزل پر بائیو میٹرک اسکینر لگے ہوں جو لوگوں کی آمد و رفت کو مانیٹر کر رہے ہوں۔ خیموں کے موجودہ نمبرز کی ترتیب خاصی نامعقول ہے۔ اس کو نئے سرے سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

منی کے موجودہ راستے کافی تنگ ہیں۔ منی میں راستوں کو تنگ کرنے میں سب سے بڑا کردار غیر قانونی اسٹالز کا ہے۔ ان اسٹالز کی بھی رجسٹریشن کی جائے اور ہر عمارت کی ہر منزل میں ان کے لئے جگہ مخصوص کی جائے۔ راستوں میں اسٹالز لگانے سے سختی سے روکا جائے۔ عمارات کی تعمیر سے حجاج کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ اسی تناسب سے منی کے راستوں کو بھی کشادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے سال تک منی کا سب سے خطرناک حصہ جمرات کا ایریا تھا۔ اس سال جمرات برج کی تعمیر سے یہ مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا ہے۔ یہ ایک بہت اچھا منصوبہ ہے جس کے مطابق جمرات برج کو کئی منزلہ تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔

مسجد الحرام سے عرفات براستہ منی و مزدلفہ، ٹرانسپورٹ کے انتظام میں بھی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اس روٹ پر ٹرین چلانے کا منصوبہ نہایت عمدہ ہے۔ منی سے عرفات تک چار بڑے روڈ ہیں لیکن حجاج کی غیر معمولی تعداد کے باعث ان پر حج کے ایام میں گاڑیاں بلاک رہتی ہیں اور چند کلو میٹر کا فاصلہ گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ نئے روڈز کی تعمیر کی بجائے زیادہ بہتر ہے کہ انہی سڑکوں کو کئی منزلہ تعمیر کیا جائے۔

بلاکیج کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈرائیور حضرات سڑک کے درمیان میں بس روک کر مسافر بٹھانے لگتے ہیں جس سے دور دور تک روڈ بلاک ہو جاتا ہے۔ گاڑیوں کو صرف متعین کردہ بس اسٹاپس پر روکنے کی اجازت ہونی چاہیے، اس کے لئے ضروری ہے کہ جگہ جگہ روڈ سے ہٹ کر بڑے بڑے بس اسٹاپ بھی تعمیر کئے جائیں۔ بیمار اور معذور افراد کے لئے پیدل راستے کے ساتھ ساتھ ائر پورٹ کی طرز پر متحرک بیلٹ نصب کرنے سے ان کے لئے کافی سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ مکہ کے قریب ایک جدید اور بڑے ائر پورٹ کی تعمیر بھی بہت ضروری ہے تاکہ جدہ اور مدینہ ائر پورٹس پر بوجھ کو کم کیا جاسکے۔ جدہ مکہ قدیم روڈ کو بھی موٹر وے بنانے کی ضرورت ہے تاکہ جدہ سے مکہ حجاج کے لئے دو راستے میسر ہوں۔

حج چونکہ ایک دینی فریضہ ہے اس لئے اسے زیادہ سے زیادہ سستا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غریب لوگ بھی حرم کی زیارت کا شوق پورا کر سکیں۔ حج و عمرہ کے سفر میں مکہ و مدینہ کی مہنگی رہائش گاہوں کا متبادل یہ ہے کہ ان دونوں شہروں کے خالی میدانوں میں کیمپنگ سائٹس قائم کی جائیں جہاں لوگ اپنے خیمے لگا کر رہ سکیں۔ ان سائٹس میں پبلک ٹائلٹ سے لے کر دکانوں تک ہر سہولت میسر ہو اور یہاں سے حرمین تک ائر کنڈیشنڈ بسیں چلائی جائیں۔

حجاج کے لئے حالیہ میڈیکل سہولتیں اچھی ہیں لیکن انہیں بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ رش کی وجہ سے ایمبولینس کو مریض تک پہنچنے میں کافی وقت لگتا ہے۔ اس مشکل کو ایمبولینس ہیلی کاپٹروں میں اضافہ کرکے حل کیا جا سکتا ہے۔

سفر ہجرت

سوئے مدینہ

سعودی عرب پہنچنے کے بعد پہلے ویک اینڈ پر میں نے مکہ کا سفر کیا۔ دوسرے ویک اینڈ پر مدینہ کا ارادہ تھا۔ اس ویک اینڈ تک مجھے ڈرائیونگ لائسنس نہ مل سکا تھا۔ جدہ سے مدینہ جانے کے متبادل ذرائع بس اور ٹیکسی ہے۔ بسیں عموماً رات کو دس بجے روانہ ہوتی ہیں۔ اگر میں اس پر سفر کرتا تو مدینہ جانے کے راستے کو نہ دیکھ پاتا جس سے مجھے سالوں پرانا جذباتی تعلق رہا ہے۔ ٹیکسی کا سفر خاصا مہنگا ثابت ہو سکتا تھا۔ ان وجوہات کی بنیاد پر میں نے مدینہ کا سفر تیسرے ویک اینڈ تک موخر کیا۔ اس ہفتے میں مجھے خوش قسمتی سے ڈرائیونگ لائسنس بھی مل گیا۔ سعودی عرب میں گاڑی خریدنے کے لئے لائسنس کی شرط ہے۔ فوری طور پر میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں گاڑی خرید سکوں چنانچہ میں نے ایک کار کرائے پر لی اور اس پر مدینہ روانہ ہوا۔ یہ ٹیکسی اور بس کی نسبت کافی سستا ذریعہ ہے۔

تقریباً سو کلو میٹر چلنے کے بعد یہ روڈ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک روڈ رابغ اور ینبوع کے ساحلی شہروں کی طرف چلی جاتی ہے اور دوسری مدینہ اور پھر آگے تبوک کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ اس سے تھوڑا سا آگے جا کر یہ روڈ مکہ سے آنے والی موٹر وے میں مل جاتی ہے۔ مکہ سے مدینہ موٹر وے اس راستے پر بنائی گئی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔ اسے طریق الہجرہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ قارئین کو جدہ مدینہ روڈ سے زیادہ طریق الہجرہ میں دلچسپی ہو گی، اس لئے اس سفر نامے میں میں اپنے اس سفر کا ذکر کروں گا جو میں نے طریق الہجرہ پر کیا۔

جدہ سے مدینہ میں دو بار جدہ مدینہ موٹر وے کے راستے جا چکا تھا۔ اس راستے کا تقریباً 70 فیصد حصہ طریق الہجرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود مجھے یہ شدید خواہش تھی کہ کسی دن مکہ سے مدینہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نقش قدم پر سفر کیا جائے۔ ایک دن یہ خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ ہم لوگ علی الصبح جدہ سے مدینہ کے لئے براستہ مکہ روانہ ہوئے۔ میرے ساتھ میری اہلیہ اور بچیاں تھیں۔ اسماء نے حسب روایت سفر نامے کے لئے نوٹس لینا شروع کئے۔ ہم لوگ مکہ کے راستے میں دوسرے سروس ایریا پر رکے تاکہ گاڑی کے ٹائروں میں ہوا وغیرہ چیک کروالی جائے۔ مکینک نے یہ کہہ کر ایک کی بجائے دو ریال وصول کئے کہ صبح کا وقت ہے اور آپ پہلے گاہک ہیں۔ ہمارے یہاں بوہنی کروانے والے کو خصوصاً رعایت دی جاتی ہے لیکن یہاں الٹا رواج تھا۔

مکہ کے راستے میں بہت سی سنہری وادیاں ہیں۔ یہاں جب شام کی سنہری دھوپ میں ریت چمکتی ہے تو دور دور تک سنہرا رنگ بکھرا نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل میں سفر مکہ میں بیان کر چکا ہوں۔ یہی وادیاں صبح کے وقت ہلکے پیلے اور گرے رنگ کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ تھوڑا سا آگے ایک ہورڈنگ پر موبائل فون کا عربی اشتہار تھا جس میں بطور خاص یہ فیچر بیان کیا گیا تھا کہ اس میں اگر نماز کا سالانہ نظام الاوقات سیٹ اپ کر دیا جائے تو اذان کے اوقات میں باقاعدہ اذان دی سنائی دیتی ہے۔

عین ممکن ہے کہ یہ فیچر غیر مسلموں نے ڈیویلپ کیا ہو۔ یہ کمرشل سوچ کا کمال ہے کہ اس نے مسلمانوں کی ڈیمانڈ کا اندازہ لگاتے ہوئے اس میں ان کے مذہب سے متعلق فیچر داخل کر دیا۔ مسلم ممالک میں تو شاید اس کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو لیکن غیر مسلم ممالک کے سفر کے دوران یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جب انسان کو کئی کئی دن اذان کی آواز سننے کو نہیں ملتی۔ اسی کمرشل سوچ کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والے جائے نماز، تسبیحیں اور ٹوپیاں چین سے بن کر آتی ہیں۔

جدہ مکہ موٹروے پر سفر کرتے ہوئے ہم لوگ مکہ میں داخل ہوئے۔ مکہ کے تیسرے رنگ روڈ سے ہم نے بائیں جانب کا رخ کیا۔ یہ رنگ روڈ سیدھی جبل ثور سے آ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مدینہ مکہ کے شمال میں واقع ہے اور جبل ثور جنوب میں۔ مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب کثیر تعداد میں یثرب کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کو بحیثیت حکمران یثرب آنے کی دعوت دی تو کفار مکہ نے اس بات کو اپنے لئے ایک ممکنہ خطرہ (Potential Threat) سمجھتے ہوئے دار الندوہ میں مجلس مشاورت منعقد کی۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کا اپنا خاندان بنی ہاشم مکہ میں بہت اثر و رسوخ والا خاندان تھا اس لئے یہ لوگ آپ کی ذات کے خلاف کوئی بڑی کاروائی کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچنا چاہتے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ٹیم جا کر حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کو شہید کر دے اور اس ٹیم میں ہر قبیلے کے افراد ہوں تا کہ بنی ہاشم سب سے قصاص کا مطالبہ نہ کر سکیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ دیت (قصاص کے بدلے لی جانے والی رقم) کا مطالبہ کریں گے جو تمام قبائل کے لئے پورا کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔

سفر ہجرت اور غار ثور

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے محض نبی ہی نہیں بلکہ اس کے آخری رسول بھی ہیں۔ رسول اپنی قوم کے لئے آسمانی حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی چونکہ انسانی صلاحیتوں کی بنیاد پر اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہے اس لئے اس کو اس کے مخاطبین شہید بھی کر سکتے ہیں مگر رسول کی حفاظت براہ راست اللہ تعالیٰ کرتا ہے کیونکہ کوئی بھی اللہ کے رسول پر غالب نہیں آ سکتا۔

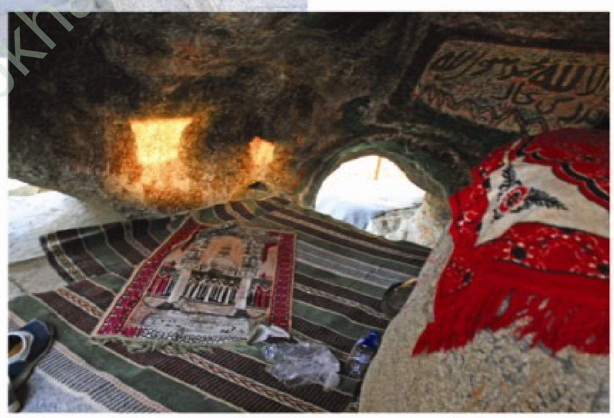
اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام کے ذریعے اپنے رسول کو یثرب کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے اس سفر کا علم بہت ہی کم لوگوں کو تھا جن میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ اس ایمر جنسی کی حالت میں بھی آپ نے اخلاقیات کا اعلیٰ ترین معیار قائم کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے پر مامور فرمایا۔ یہ امانتیں ان لوگوں کی بھی تھیں جو آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے آپ سے دشمنی پر اترے ہوئے تھے۔



مقبرہ المعلاۃ



غارِ ثور



اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ان لوگوں کی طرف مٹی پھینکی جو آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ یہ لوگ اندھے ہو گئے اور آپ کو نہ دیکھ سکے۔ ہجرت کا انتظام کرنا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذمے داری تھی۔ آپ نے پہلے ہی سے سواریاں تیار رکھی ہوئی تھیں۔ ان پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور سیدنا ابو بکر مدینہ کی بجائے اس کی مخالف سمت میں چل پڑے اور آکر غار ثور میں پناہ لی۔ کفار آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی آ پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ کے خصوصی (Divine) انتظامات

کی وجہ سے آپ تک نہ پہنچ سکے۔ قرآن مجید اس واقعے کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔(توبہ9:40)

"اللہ ان (اپنے رسول کی) مدد اس وقت کر چکا ہے جب کفار نے انہیں نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو (ساتھیوں میں سے) ایک تھے۔ جب وہ دونوں غار میں تھے، اس وقت وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے، 'غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔' اس وقت اللہ نے ان پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور ان کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تمہیں نظر نہ آتے تھے۔ اس نے کفار کا قول نیچا کر دکھایا اور اللہ کا کلمہ بلند کر دیا۔ اور اللہ بہت زبردست اور حکمت والا ہے۔"

غار ثور میں قیام کے دوران سیدنا ابو بکر کے بیٹے عبداللہ، بیٹی اسماء اور غلام عامر (رضی اللہ عنہم) آپ دونوں کو خوراک پہنچاتے رہے۔ اس سے خانوادہ ابو بکر پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعتماد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تین دن بعد یہ دونوں حضرات ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان دونوں حضرات نے یثرب جانے والے تجارتی قافلوں والے عام راستے کی بجائے ایک علیحدہ راستہ اختیار کیا۔ اسی راستے پر اب جدید موٹروے طریق الہجرہ بنی ہوئی ہے جو وادی قدید کے راستے مدینہ کی طرف رواں دواں ہوتی ہے۔ تجارتی قافلوں والے عام راستے پر مکہ سے مدینہ جانے والی قدیم سڑک بنی ہوئی ہے جو رابغ، جحفہ اور بدر سے ہو کر مدینہ پہنچتی ہے۔ حال ہی میں اسے بھی موٹروے بنا دیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں اب طریق الہجرہ پرانی سڑک معلوم ہوتی ہے۔ یہ موٹروے مقام تنعیم سے شروع ہوتی ہے۔ یہ چھ لین کی موٹروے ہے۔ جدہ مکہ روڈ کے مقابلے میں یہاں اتنا زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا کہ آٹھ لین کی موٹروے بنائی جائے۔

مدینے کا سفر ہے اور۔۔۔۔

مقام تنعیم سے چلے تو تھوڑی دور جا کر جموم شہر آگیا۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ یہاں سے دائیں جانب طائف اور بائیں جانب جدہ کے لئے راستہ نکلتا ہے۔ جموم ایک وسیع سرخ وادی پر مشتمل ہے جس کے بیک گراؤنڈ میں سیاہ اور سرخ پہاڑ خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ یہاں ایک زرعی فارم بھی تھا۔ ایک بورڈ پر "مدینہ 405 کلومیٹر" لکھا ہوا تھا۔ دل پر ایک اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی۔

سنبھل جا اے دل مضطر، مدینہ آنے والا ہے

لٹا اے چشم تر گوہر، مدینہ آنے والا ہے

جموم سے آگے جا کر ایک مقام پر حجاج گروپنگ سینٹر نظر آیا۔ اس وقت یہ ویران پڑا ہوا تھا۔ شام، اردن اور سعودی عرب کے شمالی علاقہ جات سے براستہ سڑک آنے والے حجاج اسی راستے سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔ بائیں جانب دور اونچے اونچے

پہاڑ نظر آ رہے تھے جن کی بلندی اس راستے کے عام پہاڑوں کی نسبت خاصی بلند تھی۔ صحرا میں ایک راستہ بنا ہوا تھا جس کے کنارے کھجور کے درخت طویل قطار کی صورت میں لگے ہوئے تھے۔ یہاں ایک زرعی فارم بھی تھا۔ وسیع صحرا میں یہ نخلستان بہت بھلا لگ رہا تھا۔ میں نے گاڑی کا شیشہ نیچا کیا تو سہانی ہوا کا ایک جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا اور مولانا احمد رضا خان کے یہ اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے۔

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے

کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے، غافل ذرا تو جاگ

او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

میری یہ عادت رہی ہے کہ میں اچھی چیز ہر جگہ سے لے لیتا ہوں اور اس عمل میں کسی تعصب کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ مولانا سے کئی نظریاتی و علمی اختلافات کے باوجود میں ان کے وہ اشعار بڑے شوق سے پڑھتا ہوں جن میں مجھے کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نظر نہیں آتی۔ فن نعت گوئی میں مولانا کا اعتبار نہایت ہی اعلیٰ درجے کے شعرا میں ہوتا ہے۔

اچانک دائیں جانب اونٹوں کا ریوڑ چرتا نظر آیا۔ براؤن رنگ کی پہاڑیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں براؤن رنگ کے بے شمار شیڈ موجود تھے۔ ان صحرائی پہاڑوں اور وادیوں میں انسان خود کو فطرت کے کتنا قریب محسوس کرتا ہے۔ شہر کی مصنوعی زندگی انسان کو فطرت سے اور خدا سے کتنا دور لے گئی ہے۔ سڑک زگ زیگ کی شکل میں پہاڑوں پر چڑھنے لگی۔ سامنے وادی میں خاصا سبزہ تھا اور عسفان کا شہر نظر آ رہا تھا۔ چوٹی پر کسی قدیم عمارت کے ستون نظر آ رہے تھے۔ یہ پہاڑ مجھے اپنے اپنے سے لگے۔ دراصل ان کی صورت بالکل کلر کہار کے پہاڑوں کی سی تھی جو موٹر وے پر اسلام آباد جاتے ہوئے دریائے جہلم کے فوراً بعد سامنے آ جاتے ہیں۔

عسفان اور سراقہ بن مالک

میری نظر کے سامنے موجود سکس لین موٹر وے پتلی کچی سڑک میں تبدیل ہونے لگی۔ گاڑیوں کے قافلوں کی جگہ اونٹوں اور گھوڑوں کے قافلوں نے لے لی۔ چشم تصور میں مجھے تین افراد کا قافلہ نظر آنے لگا۔ ایک اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں، دوسرے ان کے بچپن کے ساتھی ابو بکر جن پر حضور سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور تیسرا ان کا گائیڈ ہے۔ چونکہ یہ راستہ زیادہ معروف نہ تھا، اس لئے انہیں گائیڈ کی ضرورت بھی پڑی تھی ورنہ سیدنا ابو بکر خود تجارتی راستوں کے بہت بڑے ماہر تھے۔

یہیں عسفان کے نزدیک کسی مقام پر ان کا سامنا سراقہ بن مالک سے ہوا تھا جو ان کی تلاش میں تھے۔ سراقہ انہیں پہچان گئے تھے لیکن آگے بڑھتے ہوئے ان کے گھوڑوں کے قدم زمین میں دھنس گئے۔ اس معجزے کو دیکھ کر وہ ایمان لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے انہیں کسریٰ کے کنگن پہننے کی بشارت دی جو پندرہ بیس سال بعد اس وقت پوری ہوئی جب خلیفہ دوم عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کسریٰ کے محلات فتح ہوئے۔

عسفان کے بعد روڈ اچانک گہرائی میں جاکر اوپر اٹھنے لگی۔ سامنے سیاہ رنگ کے پہاڑ تھے جن پر بے شمار ٹھیکری نما پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اصل میں یہ سیاہ رنگ انہی ٹھیکریوں کا تھا۔ روڈ کے کنارے 'مرکز امداد حجاج' تھا۔ دور پھیلی ہوئی سنہری وادی میں ہلکے سبز رنگ کے صحرائی پودے افراط سے پھیلے ہوئے تھے۔ جہاں سنہری وادی ختم ہوتی تھی وہاں سے سیاہ پہاڑ شروع ہو جاتے تھے اور بلندی تک چلے جاتے تھے۔

سامنے کی طرف ایک فصیل نما پہاڑی سلسلہ تھا جس کے پہاڑوں میں اتار چڑھاؤ بالکل نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دیو قامت دیوار کھڑی ہے اور بس کھڑی ہے۔ ایسے پہاڑی سلسلے قدیم زمانوں میں دفاع کی خدمات انجام دیتے تھے۔ شہر کے مصنوعی ماحول سے نکل کر فطرت کے ماحول میں ایسی صناعی دیکھ کر انسان کا ذہن بے اختیار خدا کی اس آیت کو یاد کر اٹھتا ہے: فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ "اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔" سامنے خلیص الکامل کا ایگزٹ تھا۔ اب مدینہ 305 کلومیٹر دور رہ گیا تھا۔ اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ سنبھل جا اے دل مضطر، مدینہ آنے والا ہے۔

سعودی عرب میں سڑکوں پر سفر کے دوران اکثر سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کے بورڈ نظر آتے ہیں۔ یہ انسان کو دوران سفر خدا کی یاد دلاتے ہیں۔ یہاں ایک بورڈ پر لکھا ہوا تھا، تعوّذ من الشیطان یعنی "شیطان سے پناہ مانگو۔" حقیقت یہ ہے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے لیکن ہم اس کی دشمنی کو پہچاننے کی بجائے اس سے دوستی پر تلے ہوئے ہیں۔

خیمہ ام معبد

اب جدہ سے آنے والی روڈ ہمارے سر کے اوپر سے گزرتی ہوئی ہم سے طریق الہجرہ پر آملی۔ یہیں سے ایک لنک روڈ رابغ والی سڑک کی طرف جارہی تھی۔ ٹھیکری نما پہاڑوں پر سفر کرتے ہوئے ہم وادی قدید میں جانکلے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سفر ہجرت میں قیام فرمایا تھا۔ یہاں پر ام معبد نامی خاتون کا خیمہ تھا جنہیں حضور کا میزبان بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ میرے دل میں یہ شدید خواہش تھی کہ اس مقام کو دیکھا جائے جہاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قیام فرمایا تھا چنانچہ میں نے گاڑی وادی قدید کے ایگزٹ کی طرف موڑلی۔

دور جاہلیت سے اس علاقے میں بنو خزاعہ آباد تھے۔ یہ وہی قبیلہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کا حلیف بن گیا تھا۔ بنو بکر نے ان پر شب خون مارا اور قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ حدیبیہ کے معاہدے کی کھلی خلاف ورزی تھی جو قریش کی جانب سے ہوئی۔ اس کے بعد اس معاہدے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دس ہزار قدوسیوں کا ایک لشکر جرار

تیار کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنو خزاعہ عرب کا ایک اہم قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کی خاتون ام معبد اپنی شعر و شاعری کی وجہ سے پورے علاقے میں مشہور تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر کے دوران جب ان کے خیمے کے پاس پہنچے تو ان کی ایک بکری وہاں موجود تھی۔ آپ نے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت مانگی۔ یہ بکری دودھ دینے کے لائق نہ تھی لیکن آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس تھنوں میں کثیر مقدار میں دودھ اتار دیا۔ ام معبد اس معجزے کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے بعد میں آپ کے بارے میں ایک فی البدیہہ نظم کہی۔ بعد میں ام معبد اور ان کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا۔

وادی قدید ایک بہت بڑے علاقے کا نام ہے جو ٹھیکری والے سیاہ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سی وادیاں شامل ہیں جن کا مجموعی نام وادی قدید ہے۔ ایک سنگل روڈ وادی کے بیچ میں سے گزر رہا تھا۔ اس پر دو تین چھوٹے چھوٹے گاؤں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وادی میں پانی کی کوئی کمی نہیں ہے اس لئے جا بجا کھجوروں کے فارم نظر آ رہے تھے۔ تھوڑا سا آگے جا کر روڈ نے ایک کچے ٹریک کی شکل اختیار کر لی۔ اصل روڈ کہیں کہیں سے زمین میں دھنسا نظر آ رہا تھا۔ ہر طرف چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں سیلاب آیا ہو جس نے روڈ کی یہ حالت کر دی ہو۔

اچانک روڈ کے کنارے جدید طرز تعمیر پر مشتمل زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے کوارٹر نظر آئے جس کے ساتھ پانی کی ایک بڑی سی ٹینکی تھی۔ غالباً یہ ارد گرد کے علاقے کے رہائشی مکانات اور کھجوروں کے فارمز کے لئے تعمیر کی گئی تھی۔ میری گاڑی زیادہ اونچی نہیں اس لئے پتھر اس کے فرش سے ٹکرا رہے تھے۔ ایسی جگہ آنے کے لئے جیپ کی ضرورت تھی۔ تھوڑا آگے جا کر مجھے ایک جیپ پیچھے آتی نظر آئی جسے اصولی طور پر کسی میوزیم میں ہونا چاہئے تھا۔ غالباً یہ 1960 کی دہائی کا کوئی ماڈل تھا۔ میں نے معلومات حاصل کرنے کے لئے گاڑی ایک طرف روکی اور جیپ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ خوش قسمتی سے جیپ کو ایک پاکستانی چلا رہے تھے۔ تعارف میں ان کا نام ادریس معلوم ہوا۔ ان کا تعلق فیصل آباد سے تھا۔

ادریس صاحب اس وادی میں کافی عرصے سے مقیم تھے۔ وہ کسی سعودی کے فارم پر رہتے تھے اور اس کی گاڑیاں وغیرہ چلاتے تھے۔ سعودی عرب کے زرعی فارمز پر کافی پاکستانی کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس علاقے میں ہر تین چار سال کے بعد شدید بارش ہوتی ہے جس کے نتیجے میں سیلاب آ جاتا ہے۔ اس سیلاب کی وجہ سے ہی یہاں زیر زمین پانی خاصی مقدار میں موجود رہتا ہے جس کی وجہ سے یہاں کھجوروں کے فارم پائے جاتے ہیں۔ سیلابی پانی بعد میں تالابوں کی شکل میں بھی اکٹھا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور قدیم میں لوگ اس راستے کو اختیار کرتے تھے تاکہ طویل صحرائی سفر میں اپنے اور جانوروں کے لئے پانی حاصل کر سکیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی اسی علاقے سے گزرے تھے البتہ سیلاب کے خدشے کے باعث سے طریق الہجرہ کو پہاڑوں کے اوپر سے گزارا گیا ہے۔





ادریس صاحب نے ہمیں کھانے کی پرزور دعوت دی جس پر میں نے معذرت کرلی۔ اب ہم ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا

آگے ظُبیہ نام کا قصبہ تھا۔ یہیں ان کا فارم ہاؤس تھا۔ ہم ایک بقالہ (جنرل سٹور) پر رکے۔ ادریس صاحب نے وہاں سے میرے بچوں کے لئے ڈھیروں چیزیں خرید کر دیں۔ میرے بھرپور اصرار کے باوجود انہوں نے اس کے پیسے نہ لئے۔ بقالے کے مالک ایک سوڈانی صاحب تھے جن کا نام اسماعیل تھا۔ انہوں نے عربی میں ایک کتاب بھی دکھائی جس میں وادی قدید کے متعلق معلومات دی گئی تھیں۔ میں نے وہ کتاب خریدنا چاہی لیکن ادریس صاحب نے مجھے اس کی ادائیگی نہ کرنے دی۔ اس کتاب میں خیمہ ام معبد کی لوکیشن کے بارے میں تفصیلات درج تھیں۔ اسماعیل صاحب نے اس جگہ کی نشاندہی کی جو اس مقام کے قریب تھی جہاں وادی قدید کا ایگزٹ واقع ہے۔

ان کا شکریہ ادا کر کے ہم لوگ واپس روانہ ہوئے۔ ظُبیہ کے قریب آ کر طریق الہجرہ پھر ہمارے قریب سے گزر رہی تھی۔ ہم نے رخ مکہ کی طرف کیا اور بیس کلومیٹر پیچھے وادی قدید کے ایگزٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ہم پھر ایگزٹ سے باہر نکلے۔ اب کی ہم نے موٹروے سے دوسری جانب کا راستہ اختیار کیا۔ میری توقع کے خلاف پکی روڈ جلد ہی ختم ہو گئی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ایسے ٹورز کے لے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک فور وہیل ڈرائیو جیپ اور دوسرے ایڈونچر پسند ساتھی۔ اس وقت ان دونوں ہی کی کمی تھی، لہذا ہم نے خیمہ ام معبد کی تلاش کو ملتوی کیا اور دوبارہ طریق الہجرہ پر گاڑی ڈال کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

طریق الہجرہ پر پانی کا ایک سفید ٹینکر ہمارے آگے جا رہا تھا جس میں آب زمزم تھا۔ مکہ سے آب زمزم ٹینکروں کی مدد سے مدینہ پہنچایا جاتا ہے جہاں یہ مسجد نبوی میں اسی طرح میسر ہوتا ہے جیسا کہ مسجد الحرام میں۔ یہاں میری ڈیڑھ سالہ بیٹی ماریہ کو نجانے کیا سوجھی کہ وہ اچھل اچھل کر "مدینہ مدینہ" پکارنے لگی۔ اس کی یہ پکار تقریباً آدھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس کی شکل پر خوشی کے تاثرات تھے اور وہ اپنی پکار کو خود ہی انجوائے کر رہی تھی۔

اب ہم ایک بار پھر وادی قدید سے گزر رہے تھے لیکن اب ہمارا راستہ سیلابی ٹریک کی بجائے طریق الہجرہ تھی۔ بائیں جانب ہمیں کچھ پہاڑ نظر آ رہے تھے جو تیز دھوپ کے باوجود کچھ بھوت نما دکھائی دے رہے تھے۔ روڈ پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جو یہ بتا رہا تھا کہ اس روڈ کو ریڈار کی مدد سے مانیٹر کیا جا رہا ہے اس لئے آپ حد رفتار کا خیال رکھیں۔ جدہ مکہ روڈ کے برعکس یہاں زیادہ پولیس نہیں ہوتی اس لئے اس روڈ کو ریڈار کی مدد سے مانیٹر کیا جاتا ہے اور جو گاڑی مسلسل 120 سے زائد رفتار پر سفر کرے، اسے اگلے کسی مقام پر پولیس کی گاڑی روک کر اس کا چالان کرتی ہے۔

ہم اس وقت 150 کی رفتار پر تھے جو میں چالان سے بچنے کے لئے مسلسل کم زیادہ کرتا آ رہا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ حد رفتار سے تجاوز کا اخلاقی جرم اس زمانے میں میں کیا کرتا تھا تاہم جلد ہی اللہ تعالی نے توبہ کی توفیق دی اور میں نے 120 کی رفتار سے تجاوز کرنا چھوڑ دیا۔ اچانک ایک گاڑی نے ہمیں اوورٹیک کیا۔ یہ یقیناً 180 کی رفتار پر ہو گی۔ اگر ہم کھڑے ہوتے تو اس رفتار سے گزرتی ہوئی گاڑی پر نظر جمانا بھی مشکل ہے لیکن اس وقت وہ ہمیں آہستہ آہستہ چلتی نظر آ رہی تھی۔ اس کائنات میں کوئی بھی چیز ہمیں مطلق صورت (Absolute) میں نظر نہیں آتی بلکہ اضافی (Relative) صورت میں نظر آتی ہے۔ چاند زمین کے گرد سینکڑوں میل

فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کرتا ہے لیکن ہمیں اس کی حرکت سست نظر آتی ہے کیونکہ ہماری زمین خود اتنی ہی رفتار کر رہی ہے۔ یہی حال اس دنیا کی زندگی کا ہے۔ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم تیزی سے اپنی موت کی طرف جا رہے ہیں جس کے بعد ہماری اصل منزل ہماری منتظر ہے۔

بھوت نما پہاڑ ہمارے بائیں جانب پیچھے رہ گئے تھے۔ اب سامنے تہہ در تہہ پہاڑوں کی قطاریں تھیں۔ سامنے المساۃ ایگزٹ تھا اور مدینہ 254 کلومیٹر باقی رہ گیا تھا۔ سنبھل جائے دل مضطر، مدینہ آنے والا ہے۔

صحرائے مدینہ

آگے بہت بڑا برساتی نالہ تھا جس پر ایک طویل پل بنا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر ہم وادی ستارہ میں داخل ہو گئے۔ عربی میں ستارہ، پردے (Curtain) کو کہتے ہیں۔ نجانے اس وادی کی وجہ تسمیہ کیا ہو گی۔ دور دور تک پھیلا ہوا صحرا نظر آ رہا تھا۔ مجھے مولانا الیاس قادری کی دعائے مدینہ یاد آئی جسے میں ہمیشہ پڑھا کرتا تھا۔

یارب محمد! میری تقدیر جگا دے

صحرائے مدینہ مجھے آنکھوں سے دکھا دے

اب صحرائے مدینہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ برسوں پہلے مانگی ہوئی دعا کی قبولیت کا وقت اب آیا تھا۔

پاکستان کے مقابلے میں پیٹرول سعودی عرب میں چھ گنا سستا تھا۔ پاکستان میں بھی اس وقت پیٹرول کی ایکس ریفائنری قیمت تقریباً 34 روپے لیٹر تھی۔ باقی رقم حکومت کے ٹیکس پر مشتمل تھی۔ انٹرنیشنل مارکیٹ میں تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے سعودی عرب کو بہت فائدہ ہوا تھا۔ حکومت نے اس فائدے کو عوام تک منتقل کرنے کے لئے پیٹرول، بجلی اور فون کی قیمتوں میں کمی کی تھی۔ کاش ہماری حکومتوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی ہی توفیق دے کہ وہ ملک کو پہنچنے والے ہر فائدے کو عوام تک منتقل کر سکیں۔

وادی ستارہ کے بعد ہم ایک اور وادی میں جا پہنچے جس کے پتھر ہلکے گرے رنگ کے تھے اور آنکھوں کو بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صناعی کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ یہ وادی الفارع تھی۔ یہاں سرخ رنگ کے کچھ ایسے پہاڑ تھے جن کے بے شمار چھوٹے چھوٹے کونے نکلے ہوئے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک بورڈ تھا جس پر بندر بنا ہوا تھا۔ اگرچہ موٹروے کو دونوں طرف باڑھ لگا کر محفوظ کر دیا جاتا ہے لیکن یہ باڑھ ظاہر ہے بندروں کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے ڈرائیوروں کو وارننگ دی گئی تھی کہ وہ بندروں سے محتاط رہیں جو اچانک سامنے آ سکتے تھے اور تیز رفتار گاڑی ان سے ٹکرا کر الٹ سکتی تھی۔ مجھے لاہور اسلام آباد موٹر وے کا ایک مقام یاد آیا جہاں ایسا ہی بورڈ تھا اور اس پر کچھوا بنا ہوا تھا۔

جدید تہذیب کی یہ خصوصیت مجھے بہت اچھی لگتی ہے کہ اس میں قرآن کے اصول کے مطابق انسانی جان کو بہت اہمیت دی جاتی

ہے۔ جدید انداز میں تعمیر کی گئی ہر موٹروے پر ایسی بہت سی وارننگز ملتی ہیں جو معمولی سے خطرے کی بھی نشاندہی کرتی ہیں۔ دنیا بھر میں انسانی جان کو اب بہت زیادہ اہمیت دی جانے لگی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے برصغیر میں ابھی یہ رجحان زور نہیں پکڑ سکا اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین، رسم و رواج اور روایات، انسانی جان پر فوقیت رکھتے ہیں۔ صرف اپنے ہاں کی سڑکوں کا ہی جائزہ لیں تو کتنے لوگ بے احتیاطی کی وجہ سے ان پر جان دے دیتے ہیں اور بحیثیت مجموعی معاشرے کو اس کا شعور ہی نہیں۔ ہمارے معاشرے میں انسانی جان کس قدر ارزاں حیثیت کی حامل ہے۔ کاش ہمارے لوگ قرآن کو پڑھیں جس میں انسانی جان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وادی الفارع کے بعد اگلی وادی، وادی ارن تھی۔ اس میں ہلکے سبز رنگ کے صحرائی پودے سرخ ریت کے پس منظر میں بہت بھلے لگ رہے تھے۔ یہاں ایک بہت بڑا زرعی فارم بھی تھا جس کے مالک نے اس راستے کی مناسبت سے اس کا نام "**مزرعة الهجرة**" رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد وادی شلالة **الهمة** آئی۔ یہ گرے رنگ کا ایک اونچا نیچا میدان تھا جہاں کچھ بدو سفید رنگ کی بھیڑوں کو چرا رہے تھے۔ آج بھی سعودی عرب کی بدو آبادی کا سب سے بڑا پیشہ گلہ بانی ہے۔

لفظ 'بدو'، بادیہ سے نکلا ہے جس کے معنی گاؤں کے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے پنجابی میں پنڈ سے پینڈو۔ ہمارے ہاں کے دیہاتی، پینڈو کہے جانے پر برا مان جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس بدو اپنی بدویت پر فخر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ہاتھ سے کام کرنے والے پیشوں کو جاگیردارانہ اثرات کے باعث حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن عرب لوگ اپنے آبائی پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور بڑے فخر سے نام کے ساتھ "خیاط (درزی)"، "حمال (قلی)" لگاتے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل اسلام اور انسانیت کے عین مطابق ہے۔ کوئی بھی ایسا پیشہ جس میں کوئی شرعی یا اخلاقی قباحت نہیں، یقیناً معزز ہے۔

وادی قدید سے لے کر یہاں تک کا پورا علاقہ دراصل ایک بہت بڑا آتش فشانی میدان (Volcanic Field) ہے۔ قدیم دور میں یہاں آتش فشاں پھٹتے رہے ہیں۔ میں جن سیاہ ٹھیکریوں کا ذکر کر رہا ہوں، یہ دراصل لاوے میں شامل پتھر ہیں جو لاوے کی حدت سے سیاہ رنگت اختیار کر گئے ہیں۔ اس میدان کو "حرات راحة" کا نام دیا گیا ہے۔ نجانے اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

ساسکو ریسٹ ایریا

اب ساسکو ریسٹ ایریا قریب آ گیا تھا۔ یہ کافی خوبصورت اور صاف ستھرا ریسٹ ایریا تھا۔ یہاں ایک بڑی سی خوبصورت مسجد، سپر مارکیٹ، پیٹرول پمپ، ٹائر شاپ، بچوں کے جھولے، ریسٹورنٹ موجود تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں ایک میوزک سنٹر بھی تھا۔ یہاں ہم نے رک کر تھوڑا سا آرام کیا اور کھانا کھایا۔ اس کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے۔ مدینہ یہاں سے 171 کلومیٹر دور تھا۔

طریق الہجرہ



لاوے کا میدان



تھوڑی دور جا کر ایک بڑا برساتی نالہ آیا جس میں پانی بھی موجود تھا۔ اس کے قریب سیاہ بکریوں کا ریوڑ چر رہا تھا۔ سامنے ایک کوئلہ نما پہاڑ تھا جو سیاہ رنگ کے پاؤڈر پر مشتمل تھا۔ جس کے دامن میں بڑی بڑی مشینری نصب تھی۔ نجانے اس پہاڑ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ایسا ہی ایک مقام میں نے ہنزہ کے راستے میں دیکھا تھا جہاں سیاہ چورا پہاڑ پر برف بھی موجود تھی۔ اب ہم "الکھل" کے علاقے میں پہنچ چکے تھے اور ہمارے سامنے ایک وسیع کمپلیکس بنا ہوا تھا جس میں ایک بڑی سی مسجد بھی تھی۔ یہ کمپلیکس نجانے کس نے اور کیوں تعمیر

کیا تھا۔ ابھی یہ غیر آباد تھا۔

اب ہم ایسے علاقے میں داخل ہوئے جہاں بکثرت برساتی نالے تھے جن پر پل بنے ہوئے تھے۔ سیاہ پہاڑوں میں ایک براؤن رنگ کی پہاڑی تھی اور حیرت انگیز طور پر یہاں کی ریت کا رنگ اورنج تھا۔ یہ وادی الفرع تھی۔ یہاں دو پہاڑ الگ کھڑے تھے اور ان کا کسی پہاڑی سلسلے سے تعلق نہ تھا۔ ان کی شکل آتش فشاں پہاڑوں سے تشابہ تھی۔ اس جگہ ٹرکوں والی لین بالکل نئی تعمیر کی گئی تھی کیونکہ ٹرکوں کے چلنے سے یہ لین جلدی خراب ہو جاتی ہے۔ میں نے اس نئی لین کا بھرپور فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ ہم اب الجھیزہ کے علاقے میں داخل ہو رہے تھے اور مدینہ 104 کلو میٹر دور رہ گیا تھا۔ سنبھل جائے دل مضطر، مدینہ آنے والا ہے۔

پودوں نے اب گہرا سبز رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ الیُتمہ کے علاقے سے گزرتے ہوئے ہم ثنیۃ الشامۃ میں داخل ہو گئے جو کہ ایک تنگ پہاڑی درہ تھا۔ عربی میں ثنیۃ پہاڑی ٹریک کو کہتے ہیں۔ ایسے ہی ایک ٹریک سے گزر کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تھے جس کا نام "ثنیۃ الوداع" تھا۔ یہاں پہاڑ عین ہمارے سر پر کھڑے تھے جن کو کاٹ کر روڈ بنائی گئی تھی۔ یہاں سلائیڈنگ کا خطرہ بھی تھا۔

غزوہ حمرا الاسد

درے سے گزرنے کے بعد ہماری دائیں جانب ایک وسیع میدان آیا جو کہ ریس کورس کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کے بعد کون نما سرخ پہاڑیاں تھیں جن کے دامن میں "اسماک الحمرا" کا ریسٹ ایریا تھا۔ یہاں کی مچھلی بھی مشہور ہے۔

یہ وہی مقام ہے جہاں "غزوۃ حمراء الاسد" ہوا تھا۔ احد کی جنگ کے بعد زخموں سے چور اسلامی فوج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تیاری کا حکم دیا۔ خدا کے یہ بندے، اس کے رسول کے حکم پر اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مشرکین کے لشکر کا تعاقب کیا اور حمراء الاسد کے مقام تک آئے۔ مشرکین کی فوج نے ان کا مقابلہ نہ کیا اور رفتار تیز کر کے نکل گئے۔ اس لشکر کشی نے بڑی حد تک کفار کی اس خود اعتمادی کو توڑ دیا جو احد کی جنگ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر پیدا ہوئی تھی۔ اسی طرح اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے مورال اور خود اعتمادی میں اضافہ ہوا۔

مدینہ اب صرف 17 کلو میٹر باقی رہ گیا تھا۔ اس مقام پر مولانا الیاس قادری صاحب کی نعت کا یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا۔

ٹھہر جائے روح مضطر، نکل جانا مدینے میں

خدارا اب نہ جلدی کر، مدینہ آنے والا ہے

مولانا اور ان کی جماعت، دعوت اسلامی کو مدینے سے شدید محبت ہے۔ ان کی شاعری کا 99 فیصد حصہ مدینے کی آرزو، اس کی تعریف اور اس سے جذباتی تعلق پر مشتمل ہے۔ اگر اردو اور پنجابی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو اس کا بڑا حصہ مدینے سے متعلق

ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مکہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا مدینہ کو ہے، لیکن اس کے بارے میں بہت ہی کم اشعار کہے گئے ہیں۔ مدینہ سے متعلق تمام تر شاعری کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا روضہ انور ہوتا ہے اور آپ کی سرگرمیوں کے اصل مرکز مسجد نبوی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے جسے آپ نے تعمیر فرمایا اور اسے ایک دینی حیثیت عطا فرمائی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زیارت کے سفر کی اجازت صرف تین مقامات کے لئے دی تھی: مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس کے علاوہ آپ نے کسی اور مقام کی طرف زیارت کے سفر سے منع فرمایا تھا۔ آپ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے آپ کی مسجد کا ہی قصد کیا جائے اور اسے ہی اپنی عقیدت کا مرکز بنایا جائے۔

حرم مدینہ

گلابی رنگ کی پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے حرم مدینہ کی حدود کے قریب جا پہنچے۔ یہ "جبل عیر" کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جبل عیر سے لے کر جبل ثور (یہ مدینہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام مکہ کے جبل ثور سے ملتا ہے) کو حرم قرار دیا۔ یہاں مکہ کی طرح چیک پوسٹ بنی ہوئی تھی اور للمسلمین فقط کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ غالباً انہی پہاڑوں میں ثنیۃ الوداع ہے جس کا ذکر مدینہ کی بچیوں کے اس نغمے میں ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری پر پڑھا تھا۔

طلع البدر علینا، من ثنیۃ الوداع

وجب الشکر علینا، ما دعا للہ داع

روڈ کے درمیان میں کھجور کے درخت ایک لائن سے لگے تھے۔ آگے ذی الحلیفہ کا میقات تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمرے اور حج کی ادائیگی کے لئے احرام باندھا تھا۔ اہل مدینہ کے لئے یہی میقات ہے۔ یہاں ایک بہت بڑی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد میں کثیر تعداد میں غسل خانے موجود ہیں تاکہ حج و عمرہ پر جانے والے افراد یہاں غسل کر کے احرام باندھ سکیں۔

مسجد نبوی

مسجد نبوی میں پارکنگ کا شاندار انتظام ہے۔ آپ ایک ریال فی گھنٹہ کے حساب سے جتنی دیر چاہے وہاں گاڑی کھڑی رکھیں۔ پارکنگ سے باہر نکلنے کے راستے بالکل قریب ہی واقع ہیں اور باہر نکلتے ہی مسجد بالکل سامنے ہوتی ہے۔ دراصل یہ پارکنگ مسجد کے صحن کے نیچے بنائی گئی ہے جو مسجد کا حصہ نہیں ہے۔ مسجد کے عین نیچے تہہ خانوں میں ائیر کنڈیشنگ پلانٹ وغیرہ نصب کیا گیا ہے۔

مسجد الحرام کے برعکس، مسجد نبوی عام مسجدوں کی طرح چوکور شکل کی ہے۔ اس کے چاروں طرف مسجد کے صحن ہیں جو سروس ایریا کا کام کرتے ہیں۔ رش کے دنوں میں یہاں صفیں بنا کر نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔ صحن کے باہر جنوبی اور شمالی سمت میں ہوٹلز،

ریسٹورنٹس اور مارکیٹیں ہیں۔ ہم پارکنگ کے گیٹ نمبر ایک سے نکل کر اوپر آئے تو سامنے ہی گنبد خضراء پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔







مسجدِ میقات



مدینہ

ہم اب مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ بہتر ہو گا کہ آگے بڑھنے سے قبل مدینہ کا نقشہ ذرا تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

مدینہ کا نقشہ

موجودہ مدینہ ایک گول شکل کا شہر ہے جس کا مرکز مسجد نبوی ہے۔ مسجد کے گرد ایک سڑک بنی ہوئی ہے جسے مدینہ کا پہلا رنگ روڈ کہا جاتا ہے۔ اس سے چھ سات کلومیٹر کے فاصلے پر دوسری رنگ روڈ ہے جو مدینہ شہر کا ایک چکر لگاتی ہے۔ اس سے مزید فاصلے پر تیسری رنگ روڈ ہے جو شاہ خالد سے موسوم ہے۔ اگر آپ کسی بھی رنگ روڈ پر سفر کریں اور کسی جانب نہ مڑیں تو آپ گھوم کر اسی مقام پر آ جائیں گے جہاں سے چلے تھے۔

تیسری رنگ روڈ حرم مدینہ کی باؤنڈری لائن ہے۔ اسی روڈ سے مشرقی سمت ریاض، شمالی سمت تبوک، مغربی سمت بدر اور جنوبی جانب مکہ اور جدہ جانے والی ہائی ویز نکلتی ہیں۔ دوسرا رنگ روڈ موجودہ مدینہ کی آبادی کی باؤنڈری لائن ہے اور پہلا رنگ روڈ مسجد نبوی کی۔ مسجد نبوی سے مختلف سمتوں میں سڑکیں دوسرے اور تیسرے رنگ روڈ تک جاتی ہیں۔ ان کے نام مختلف صحابہ کرام جیسے سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کے نام پر رکھے گئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے دور کا مدینہ، موجودہ شہر کے سیکنڈ رنگ روڈ کے دائرے میں آباد تھا۔ اس دور میں مختلف خاندانوں کی الگ الگ بستیاں تھیں جو اس پورے علاقے میں ایک دوسرے سے وقفے وقفے سے پھیلی ہوئی تھیں۔ موجودہ ٹاؤن پلاننگ میں یہ پورا علاقہ شہر کے اندر آ گیا ہے۔ اپنے تقدس سے ہٹ کر بھی یہ شہر عمدہ ٹاؤن پلاننگ اور فطرت کے حسن کا شاہکار ہے۔

میقات ذوالحلیفہ کے قریب ہی سیکنڈ رنگ روڈ، طریق الہجرہ کو کراس کرتا ہے۔ یہاں سیاہ رنگ کے قلعے کا ایک ماڈل موجود ہے۔ ہم نے یہاں سے بائیں جانب گاڑی موڑی۔ تھوڑی دور جا کر عمر بن خطاب روڈ کا ایگزٹ تھا۔ یہاں سے دائیں مڑ کر ہم تھوڑی دور چلے تو فرسٹ رنگ روڈ کا سگنل تھا جس کے دوسری طرف مسجد نبوی اپنی بہاریں دکھا رہی تھی۔ یہ مسجد کی جنوب مغربی سمت تھی اور گنبد خضرا یہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ یہاں سے اگر سیدھے چلے جائیں تو دو راستے ہو جاتے ہیں، ایک مسجد کے ارد گرد کی گلیوں میں جاتا ہے اور دوسرا مسجد کی بیسمنٹ میں۔

ریاض الجنۃ کے بائیں جانب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا روضہ ہے۔ یہ دراصل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ کو یہیں دفن کیا گیا۔ دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے کمرے بھی یہیں تھے ۔ انہی کا ذکر سورۃ الحجرات میں ہوا ہے۔ سیدہ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کا گھر بھی ساتھ ہی واقع تھا۔



مدینہ منورہ کا فضائی منظر



قدیم مدینہ منورہ کا تصور ایک آرٹسٹ کی نظر میں (بشکریہ نوشاد آرٹ)

اس پورے ایریا کے گرد سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں جالیاں لگا کر اسے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ تین اطراف میں یہ جالیاں سبز

ہیں اور جنوبی سمت میں ان کا رنگ سنہری ہے۔ سنہری جالیوں میں ہی مواجہہ شریف ہے۔ یہ ان جالیوں میں تین سوراخ ہیں جن میں سے بڑے کے عین سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر انور ہے۔ چھوٹے دونوں سوراخوں کے سامنے سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں موجود ہیں۔ یہیں کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے قریبی ساتھیوں کے لئے سلام پیش کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حجرات کے بالکل پیچھے اصحاب صفہ کا چبوترہ ہے۔ یہ اب بھی ایک چبوترے کی شکل میں ہے جس پر لوگ عبادت کرتے ہیں۔ ریاض الجنۃ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منبر و مصلیٰ نمایاں ہیں۔ آپ کے مصلیٰ کی جگہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے 91ھ میں محراب تعمیر کروائی۔ موجودہ محراب سے ذرا سا دائیں جانب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مصلیٰ ہے۔

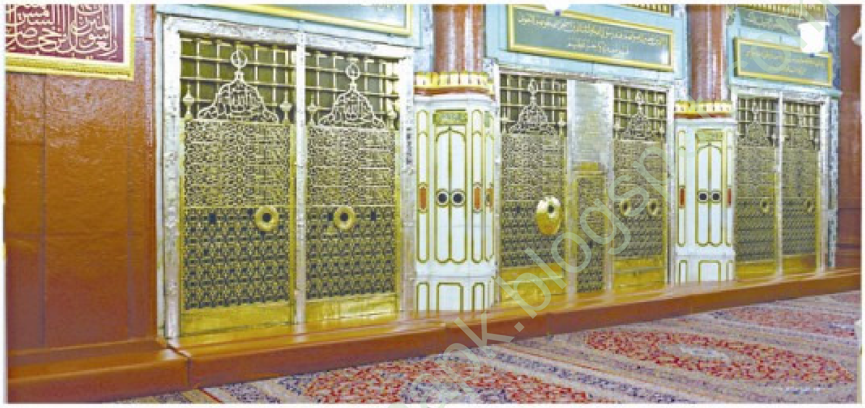
آپ کے منبر کی جگہ اب نو سیڑھیوں والا منبر ہے۔ آپ کا اصل منبر تین سیڑھیوں کا تھا اور آپ دوران خطبہ اس کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دوسری اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تیسری سیڑھی پر بیٹھنا شروع کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی کے نیچے مزید سیڑھیاں بنوا کر اصل منبر کو اونچا کر دیا اور بعد کے بادشاہ نچلی سیڑھیوں پر بیٹھتے رہے۔ 654ھ بمطابق 1256ء میں مسجد نبوی میں آگ لگ گئی اور منبر جل گیا۔ اس موقع پر یمن کے بادشاہ مظفر نے منبر بھجوایا۔ اس کے بعد منبر کئی مرتبہ تبدیل ہوا۔ آخری منبر سلطان مراد ثالث عثمانی نے 998ھ میں بھیجا جو اب بھی موجود ہے۔ (تاریخ مدینہ، مطبوعہ دارالسلام)

ہمارے مسلمان بھائی اپنی قبضہ گروپ والی عادت سے مجبور ہونے کے باعث ریاض الجنۃ میں بھی قبضہ کر کے بیٹھتے ہیں اور دوسرے بھائیوں کو یہاں نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے اور دھکم پیل جاری رہتی ہے۔ یہی ذہنیت حجر اسود کے بوسے میں کار فرما ہوتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر ہم یہاں تھوڑی سی عبادت کر کے اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ خواتین کے لئے ریاض الجنۃ مختلف اوقات میں کھولا جاتا ہے۔ اس دوران مردوں کو وہاں سے نکال کر اس کے تین اطراف میں ریگزین کی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور انہی دیواروں کی مدد سے خواتین کی جانب سے ایک راستہ بنا دیا جاتا ہے۔

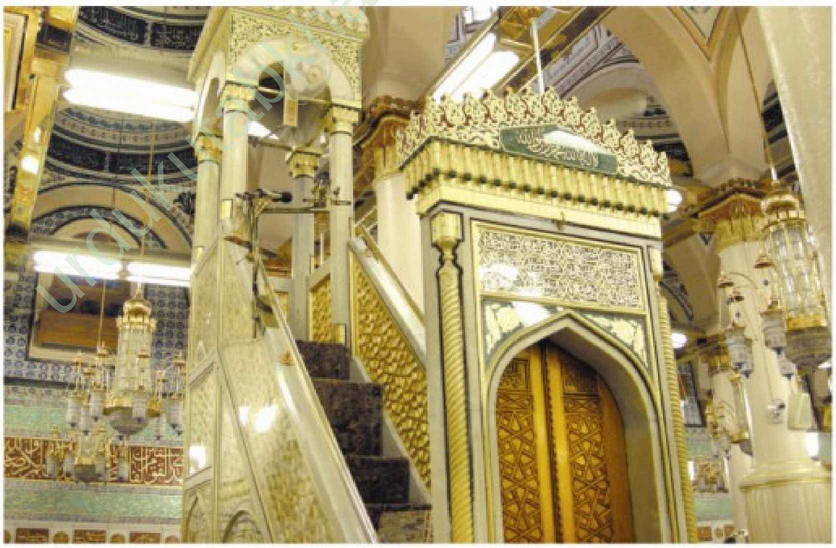
قبلہ مسجد کی جنوبی سمت میں ہے۔ اس جانب مسجد تھوڑی سی آگے نکلی ہوئی ہے۔ یہ سلطنت عثمانیہ کے زمانے کی مسجد ہے۔ سعودی دور میں دو مرتبہ اس کی توسیع کی گئی ہے جو عثمانی دور کی مسجد سے شمال، مشرق اور مغرب کی جانب ہے۔ اس آگے نکلی ہوئی جنوبی دیوار میں امام صاحب کا مصلیٰ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مقرر کی ہوئی مسجد اس کے اندر ہے۔ اسی کو آپ نے جنت کا حصہ قرار دیا ہے۔ یہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کارپٹ سبز رنگ کے ہیں جبکہ پوری مسجد کے کارپٹ سرخ رنگ کے ہیں۔



ریاض الجنۃ



مواجہہ شریف



منبرِ رسول ﷺ



مسجد نبوی کی قدیم ترکی دور کی تعمیرات



قدیم تعمیر کے ان گنبدوں میں پورا قرآن لکھا ہوا ہے،
جسے ایک خطاط نے تین سالوں میں لکھا



اصحابِ صفہ کا چبوترہ

مسجد نبوی کی تعمیر حضور صلی اللہ علیہ و الہ و سلم نے مدینہ آمد کے فوراً بعد کی جس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ٹیم کی

صورت میں کام کیا۔ مسجد کی پہلی توسیع آپ نے تقریباً سات سال بعد خیبر سے واپسی پر کی۔ مسجد کے ستون کھجور کے درختوں کے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان تنوں کو تبدیل کروا دیا کیونکہ یہ کھوکھلے ہو گئے تھے۔ سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ادوار میں مسجد کی مزید توسیع کی گئی۔ سیدنا عثمان نے قبلہ کی جانب بھی مسجد میں توسیع کی جو آج تک موجود ہے۔ اس کے بعد ہمیشہ شمال، مشرق اور مغرب کی جانب مسجد میں توسیع کی گئی۔

> ولید بن عبد الملک کے دور میں سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو مدینہ کے گورنر تھے، نے 88ھ میں مسجد کی توسیع و تعمیر کی۔ اس کے بعد مہدی عباسی کے دور میں 161-165ھ میں مزید توسیع کی گئی۔ مصر کے سلطان اشرف قائتبائی نے 888ھ میں مسجد کی مزید توسیع کی۔ ترکی کے سلطان عبد المجید کے دور میں 1265ھ بمطابق 1849ء میں مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ سعودی دور میں مسجد کی دو مرتبہ تعمیر و توسیع کی گئی۔ پہلی توسیع 1371-1375ھ بمطابق 1951-1955ء اور دوسری 1405-1414ھ بمطابق 1984-1994ء میں کی گئی۔ ان دو توسیعات کے نتیجے میں مسجد نبوی جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہو گئی ہے۔ مسجد کے ہر ستون میں سے ایئر کنڈیشنر کا پوائنٹ دیا گیا ہے جس سے ہر وقت تازہ ٹھنڈی ہوا نکلتی رہتی ہے۔ پہلی سعودی توسیع کے بعد مسجد میں 28000 نمازیوں کی گنجائش تھی جو دوسری تعمیر کے نتیجے میں 268000 ہو گئی اور اگر صحنوں کی گنجائش کو ملا لیا جائے تو کل 430000 نمازی اب یہاں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ (تاریخ مدینہ، ص 66-81، مطبوعہ دار السلام)



موجودہ مسجد نبوی کے بہت سے دروازے ہیں۔ شمالی یعنی قبلہ کی مخالف سمت میں تین بڑے دروازے ہیں جن میں سے درمیان والا باب فہد کہلاتا ہے۔ یہ مردوں کے لئے مخصوص ہے اور دوسرے دو دروازے خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔ مسجد کے شمالی حصے میں دائیں اور بائیں خواتین کے لئے مخصوص جگہ ہے جس کے گرد قابل حرکت دیواریں لگا کر پردہ کیا گیا ہے۔ مسجد کی مشرقی اور مغربی دیواروں میں بھی خواتین کے لئے مخصوص دروازے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی دیوار میں باب عبد العزیز اور مغربی دیوار میں باب سعود مردوں کے لئے مخصوص ہے۔ عثمانی دور کی مسجد میں مغربی دیوار میں باب سلام اور باب صدیق ہیں جبکہ مشرقی دیوار میں باب بقیع، باب جبریل اور باب نساہیں۔ ان میں سے باب بقیع عین مواجہہ شریف کے ساتھ واقع ہے۔ باب جبریل اور باب نسا سے داخل ہو کر بھی سیدھا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ انور کے بالکل قریب پہنچا جا سکتا ہے۔

مسجد کے اندر دو دروازے باب عمر اور باب عثمان ہیں۔ دراصل یہ پہلی سعودی تعمیر کے دروازے تھے جو اب مسجد کے اندر آ گئے ہیں۔ ان دونوں دروازوں کے ساتھ تین منزلہ لائبریری قائم کی گئی ہے۔ مسجد کے درمیان میں کھلی چھت چھوڑ دی گئی ہے جس پر چھتریاں لگی ہوئی ہیں۔ دھوپ اور گرمی میں ان چھتریوں کو کھول دیا جاتا ہے جبکہ رات اور سردی کے دنوں میں انہیں بند کر دیا جاتا ہے۔

مسجد نبوی دنیا بھر کے بہترین پروفیشنلز کی محنت کا شاہکار ہے۔ بے شمار انجینئرز، آرکیٹکٹس، بڑھئی، معمار، مزدور، ماربل کا کام کرنے والے، الیکٹریشن اور نہ جانے کن کن شعبوں کے ماہرین نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا ہو گا جس کے نتیجے میں یہ شاہکار سامنے آیا۔ مسجد کا پرانا حصہ عثمانی بادشاہوں کا تعمیر کردہ ہے۔ انہوں نے اپنے دور میں مسجد کی تعمیر کے لئے دنیا بھر کے بہترین ماہرین کو اکٹھا کیا اور انہیں مدینہ میں آباد کیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ اپنا فن اپنی اولاد میں منتقل کر دیں۔ جب یہ ماہرین کی یہ نئی نسل جوان ہوئی تو اس سے مسجد نبوی کی تعمیر کروائی گئی۔ دو سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ تعمیر ابھی نئی لگتی ہے۔ سعودی توسیع کے دوران اس حصے کو اپنی اصل حالت ہی میں رکھا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ مسجد نبوی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے کے پورے مدینہ شہر پر مشتمل ہے۔ میں نے اٹلس سیرت نبوی میں شائع شدہ عہد رسالت کے مدینہ کا نقشہ دیکھا۔ پھر مسجد نبوی کی لائبریری میں مدینہ کا ماڈل دیکھا۔ ان کے مطابق مدینہ شہر کی تفصیل سے سیاحت کی۔ ان کی روشنی میں میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔

موجودہ مسجد نبوی زیادہ سے زیادہ محلہ بنی نجار اور ایک آدھ اور محلے پر مشتمل ہے۔ عہد رسالت کا مدینہ، تقریباً آج کے مدینہ کے سیکنڈ رنگ روڈ کی حدود تک پھیلا ہوا تھا۔ بنی معاویہ، بنی عبد الاشھل اور بنی حارثہ کے محلے مسجد نبوی اور جبل احد کے درمیان واقع تھے۔ بنی نجار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ننھیالی رشتے دار تھے، عین مسجد نبوی کی جگہ اور جنت البقیع کے آس پاس آباد تھے۔ بنی ظفر موجودہ مدینہ کے فرسٹ رنگ روڈ کے باہر جنوب مشرقی سمت میں آباد تھے۔ بنی قریظہ جنوب مشرق ہی میں سیکنڈ رنگ روڈ کے

آس پاس آباد تھے۔ ان سے تھوڑا ہٹ کر بنی قینقاع اور بنی نضیر کے محلے اور قلعے تھے۔ قبا مسجد نبوی سے محض سات آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ ایسا ضرور تھا کہ اس وقت کے مدینہ کے محلے ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر آباد تھے اور ان میں آبادی نہ تھی جیسا کہ ہمارے ہاں کے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں ہوتا ہے۔

مسجد کے شمالی جانب بڑے بڑے ہوٹل ہیں جو بہت مہنگے ہیں۔ ان کا یومیہ کرایہ پیک سیزن میں 500 ریال اور آف سیزن میں 200 ریال ہوتا ہے۔ اسی طرف فرسٹ رنگ روڈ کے باہر ایک محلہ ہے، جو بنگالی محلہ کہلاتا ہے۔ یہاں سستے کمرے مل جاتے ہیں لیکن ان میں صفائی کا مناسب انتظام نہیں ہوتا۔ اسی محلے میں بہت سے پاکستانی ہوٹل واقع ہیں جہاں چٹخارے دار کھانے مل جاتے ہیں۔ پاکستان ہاؤس کی دو عمارتیں بھی یہیں واقع ہے۔ مسجد کے مغربی اور جنوبی جانب مارکیٹیں ہیں جہاں بہت سی اشیا برائے فروخت ہوتی ہیں۔ یہ کافی سستی مل جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر انور

میں نے اپنی فیملی کو خواتین کی سائیڈ پر روانہ کر دیا۔ اس کے بعد میں باب بقیع سے مسجد میں داخل ہوا۔ میرے دائیں جانب مواجہ شریف کی سنہری جالیاں تھیں۔ ان کے سامنے بہت سے لوگ کھڑے درود و سلام پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب جو یقیناً مطوع تھے، جالیوں کے ساتھ کھڑے لوگوں کو کنٹرول کر رہے تھے۔ میں بھی انہی لوگوں میں آ کھڑا ہوا اور سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کرنے کا موقع ملا۔ میں خاصی دیر وہیں کھڑا درود و سلام کے نذرانے پیش کرتا رہا۔

درود دراصل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے اللہ کی رحمت کی دعا ہے۔ آپ یقیناً ہماری دعا کے محتاج نہیں لیکن ایک فقیر، سخی کو دعا کے علاوہ کیا دے سکتا ہے۔ مجھ اپنی ذات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احسانات یاد آنے لگے۔ اس دنیا میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت خدا کی پہچان ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات نہ ہوتی تو ہم کس طرح اپنا تعلق اپنے اللہ سے قائم کر پاتے۔ دور قدیم سے پائے جانے والے الہامی مذاہب کو تو خود انہی کے علماء نے بگاڑ دیا تھا۔ حضور کی بدولت ہمیں قرآن نصیب ہوا جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکی۔

مجھے یقین ہے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے انوار کی بارش ہو رہی ہو گی۔ اس میں میرا وجود عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ سمندر میں ناپاک قطرہ گرنے سے سمندر کو کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ سمندر اس قطرے کو خود میں فنا کر کے پاک کر دیتا ہے۔ یہ صوفیا کے وحدت الوجود کے فلسفے کی طرح انسان کی ذات کے خدا کی ذات میں جا ملنے والی بات نہیں تھی۔ انسان کے گناہوں کو حرم کی حاضری دھو کر پاک کر دیتی ہے اور اس کے وجود کا اس طرح سے تزکیہ ہو جاتا ہے کہ وہ آئندہ گناہوں سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔

ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں ممتاز ترین حیثیت کے حامل ہیں۔ حضور کی وفات کے موقع پر سب لوگوں نے بالاتفاق سیدنا ابو بکر کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ آپ کی پوری زندگی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ گزری تھی۔ بچپن کی دوستی، جوانی کا ساتھ، ادھیڑ عمری میں سب سے آگے بڑھ کر قبول اسلام، ساری عمر کی کمائی ہوئی دولت کو حضور کے مشن پر خرچ کر دینا، ہجرت کے سفر میں ہمراہی، غزوات میں شرکت ان سب پر اگر غور کیا جائے تو آپ کی ساری عمر ہی سراپا محبت نظر آتی ہے۔ سوا دو سال کے دور خلافت کی مختصر مدت میں آپ نے مرتدین اور مانعین زکوۃ کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی فتح کی بنیاد بھی رکھ دی جو کہ آپ کی زندگی کا نہایت ہی حیران کن باب ہے۔ آپ کی فراہم کی گئی مضبوط بنیادوں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کی سلطنت کا مکمل خاتمہ کر دیا اور قیصر کو ایشیا اور افریقہ سے نکال باہر کیا۔

میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پہلو میں یہ دونوں ہستیاں آرام فرما تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کیا شان تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں اسلام لائے اور پھر زندگی دین کے لئے وقف کر دی۔ آپ کا دور حکومت مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے تابناک باب ہے۔ دینی و دنیاوی اعتبار سے مسلمان آپ کے دور میں جس عروج پر پہنچے وہ پھر کبھی نصیب نہیں ہوا۔

سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں کی گئی فوجی کاروائی دراصل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مشن کی تکمیل تھی۔ تاریخ میں ایسی ہی ایک کاروائی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلفاء یوشع اور کالب علیہما السلام نے کی تھی۔ امت مسلمہ میں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وہی حیثیت ہے جو سیدنا یوشع و کالب علیہما السلام کی بنی اسرائیل میں تھی۔ فرق یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات منصب نبوت پر فائز ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ورنہ آپ کے فرمان کے مطابق ابو بکر و عمر بھی نبی ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں شرک کو عالمگیر حیثیت حاصل تھی۔ عرب شرک کا گڑھ تھا۔ دنیا کی ایک سپر پاور ایران کی حکومت بزور قوت لوگوں کو توحید سے برگشتہ کر کے آگ اور دیوتاؤں کی عبادت پر مجبور کرتی تھی۔ دنیا کی دوسری سپر پاور روم اگرچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہونے کے باعث توحید کی علمبردار تھی لیکن انہوں نے اپنے دین میں شرک کو داخل کر لیا تھا۔ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اس کاروائی کے نتیجے میں دنیا کے بڑے حصے سے مذہبی جبر کا خاتمہ ہوا۔ شرک کی آفیشل حیثیت ایسی ختم ہوئی کہ اس کے بعد سے شرک کبھی سر نہ اٹھا سکا۔ آج بھی اگرچہ دنیا بھر کے مذاہب میں شرکیہ عقائد و اعمال موجود ہیں لیکن کوئی سینہ ٹھونک کر شرک کا علمبردار بن کر کھڑا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے سکالرز بھی خود کو اہل توحید قرار دیتے ہیں۔ شرک میں بہت سی قومیں اگرچہ مبتلا ہیں لیکن اسے کوئی اپنا دین ماننے کے لئے تیار نہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس فوجی کاروائی کے نتیجے میں وہ پورا علاقہ حکومت اسلامیہ کے زیر نگیں آ گیا جسے بائبل میں اولاد ابراہیم کی میراث کہا گیا ہے۔ سیدنا یوشع اور کالب علیہما

السلام کے دور میں بھی فوجی کاروائی اسی علاقے میں کی گئی تھی۔ (دیکھیے بائبل کتاب یشوع)

مسجد نبوی کی لائبریری اور میوزیم

اب میں عثمانی دور کی مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ وسیع و عریض مسجد میں سونے کا انٹرنیشنل مقابلہ ہو رہا تھا۔ ہر قوم سے تعلق رکھنے والے افراد دنیا و مافیہا سے بے خبر سوئے پڑے تھے۔ مسجد کے اندر باب عمر اور باب عثمان کے پاس ایک سہ منزلہ لائبریری ہے۔ میں اس لائبریری میں جا گھسا۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس میں قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، اصول، عربی زبان و ادب، صرف و نحو، سیاسیات، نفسیات، معاشیات اور بہت سے موضوعات پر کثیر تعداد میں عربی کتب موجود ہیں۔

اس لائبریری کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا مخطوطات کا سیکشن ہے جو باب عثمان کے سیکنڈ فلور پر واقع ہے۔ یہاں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذاتی نسخے کی نقل بھی موجود تھی۔ اصل نسخہ استنبول کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ مشہور روایت کے مطابق یہ وہی نسخہ ہے جس کی تلاوت کرتے ہوئے آپ شہید ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ہر دور میں ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن وہاں موجود تھے۔

دنیا بھر کی اقوام نے اپنی آرٹسٹک صلاحیتوں کا اظہار مجسمہ سازی کے فن سے کیا۔ مسلمانوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں فن کتابت کے لئے وقف کر دیں چنانچہ ہمارے ہاں خطاطی کے ایسے ایسے نادر نمونے موجود ہیں جن کی مثال دنیا کی کسی قوم کے ہاں نہیں ملتی۔ یہاں آٹھ سو سال پہلے کا ایک قرآن موجود تھا جس پر بہت سے رنگوں سے کام کیا گیا تھا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جو رزلٹ ہم آج جدید ترین کلر ڈیلیزر پرنٹر کی مدد سے حاصل کرتے ہیں، وہ اس دور میں ہاتھ کے کام میں موجود تھا۔ قارئین کے ذوق کی تسکین کے لئے میں یہاں مخطوطات اور نوادرات کی تفصیل درج کر رہا ہوں۔

- بارہویں صدی کا قرآن مجید، خط نسخ متقن۔ اس میں آیت کے نشان کے دائرے کو سنہرے رنگ میں لکھا گیا ہے۔
- 1038ھ کا لکھا ہوا قرآن مجید۔ سنہرے اور نیلے حاشیوں کے ساتھ۔
- 1296ھ میں مولوی محمد یوسف دہلوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید۔ اس میں سنہرے، نیلے اور سبز رنگ کا استعمال کیا گیا ہے۔
- بارہویں صدی ہجری کا قرآن مجید۔
- میانوالی کے احمد یار خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید۔
- گولائی میں لکھا ہوا قرآن مجید۔ اس کے کاتب کی تاریخ وفات 1245ھ تھی۔ ہر صفحے پر ایک دائرہ بنا ہوا تھا جس کے اندر قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ یہ بھی قرآن مجید کا کامل نسخہ تھا۔

- لکڑی کے کور والے قرآن مجید۔ ان کا تعلق فلسطین سے تھا۔
- قاضی عیاض کی شفا۔ یہ نسخہ 1285ھ کا لکھا ہوا تھا۔
- 804ھ / 1401ء کی شرح الجامع۔ یہ عمر بن علی بن الملقن انصاری کی تصنیف ہے۔
- 1258ھ میں لکھا گیا بخاری کا نسخہ
- مسلم کا قدیم نسخہ
- 1343ھ میں سونے کے پانی سے لکھا گیا قرآن مجید۔
- 1880ء میں کھینچی گئی کعبہ اور مسجد نبوی کی نادر تصاویر۔ اس وقت کیمرا نیا نیا ایجاد ہوا ہو گا۔ فوٹو گرافر کا نام صادق بیگ لکھا تھا۔ غالباً یہ ترک ہوں گے۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے ان تصاویر کو ڈیویلپ کیا ہے۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ تصاویر تھیں۔ ان میں مسجد الحرام کی عمارت ایک منزلہ تھی۔ مقام ابراہیم کے پاس امام صاحب کے منبر کے لئے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا تھا۔ یہ اسی قسم کا تھا جیسا کہ مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں اب بھی موجود ہے۔ بعد کی کسی توسیع میں اس چبوترے کو ختم کر دیا گیا۔ مسجد نبوی کی تصاویر میں گنبد خضرا نمایاں تھا اور چار مینار نظر آ رہے تھے۔ یہ مینار اب بھی موجود ہیں۔ یہاں جنت البقیع کی تصاویر بھی تھیں جن میں بہت سے مزارات نظر آ رہے تھے۔ غالباً 1905ء میں ان مزارات کو گرا کر تمام قبروں کے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے مطابق ایک ہاتھ کے برابر کر دیا گیا۔
- مصر، ایران اور الجزائر کے قدیم کاتبوں کے قلم دوات
- مدینہ شہر کا ایک 3D ماڈل بھی موجود تھا جو سعودی آرمی نے 1998ء میں بنایا تھا۔ اس میں تمام پہاڑ، مدینہ کے محلے اور مسجد نبوی نمایاں تھے۔

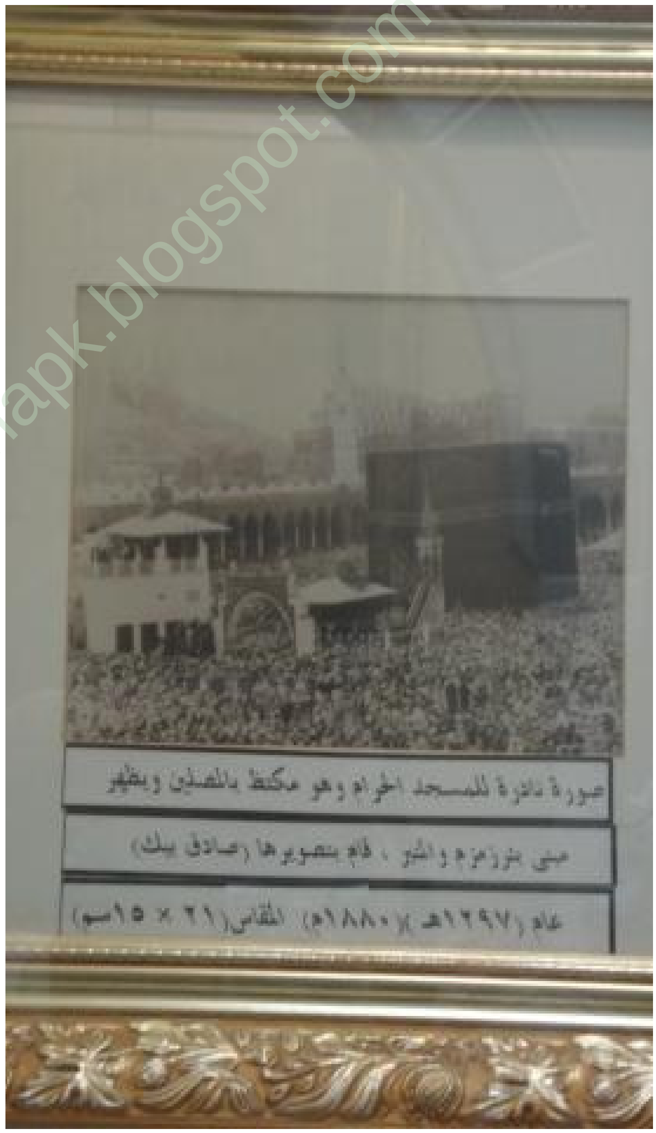
ریاض الجنۃ

لائبریری سے نکل کر میں ریاض الجنۃ کی طرف آیا۔ یہاں ریگزین کی دیوار لگی ہوئی تھی اور اس کے اندر خواتین نوافل اور اس سے زیادہ دھکم پیل میں مصروف تھیں۔ ان کی چیخ و پکار باہر بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں قریب ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں خواتین کا وقت ختم ہوا۔ انہیں واپس ان کی جگہ بھیجا گیا اور مردوں کے لئے ریاض الجنۃ کھول دیا گیا۔ میں بھی وہاں داخل ہوا اور دو نفل ادا کئے۔ یہاں سجدہ کرتے ہوئے میرے دل میں یہ دعا تھی:

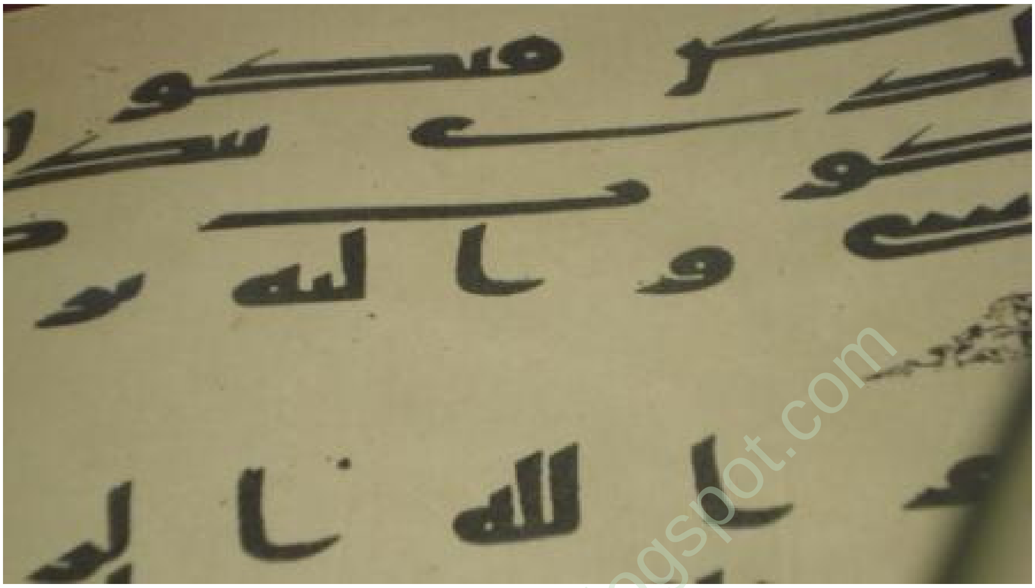
مل گئے مصطفیٰ اور کیا چاہیئے
فضل رب العلاء اور کیا چاہیئے
ہے یہ میری جبیں اور ریاض الجنۃ کی زمیں
اب قضا کے سوا اور کیا چاہیئے

خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی قدیم تصاویر 1881





عہد عثمانی کا قرآن



اسی اثنا میں عصر کی اذان ہوئی۔ میں جماعت کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہا۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر گردش کرنے لگا جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے ہوں گے اور صحابہ کرام جوق در جوق مسجد کی طرف آتے ہوں گے۔ کچھ ہی دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حجرے کا دروازہ کھلتا ہو گا اور آپ اس میں سے باہر تشریف لاتے ہوں گے اور جماعت ہوتی ہو گی۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قرآن کی آیات تلاوت کر کے سناتے ہوں گے۔ تعلیم و تعلم کا سلسلہ چلتا ہو گا۔

جو ہم بھی ہوتے واں خاک گلشن، لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن

چند منٹ بعد جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز کی سعادت حاصل کرنے کے بعد میں وہاں سے نکل آیا تاکہ دوسرے بھائیوں کو بھی موقع مل سکے۔ عصر کی نماز کے بعد جنت البقیع کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ میں بھی جنت البقیع کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جا رہی ہے۔

اصحاب صفہ کا چبوترہ

واپسی پر مجھے ریاض الجنۃ کے قریب ہی اصحاب صفہ کے چبوترے کے پاس جگہ ملی۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر آ گیا جب مدینہ ہجرت کرنے والے بے سر و سامان اکیلے مرد یہاں رہا کرتے تھے۔ اہل مدینہ کی برادری ان کی ضروریات کا خیال رکھتی اور چند ہی دن میں یہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے۔ یہاں رہ کر یہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قرآن سیکھتے اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک تھے جن کی بدولت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کی تفصیلات کا

ایک بڑا حصہ میسر آیا۔

کھجوروں کے پیکٹ اور کرکٹ

ہم مغرب کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ بہت سے لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا اس لئے مسجد میں افطاری کے لئے کھجوروں اور پانی کا انتظام تھا۔ اچانک ایک صاحب کے موبائل کی بیل بجی۔ انہوں نے ٹون میں کوئی انڈین گانا لگا رکھا تھا۔ سب نے انہیں گھور کر دیکھا۔ وہ خاصے شرمندہ ہوئے۔ انسان کو ایسا کام ہی نہیں کرنا چاہئے جس سے وہ شرمندہ ہو۔

اچانک کہیں سے ایک سفید ریش نورانی صورت والے بزرگ نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک زنبیل سی تھی۔ سب لوگ انہیں اور ان کی زنبیل کو دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے اس میں ہاتھ ڈالا اور کھجور کا ایک پیکٹ نکال کر ایک صاحب کو دیا، پھر دوسرے کو اور اس کے بعد سلسلہ چل نکلا۔ زنبیل سے پیکٹ نکلتے آ رہے تھے اور وہ لوگوں میں بانٹتے جا رہے تھے۔ پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے حضرات ہاتھ اٹھا کر ان سے فرمائش کرتے تو وہ فوراً پیکٹ اچھال دیتے جسے فرمائش کرنے والے حضرات آسانی سے کیچ کر لیتے۔ ان کی تھرو اتنی شاندار تھی کہ لوگوں کے سروں اور کانوں کے درمیان سے پیکٹ نکل جاتا اور کسی سے نہ ٹکراتا۔ اپنی جوانی میں انہوں نے نجانے کتنے کھلاڑیوں کو رن آؤٹ کیا ہو گا۔ سب حاضرین اس صورتحال کو انجوائے کرنے لگے۔ میں ان کی اس صلاحیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اگر میرا بس چلتا تو انہیں پاکستان کی کرکٹ ٹیم کا فیلڈنگ کوچ مقرر کروا دیتا جس کی ہماری ٹیم کو ان دنوں بڑی ضرورت تھی۔ میں نے بھی ایک پیکٹ حاصل کیا۔ اس میں بادام والی کھجوریں تھیں اور بہت مزیدار تھیں۔

انہی کھجوروں کے باعث ساتھ بیٹھے ہوئے حضرات سے بات چیت بھی ہوئی۔ میرے دائیں طرف ایک ایرانی زائر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پاکستان کی سیاحت نہیں کی تھی لیکن بھارت کی سیاحت کر چکے تھے۔ انہوں نے مجھے تہران آنے کی بھرپور دعوت دی اور میں نے انہیں پاکستان آنے کی۔ بائیں طرف ایک پاکستانی بزرگ تھے۔ انہوں نے پنجابی میں مجھ سے پوچھا، "تسی پاکستان اچ کتھے دے او؟" میں نے جواب دیا، "جہلم"۔ یہ سن کر بڑے خوش ہوئے۔ فرمانے لگے، "جہلم اچ کیہڑے محلے دے؟" میں نے جواب دیا، "مشین محلہ نمبر 3۔" بولے، "مشین محلے اچ کیہڑی گلی؟" میں نے اس گلی کا نام بتایا جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔ اب ان کی باری تھی۔ میں نے ان سے یہی سوال کئے تو معلوم ہوا کہ ان کا گھر اس سے اگلی گلی ہی میں تھا۔

ایک دوسرے ملک میں جب اپنے آبائی علاقے کا کوئی شخص مل جائے تو اس کی کتنی خوشی ہوتی ہے، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس تجربے سے گزرے ہوں۔ ہم لوگ اگرچہ جہلم کو 1997 میں چھوڑ کر پہلے لاہور اور پھر کراچی میں آباد ہو گئے تھے لیکن بچپن کے محلے کی گلیاں ساری عمر نہیں بھولتیں۔ ان سے محلے کے لوگوں کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ اسی اثنا میں اذان ہوئی۔ ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ وہ صاحب اپنی فیملی کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے تھے۔ میں نے انہیں جدہ میں اپنے گھر آنے کی بھرپور دعوت دی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اب میں اس سفرنامے کے لئے مسجد کے طول و عرض کی پیمائش کرنے لگا تاکہ قارئین

کو مسجد کی تفصیلات سے آگاہ کیا جا سکے۔

عرب بزرگ کا درس

مسجد کے درمیانی حصے میں ایک عرب بزرگ کرسی پر بیٹھے تھے اور کچھ درس دے رہے تھے۔ طلباء زمین پر بیٹھے نوٹس لے رہے تھے۔ بہت سے پاکستانی بھی ان کے حلقہ درس میں بیٹھے بڑی عقیدت سے سر دھن رہے تھے اگرچہ انہیں اس کی کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر امام مالک علیہ الرحمۃ کا حلقہ درس یاد آ گیا جب وہ حدیث پڑھاتے ہوں گے تو دور دور سے آئے ہوئے طالب علم کس طرح ان کا درس سنتے ہوں گے۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ بزرگ درس ختم کر رہے تھے۔ میں نے ایک طالب علم سے اس کے نوٹس والی کاپی لے کر دیکھا تو میری ہنسی نکل گئی کیونکہ وہ بزرگ Data Collection & Analysis کا مضمون پڑھا رہے تھے جسے لوگ بڑی عقیدت سے سن رہے تھے۔ غالباً یہ مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسر ہوں گے جو طلبا کو ریسرچ کے طریق کار سے آگاہ کر رہے تھے لیکن عربی سے ناواقف لوگ ان کے درس سے عقیدت کشید کر رہے تھے۔

گنبد خضرا

مسجد کی تفصیلات کو نوٹ کرتا ہوا میں باہر آ گیا اور دروازوں کی تفصیل نوٹ کرنے کے لئے میں نے مسجد کے گرد چکر لگایا۔ جب میں قبلہ کی جانب پہنچا تو سفید روشنیوں میں نہایا ہوا گنبد خضرا بہت بھلا لگ رہا تھا۔ یہ گنبد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے عین اوپر بنا ہوا ہے۔ ہماری نعتیہ شاعری اس گنبد کے تذکرے پر اپنی معراج پر پہنچتی ہے۔ مجھے مولانا الیاس قادری کے یہ شعر یاد آئے۔

کیسا ہے پیارا پیارا، یہ سبز سبز گنبد

کتنا ہے میٹھا میٹھا، میٹھے نبی کا روضہ

جس وقت روح تن سے عطار کی جدا ہو

ہو سامنے خدایا، میٹھے نبی کا روضہ

آپ کی گلیوں کے کتے مجھ سے تو اچھے رہے

ہے سکوں ان کو میسر سبز گنبد دیکھ کر

نہ صرف گنبد بلکہ اس کے سبز رنگ سے اتنی عقیدت پیدا کی جاتی ہے کہ بہت سے لوگ سبز چادر زمین پر نہیں بچھاتے تاکہ اس پر پاؤں نہ آئیں۔ سبز رنگ کی اشیا کو ٹائلٹ میں نہیں لے جاتے کہ اس سے اس رنگ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ خدا جانے یہ لوگ گھاس پر چلتے ہوئے کیا کرتے ہوں گے؟ گنبد خضرا سے تمام تر عقیدت کا معاملہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم

سے قائم ہے۔

مجھے اس طرز فکر سے کچھ اختلاف ہے۔ گنبد خضرا سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت یقینا قائم ہوتی اگر آپ نے اپنی وفات سے قبل اپنا عالیشان روضہ بنوایا ہوتا، اس پر سبز گنبد بنوا کر آپ حکم دیتے کہ مجھے اس میں دفن کرنا اور ہر سال یہاں آکر میرا عرس منانا تاکہ دنیا کو تمہارے نبی کی شان کا پتہ چل سکے۔ یا چلئے ایسا معاملہ ہوتا کہ آپ کو اس کا موقع نہیں ملا تو آپ وصیت ہی فرما دیتے اور آپ کے خلیفہ اول اس حکم پر عمل کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے بالکل متضاد معاملہ فرمایا۔ میں اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے آپ کی وہ احادیث نقل کرتا ہوں جن پر پوری امت کا اتفاق رائے ہے۔

> ”جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے، انہیں بیٹھنے کی جگہ بنانے اور ان پر عمارتوں کی تعمیر سے منع فرمایا۔“ (مسلم، کتاب الصلوۃ)

> ”سیدہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عیسائیوں کے ایک گرجا کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا، ’جب بھی ان کا کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو یہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیتے۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ روز قیامت بدترین مخلوق میں سے ہوں گے۔“ (بخاری، کتاب الصلوۃ)

> ”سیدہ عائشہ، ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، ”اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا۔ ‘‘ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”(آپ کو حجرے کے اندر اس لئے دفن کیا گیا کہ) اگر آپ کی قبر مبارک کھلی جگہ پر ہوتی تو حضور کو یہ خدشہ تھا کہ لوگ کہیں اسے عبادت کی جگہ نہ بنا لیں۔“ (بخاری، کتاب الجنائز)

جن لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات سے محبت ہے وہ یقینا یہ چاہیں گے کہ وہ آپ کا اس خدشہ کے مطابق آپ کی قبر انور اور روضہ مبارک کو اس شرک کا مرکز نہ بننے دیں جس کو مٹانے کے لئے آپ کو اس دنیا میں بھیجا گیا۔ آپ کی وفات کے کئی سو سال کے بعد حجرہ عائشہ پر گنبد تعمیر کیا گیا جس کا رنگ سفید تھا۔ بعد میں کسی بادشاہ نے اس پر سبز رنگ کروایا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ گنبد کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ بعد کے کسی بادشاہ کا کارنامہ ہے۔ اب اگر کوئی اور حکمران اس گنبد پر کوئی اور رنگ کروا دے یا یہاں گنبد کے علاوہ کچھ اور تعمیر کر دے تو کیا اس رنگ یا ڈیزائن کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف کرنا درست ہو گی اور اس سے اسی عقیدت کا مظاہرہ کیا جائے گا جس کا موجودہ گنبد اور اس کے سبز رنگ سے کیا جاتا ہے؟



مدینہ منورہ کی زیرزمین پارکنگ



زیرزمین پارکنگ کی طرف جانے کا راستہ

اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مسجد کو آپ سے گہری نسبت ہے۔ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی اور اسے اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہماری پوری نعتیہ شاعری میں جو اشعار اس مسجد کی شان میں کہے گئے ہیں، ان کا حصہ بمشکل نصف فیصد بھی نہ ہو گا۔اسی چیز کو Shift of emphasis کہتے ہیں۔یعنی جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے 100 کی حیثیت دی، ہم نے اسے 20 کر دیا اور جس چیز کی اہمیت 10 تھی، اسے 500 کر دیا۔ شاید ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مزارات ہمارے ذوق کی تسکین کے لئے ناکافی تھے اس لئے ہم نے اپنی طرف ایک اور مزار کا اضافہ مدینے میں کر

لیا۔ اس پر غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمارے اس طرز عمل سے خوش ہوں گے یا ناراض؟ آپ کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی کرنے کے باعث ہم آپ کو کیا منہ دکھائیں گے؟

اخوت و مساوات

مسجد میں دنیا بھر سے آئے ہوئے افراد موجود تھے اور بغیر کسی ذات، برادری، رنگ، نسل اور قوم کی تفریق کے ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور نماز ادا کر رہے تھے۔ معلوم نہیں مسجد میں اس اخوت و مساوات کے مظاہرے کے بعد جب ہم مسجد سے باہر جاتے ہیں تو پھر کیوں اس تفریق میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کا رشتہ دوسری ذات کے لوگوں سے کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد میں نے فیملی کو لیا اور ہوٹل پہنچ گئے۔ میرا تجربہ ہے کہ حرمین میں آپ کے پاس دو موبائل فون ہونے چاہئیں تا کہ فیملی سے رابطہ رہے۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے یہاں کی موبائل کمپنیاں سستے داموں سم فروخت کرتی ہیں۔ جتنی رقم کی سم ہوتی ہے، اتنا ہی بیلنس اس میں ہوتا ہے۔ موبائل کمپنیوں کے سیل پوائنٹ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے بالکل قریب واقع ہیں۔ اگر آپ حج وعمرے کی ادائیگی کے لئے آرہے ہیں تو اپنا موبائل سیٹ لے آئیں اور یہاں آکر سم خرید لیں۔ آپ کے قیام کے دوران اس کا بیلنس ختم ہو ہی جائے گا۔

کھانے کے طور پر ہم نے شاورما پر گزارا کیا جس کی کوالٹی کچھ اچھی نہ تھی۔ میں نے عرب کے کئی شہروں کا شاورما کھایا لیکن ہے جو مزہ اور کوالٹی کراچی کے شاورما میں تھا وہ کہیں نصیب نہ ہوا۔ مدینہ میں ہم لوگ عموماً رات نہیں گزارتے تھے۔ عام طور پر ہم فجر کے بعد جدہ سے چلتے، دس گیارہ بجے تک مدینہ پہنچتے، وہاں سارا دن گزار کر مغرب کے وقت واپس چلتے اور رات کو نو بجے تک واپس جدہ پہنچ جاتے۔ اس دن ہمارا ارادہ وہیں رکنے کا تھا کیونکہ میں اس سفر نامے کے لئے مدینہ کی تفصیلات اکٹھی کرنا چاہتا تھا۔

میری اہلیہ نے مجھے یہ بتایا کہ خواتین کی طرف بہت بد نظمی اور ہلچل رہتی ہے۔ خواتین کے طہارت خانے بھی عموماً بہت گندے ہوتے ہیں۔ دھکم پیل، چیخ و پکار اور لڑائی جھگڑا خواتین کے حصے میں عام ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد دنیا میں گھومتے ہیں اس لئے بڑے اجتماعات کے آداب سے واقف ہوتے ہیں لیکن خواتین کو اس کی تربیت نہیں دی جاتی۔ خواتین کے حصے میں بطور پولیس، افریقی خواتین تعینات ہوتی ہیں جو سب سے بڑی سختی سے پیش آتی ہیں لیکن اتنے بڑے مجمع کو کنٹرول نہیں کر پاتیں۔

میری اہلیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ان کے سامنے پنجاب کی دیہاتی عورتوں نے کوئی چیز کھا کر اس کا ریپر مسجد میں پھینک دیا۔ ایک صفائی کرنے والی افریقی خاتون نے آکر سختی سے عربی میں ان سے باز پرس کی تو انہوں نے پنجابی میں اپنی حرکت کا جواز پیش کرتے جواب دیا: "نی تسی شکر کرو، اللہ نے توانوں اپنے گھر کی خدمت دا موقع دتا اے۔ لوکی کنی دوروں آندے نیں پر تسی ایتھے رہندیاں او۔" (تم شکر کرو کہ اللہ نے تمہیں اپنے گھر کی خدمت کا موقع دیا ہوا ہے۔ لوگ کتنی دور سے آتے ہیں لیکن تم یہاں رہتی ہو۔) ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم گندگی پھیلاتی رہیں اور تم شکر ادا کیا کرو کہ تمہیں اس طرح مسجد کی خدمت کا موقع ملتا ہے۔

رات میں مسجد نبوی بند کر دی جاتی ہے اور صبح تین بجے اسے تہجد کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ بعد میں مسجد نبوی کو رات بھر کھلا رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ صبح جب ہم مسجد پہنچے تو اذان ہوا ہی چاہتی تھی۔ جلدی سے تین رکعت وتر کی نماز ادا کی ہی تھی کہ اذان ہو گئی۔ اس کے بعد لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ دس منٹ بعد جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم واپس آ گئے اور نیند کا دوسرا راؤنڈ شروع ہوا۔ آٹھ بجے اٹھ کر ہم پاکستان اسٹریٹ کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے حلوہ پوری کا ناشتہ کرنے کے بعد ہم نے مدینہ کے طول و عرض کی پیمائش کا آغاز کیا۔ اس دن ہم جبل احد اور چند ایک اور مقامات تک گئے۔ دیگر مقامات ہم نے مختلف مواقع پر دیکھے۔

مدینہ کے تاریخی مقامات

جنت البقیع

جنت البقیع مدینہ منورہ کا تاریخی قبرستان ہے۔ یہ مسجد نبوی کی شرقی دیوار کے ساتھ ہی واقع ہے۔ پہلے مسجد اور قبرستان کے درمیان ایک محلہ تھا لیکن 1985ء کی تعمیر و توسیع کے بعد مسجد اور بقیع میں کوئی فاصلہ نہیں رہا۔ یہ قبرستان روضہ انور سے محض دو منٹ کے پیدل فاصلے پر ہے۔ اس کا دروازہ عموماً فجر اور عصر کے بعد کھولا جاتا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد میں بقیع کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں بھی حسب روایت زیارت قبور سے متعلق احادیث درج تھیں۔

اب سے تقریباً سو سال قبل بقیع کا نقشہ بھی ہمارے پاکستان کے قبرستانوں جیسا تھا جہاں لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات کے خلاف پختہ قبریں اور ان پر عالیشان عمارتیں تعمیر کی ہوئی تھیں۔ 1905ء میں ان عمارات کو گرا دیا گیا اور تمام قبور کو ایک ہاتھ کے برابر کر دیا گیا۔ یہاں یہ متعین کرنا ممکن نہیں ہے کہ کون صحابی کہاں دفن ہیں کیونکہ عہد صحابہ میں قبروں پر کتبے لگائے جاتے تھے اور نہ ہی انہیں پختہ بنایا جاتا تھا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر کے بارے میں البتہ روایات مشہور ہیں۔ یہ قبر، قبرستان کے راستے کے عین بیچ میں واقع ہے۔

یہاں پہنچ کر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میرے سامنے ہے۔ یہاں مدفون 10000 صحابہ، ہزاروں تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد امت کے بے شمار علماء و صالحین۔ یہاں مدفون صحابہ میں سب سے مشہور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادیاں سیدہ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن بھی یہیں دفن ہیں۔ امہات المومنین بھی، سوائے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے، سب کی سب یہیں ہیں۔ آپ کے صاحبزادے ابراہیم اور نواسے حسن رضی اللہ عنہما بھی یہیں ہیں۔ تابعین میں سب سے مشہور سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ بھی یہاں ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمتہ بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔

یہاں پر کئی قبریں مزید آنے والوں کے لئے کھدی ہوئی تھیں۔ کھلی قبر پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اے انسان! تو جتنا چاہے زمین کے اوپر چل پھر لے، ایک دن تجھے میرے پاس ہی آنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قبرستان انسان کو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت موت کی یاد دلاتا ہے اور اسے اس کی اصل منزل کی یاد دہانی کرواتا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں بقیع میں صحابہ و اہل بیت کے قریب جگہ ملے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ آخرت میں معاملہ انسان کے اعمال پر ہی ہو گا۔ اگر کسی کے عقائد و اعمال درست نہیں تو جیسے صحابہ کرام کی زندگی میں ان کا ساتھ مفید نہیں ویسے ہی ان کے قریب قبر بھی انسان کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔ منافقین بھی حضور اور صحابہ کے ساتھ رہے اور بقیع ہی میں دفن ہوئے لیکن ان کا انجام جہنم ہی ہو گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں اکثر رات کے

آخری حصے میں تشریف لاتے اور فرماتے:



" اے اہل ایمان کے شہر والو! السلام علیکم! کل (روز قیامت) تمہیں وہ سب ملنے والا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تم (اور تمہارا حساب و کتاب) قیامت تک کے لئے موخر کیا جارہا ہے۔ ان شاءاللہ ہم بھی جلد ہی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد میں مدفون لوگوں کی مغفرت فرما۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے سفر آخرت کو ہمیشہ یاد رکھا کرتے۔ کاش ہم بھی ایسا کر سکیں۔ اس

قبرستان میں میں نے یہاں پہلی مرتبہ 'لحد' کا ڈیزائن دیکھا۔ ہمارے پاکستان میں قبر کا جو ڈیزائن بنایا جاتا ہے اسے 'صندوق' کہتے ہیں۔ یعنی قبر میں ایک چوکھٹا سا بنایا جاتا ہے اور اس میں مردے کو لٹا کر اس پر سلیں رکھ دی جاتی ہیں۔ لحد میں قبر کے اندر ایک بغلی قبر کھودی جاتی ہے اور اس میں مردے کو لٹا کر اصل قبر کو مٹی سے بھر دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک اسی طرز کی تھی۔

مسجد قبا

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہجرت فرما کر سب سے پہلے قبا میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ اس زمانے میں مدینہ کی نواحی بستی تھی۔ یہاں کی آبادی بھی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوت کے نتیجے میں اسلام قبول کر چکی تھی۔ اس مقام پر آپ نے ایک مسجد تعمیر فرمائی جسے قرآن مجید نے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایسی مسجد قرار دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

> لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ۔ (التوبہ 9:108) "ایک ایسی مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقوی پر رکھی گئی ہو، اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ (اے نبی!) آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں۔ وہاں ایسے لوگ ہیں جو (اپنے جسم و روح کو) پاک کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

مسجد قباء مکہ سے آنے والی طریق الہجرہ پر واقع ہے۔ اگر آپ مکہ کی طرف سے مدینہ میں داخل ہوں تو کہیں مڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سڑک سیدھی مسجد قبا تک جاتی ہے۔ قبا کا علاقہ نہایت ہی زرخیز اور سرسبز و شاداب ہے۔ مسجد قبا کے ارد گرد گھنا سبزہ ہے اور کھجور کے کئی فارم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ ایک زرعی علاقہ تھا۔ احادیث کی کتب میں سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زراعت سے متعلق کئی روایات ملتی ہیں جو کہ ایک باقاعدہ زمیندار تھے۔

ہم لوگ مغرب سے کچھ دیر قبل ہی مسجد قبا جا پہنچے۔ نماز سے پہلے ہم نے قبا کے پورے علاقے کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ یہ پورا علاقہ خاصا سرسبز و شاداب تھا۔ مسجد کے جنوب میں پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بہت بڑا پارک تھا جو ہمارے کراچی کے سفاری پارک سے ملتا جلتا تھا۔ مغرب کے وقت ہم مسجد میں جا پہنچے اور نماز ادا کی۔ مسجد کافی بڑی اور خوبصورت تھی۔ نمازیوں کی بہت بڑی تعداد یہاں موجود تھی۔ مجھے بمشکل صحن میں جگہ مل سکی۔

ایک حدیث میں مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس سے عمرہ ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی یہاں نماز پڑھنے کے لئے ہر ہفتے تشریف لایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے مقصد محض نماز کی ادائیگی نہیں بلکہ قبا کے لوگوں کی تعلیم و تربیت رہا ہو گا۔ اس مسجد کی پہلی تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کی۔ دوسری تعمیر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے

دور میں ہوئی جس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اضافہ کیا گیا۔ بعد میں اس کی تعمیر و تجدید ہوتی رہی۔ مسجد کی موجودہ تعمیر شاہ فیصل کے دور میں 1968ء میں ہوئی جس میں 1985ء میں اضافہ کیا گیا۔ اب مسجد میں 20000 افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد قبلتین

مسجد قبلتین وہ مسجد ہے جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز کی امامت فرما رہے تھے اور دوران نماز تبدیلی قبلہ کے احکام نازل ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف فرما ہوئے تو میثاق مدینہ کے مطابق مدینہ کے تمام مسلم و غیر مسلم باشندوں نے آپ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک امت ہونے کا شعور پیدا کرنے کے لئے ہمیں ایک قبلے کی طرف منہ کر کے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اپنی پوری امت کا قبلہ مقرر کیا تھا۔ بنی اسماعیل ہمیشہ اس سے وابستہ رہے۔ بنی اسرائیل بھی شروع میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز اور قربانی کا اہتمام کرتے رہے۔ تورات میں تفصیل سے خیمہ عبادت کا ڈیزائن بتایا گیا ہے اور اس کا رخ جنوب یعنی کعبہ کی طرف تھا۔ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے یروشلم میں بیت المقدس کی مسجد تعمیر فرمائی تو اس کے کچھ عرصے بعد بنی اسرائیل نے اسے اپنا قبلہ قرار دے لیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کے وقت ذریت ابراہیم کی دونوں شاخیں اپنے اپنے قبلے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے اور اس کے بارے میں شدید نوعیت کے تعصب میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اقوام کے وہ افراد جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیروی پر متفق ہو چکے تھے، کی آزمائش کے لئے مدینہ ہجرت کے بعد کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ مقرر کیا۔ اس سے بنی اسماعیل کے تعصب پر ضرب پڑی لیکن ثابت قدم قریشی صحابہ نے اللہ کے حکم کے سامنے تمام تعصبات کو قربان کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ برس کے بعد دوبارہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمانوں کے قریب تھے، آزمائے گئے اور ان میں سے منافقین کا پردہ چاک ہو گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> "نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا، کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس سے یکایک پھر گئے؟ (اے نبی!) آپ ان سے فرمایئے: مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ تو اسی طرح ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں کے سامنے حق کی گواہی دو اور رسول تم پر حق کی گواہی دیں۔ پہلے جس کی طرف تم منہ کرتے تھے، اس کو تو ہم نے صرف یہ آزمانے کے لئے قبلہ بنایا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ معاملہ تھا تو بڑا سخت، لیکن ان لوگوں کے لئے سخت ثابت نہ ہوا جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔ اللہ تمہارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ یقین جانو وہ لوگوں کے حق میں بہت رحیم و کریم ہے۔
>
> یہ تمہارے منہ کا ہم بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم تمہیں اسی قبلے کی طرف پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد الحرام کی طرف رخ پھیر دو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔ یہ اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم ان کے رب کی طرف ہی سے ہے اور برحق ہے، مگر اس کے باوجود یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ تم

ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں گے اور نہ تم ان کے قبلے کی پیروی کرو گے۔ ان میں سے کوئی گروہ بھی ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہارا شمار یقیناً ظالموں میں سے ہو گا۔ (البقرہ 2:143-145)

مسجد قبلتین، مسجد نبوی سے تقریباً چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں بشر بن براء بن معرور کے ہاں دعوت پر تشریف لائے تھے۔ یہاں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا اور آپ نے نماز ادا کی۔ تیسری رکعت میں یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ نے اس کے حکم کے مطابق اپنا رخ تبدیل کیا۔ چونکہ یہ 180 درجے کی تبدیلی تھی، اس لئے لامحالہ آپ کو چل کر مخالف سمت میں آنا پڑا ہو گا اور صحابہ کو اپنی اپنی جگہ پر ہی اپنا رخ تبدیل کرنا پڑا ہو گا۔ بعد ازاں اس حکم کی منادی پورے مدینہ میں کی گئی۔ بہت سی دوسری مساجد میں لوگ نماز پڑھ رہے تھے جنہوں نے حالت نماز میں اپنا رخ تبدیل کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور کا مدینہ صرف موجودہ مسجد نبوی تک ہی محدود نہ تھا۔

ہم عصر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے تھے۔ جب یہاں پہنچے تو بہت رش تھا اور لوگ مسجد دیکھنے کے آ رہے تھے۔ بعض لوگ یہاں نوافل بھی ادا کر رہے تھے۔ زیارت اور عبادت کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صرف تین مساجد یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف بطور خاص سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ کسی اور مقام کی طرف بطور خاص عبادت کے لئے سفر کر کے جانے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ ان مقامات کے دیکھنے کو "زیارت" کا عنوان دیتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ ان تمام مقامات کو صرف ایک تاریخی یادگار کے طور پر دیکھنا چاہیے نہ کہ کسی دینی اہمیت کے پیش نظر یہاں آنا چاہیے۔

مسجد قبلتین بھی جدید بنی ہوئی ہے۔ یہ سفید رنگ کی بہت بڑی مسجد ہے جس کے اطراف میں گھنا سبزہ اور درخت ہیں۔ سنا ہے پرانی مسجد میں شمال اور جنوب دونوں جانب محراب تھی جو یہ ظاہر کرتی تھی کہ اس مسجد میں یروشلم اور مکہ، دونوں جانب منہ کر کے نماز پڑھی گئی ہے لیکن جدید تعمیر میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ عام مساجد جیسی تھی۔ محض اتنا تھا کہ اس مسجد کا آرکیٹکچر بہت خوبصورت تھا اور پوری مسجد سبز درختوں کے درمیان بہت بھلی لگ رہی تھی۔ یہ منظر مسجد قبا سے کسی حد تک مشابہ تھا۔ ان مقامات کو دیکھنے کے بعد ہم نے واپسی کی راہ لی اور طریق الہجرہ پر سفر کرتے ہوئے ساڑھے تین گھنٹے میں جدہ پہنچ گئے۔



مسجدِ قباء



مسجدِ قبلتین

بدر

میدان بدر دیکھنے کی مجھے بہت عرصے سے خواہش تھی۔ اب تک ہم لوگ طریق الہجرہ سے مدینہ جاتے رہے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جدہ یا مکہ سے مدینہ جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو وہ راستہ ہے جو اب طریق الہجرہ کہلاتا ہے۔ اسی راستے سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ اس دور میں یہ راستہ زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا۔ دوسرا راستہ ساحل کے ساتھ ساتھ ہے جو جدہ سے براستہ رابغ، ینبوع کی طرف جاتا ہے۔ بدر کے مقام سے ایک سڑک مدینہ کی طرف نکلتی ہے۔ یہ قدیم دور میں عام استعمال ہونے والا راستہ تھا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ اس دور کی کوسٹل ہائی وے تھی جس پر تجارتی قافلے سفر کیا کرتے تھے۔

بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ قافلے شمال کی طرف جایا کرتے تھے۔ آخر میں بحیرہ احمر کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ دائیں طرف کی شاخ خلیج اردن کہلاتی ہے جس کا آخری سرا 'ایلہ' اور 'عقبہ' کی بندرگاہوں تک پہنچتا ہے۔ یہ قافلے خلیج اردن کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بحیرہ روم کی کسی بندرگاہ تک جایا کرتے تھے جہاں یہ اپنا سامان فروخت کرتے جو آگے یورپ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ اس دور میں موجودہ اردن، فلسطین اور شام کا پورا علاقہ، شام ہی کہلاتا تھا جو براہ راست قیصر روم کے زیر تسلط تھا۔ بائیں شاخ خلیج سویز کہلاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کا علاقہ جزیرہ نما سینا کہلاتا ہے۔ یہیں پر کوہ طور واقع ہے۔

میقات جحفہ

اس سفر میں میری والدہ ہمراہ تھیں۔ جدہ سے نکل کر ہم لوگ مدینہ روڈ پر آ گئے۔ یہ سکس لین موٹر وے ہے۔ پہلے ائر پورٹ کا حج ٹرمینل آیا۔ اس کے بعد عسفان کا ایگزٹ آیا۔ یہاں سے ایک روڈ عسفان کی طرف جا رہی تھی۔ آگے ذھبان اور ثول کے قصبے تھے۔ وادی قضیمہ کے پاس پہنچ کر روڈ دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔ ایک حصہ طریق الہجرہ سے مل رہا تھا اور دوسرا سیدھا ساحل کے ساتھ ساتھ ینبوع کی طرف جا رہا تھا۔ ہم کوسٹل ہائی وے کی طرف ہو لئے۔ اب ہم ایک وسیع چٹیل میدان میں سفر کر رہے تھے۔ ہمارے بائیں جانب بحیرہ احمر تھا اور دائیں جانب پہاڑیوں کی طویل قطار تھی۔ جزیرہ نما عرب کا یہ حصہ "تہامہ" کہلاتا ہے۔ 130 کلومیٹر کے فاصلے پر جحفہ کا میقات آیا۔ شمالی جانب سے مکہ آنے کے یہ دو راستے ہیں۔ جو لوگ حج یا عمرہ کے لئے براستہ مدینہ آ رہے ہوں، ان کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے جو مدینہ سے نکلتے ہی آ جاتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اردن، شام اور مصر سے براستہ کوسٹل ہائی وے آ رہے ہوں، ان کا میقات جحفہ ہے۔ قدیم دور میں عمالقہ کے حملوں سے تنگ آ کر قوم عاد کے کچھ افراد یہاں آباد ہوئے تھے۔

یہاں قریب ہی رابغ کا شہر تھا۔ 2005ء میں شاہ عبداللہ نے یہاں دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور اکنامک سٹی بنانے کا اعلان کیا۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ روٹرڈیم کی ہے۔ رابغ کی بندرگاہ اس سے بھی دس گنا زیادہ بڑی ہو گی اور یہاں دنیا کے بڑے بڑے بحری جہاز رک سکیں گے۔ اس وقت سعودی عرب میں دنیا کے سب سے زیادہ تیل کے ذخائر ہیں۔ تیل کی موجودہ ڈیمانڈ اور

سپلائی کے پیش نظر یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ ذخائر 2050ء تک ختم ہو جائیں گے۔ پچھلے پچاس سال سے سعودی عرب ایک صارف معاشرے (Consumer Society) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ پوری دنیا کو تیل بیچ کر ڈالر حاصل کرتے ہیں اور پھر یہ ڈالر دے کر دنیا بھر سے ضرورت زندگی کی تمام اشیاء حاصل کرتے ہیں۔ سعودی عرب اب انڈسٹریلائزیشن کے دور سے گزر رہا ہے۔ موجودہ حکومت کی یہ کوشش ہے کہ ملک میں زیادہ سے انڈسٹری لگے تاکہ تیل ختم ہونے تک یہ ایک بڑی معیشت بن سکے۔

ابوا اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

رابغ سے آگے ابواء کا ایگزٹ آیا۔ یہ جدہ سے 190 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ آپ مدینہ میں واقع اپنے میکے تشریف لے گئی تھیں۔ آپ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی تھے جن کی عمر صرف چھ سال تھی۔ واپسی پر آپ بیمار ہو گئیں اور ابواء کے مقام پر آپ وفات پا گئیں۔ یہیں پر آپ کو دفن کیا گیا۔

میں نے گاڑی ابواء کی طرف موڑ لی۔ یہ اب بھی ایک چھوٹا قصبہ ہی تھا اور کوسٹل ہائی وے سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اس دور کا راستہ شاید ابواء سے گزرتا ہو لیکن تھوڑا آگے جا کر سنگل روڈ اونچی نیچی پہاڑیوں سے گزرنے لگی۔ اب سمجھ آئی کہ اس دور کا راستہ تو یقیناً موجودہ کوسٹل ہائی وے کے پاس ہی ہو گا۔ جب سیدہ آمنہ کی طبیعت خراب ہوئی ہو گی تو قریبی قصبہ یہی ابواء ہو گا۔ قافلے کے لوگ آپ کو کسی حکیم وغیرہ کو دکھانے کے لئے یہاں لائے ہوں گے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی ہو گی۔ دس منٹ میں ہم یہاں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بقالہ سے میں نے کولڈ ڈرنک لئے اور دکاندار سے سیدہ کی قبر کے بارے میں پوچھا۔ ان صاحب کا تعلق بنگلہ دیش سے تھا۔ انہوں نے مجھے قبر کی لوکیشن تو بتا دی لیکن ساتھ مشورہ بھی دیا کہ آپ وہاں نہ جائیں کیونکہ مطوع حضرات نے عین قبر کے قریب پولیس چوکی بنائی ہے اور یہاں آنے والوں سے بڑی سختی سے پیش آتے ہیں اور ان کا اقامہ وغیرہ ضبط کر لیتے ہیں۔

ہمارے بعض حضرات اپنی طرف سے یہ فرض کیا لیتے ہیں کہ ایسے مقامات پر جو بھی آتا ہے وہ مشرکانہ افعال کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر آنے والے سے ایک جیسا سلوک ہی کرتے ہیں۔ میری عربی اس وقت اتنی رواں نہیں تھی کہ میں انہیں سمجھا سکتا کہ میں یہاں کسی شرک یا بدعت کے لئے نہیں آیا اس لئے ہم نے یہی طے کیا کہ واپس ہو لیا جائے۔

ہمارے مذہبی لٹریچر میں بہت سی لایعنی اور تکلیف دہ بحثیں بھی رواج پا گئی ہیں۔ ان میں سے ایک بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں ہے۔ ایک گروہ چند روایات کی بنیاد پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدین کو کافر اور معاذ اللہ ابدی جہنمی قرار دیتا ہے اور دوسرا گروہ چند اور روایات کی بنیاد پر انہیں اہل ایمان میں شامل کرتا ہے۔

اگر ان بحثوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہمارے اپنے اعمال کا تو کوئی حساب کتاب نہیں ہو گا البتہ سب سے پہلے یہ پوچھا جائے گا کہ بتاؤ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدین مسلمان تھے یا نہیں؟ اس معاملے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ

ہمیں خاموشی اختیار کرنی چاہئے اور کوئی بحث نہیں کرنی چاہئے۔ ان حضرات کے بارے میں یہ حسن ظن رکھنا چاہئے کہ وہ دین ابراہیمی پر قائم ہوں گے جیسا کہ اعلان نبوت سے قبل خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ایسی بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے کی جاتی تو آپ اس سے سخت رنجیدہ ہوتے۔ یہی رویہ آپ کے چچا ابو طالب کے ایمان کی بحث میں ہونا چاہئے۔

ابواء سے نکل کر ہم دوبارہ کوسٹل ہائی وے پر آ گئے۔ النصائف اور الرائس کے قصبوں سے گزرتے ہوئے ہم وادی صفراء میں داخل ہوئے۔ یہ وادی اسم بامسمیٰ تھی یعنی زرد رنگ کی تھی۔ یہ وادی بہت وسیع تھی اور میدان بدر سے متصلاً واقع تھی۔ یہاں سے کوسٹل ہائی وے ینبوع اور ضباء سے ہوتی ہوئی اردن کی طرف جا رہی تھی اور ایک روڈ مدینہ کی طرف نکل رہی تھی۔ جدہ اب 265 کلومیٹر پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ فاصلہ ہم نے تقریباً پونے دو گھنٹے میں طے کیا تھا۔

اس مقام سے مدینہ جانے والی پرانی روڈ سنگل تھی اور پہاڑوں میں بل کھاتی ہوئی مدینہ کی طرف جاتی تھی۔ اب نئی روڈ بنی تھی جو کہ تھری لین موٹر وے تھی۔ یہ نہایت شاندار کوالٹی کی روڈ تھی۔ یہ روڈ بھی پہاڑوں کے بیچ میں سے گزر رہی تھی لیکن اس کے موڑ ایسے بنائے گئے تھے کہ 150 کی رفتار پر بھی اگر موڑ کاٹا جائے تو گاڑی کے الٹنے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ جیسے ہی ہم پہاڑوں میں داخل ہوئے، بدر کا ایگزٹ آ گیا۔ اس کا فاصلہ جدہ سے 300 کلومیٹر اور مدینہ سے 156 کلومیٹر تھا۔

بدر کا نظارہ

بدر کے ایگزٹ سے بدر شہر کا فاصلہ محض 5 کلومیٹر تھا۔ راستے میں ایک نہایت ہی خوبصورت پہاڑی نظر آئی۔ یہ سیاہ رنگ کی چٹان پر مبنی پہاڑی تھی لیکن یہ چوٹی تک ریت سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ریت بھی صاف سنہرے رنگ کی تھی۔ اس رنگ کی ریت کا شیڈ میں نے اس سے پہلے صرف کراچی کے مغرب میں واقع ساحلی گاؤں "مبارک ویلج" میں دیکھا تھا۔ چمکتی دھوپ میں ریت آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو دیکھتا ہے تو حیرت سے دنگ رہ جاتا ہے۔ دور کیوں جائیے، ہمارا اپنا وجود بھی پکار پکار کر یہ گواہی دے رہا ہے کہ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

بدر ایک چھوٹا سا صاف ستھرا اور خوبصورت شہر تھا۔ عہد رسالت میں یہاں کوئی آبادی نہ تھی لیکن اب یہ ایک شہر بن گیا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ہمیں ایک ہسپتال نظر آیا۔ اس کے قریب رکی ہوئی کار میں ایک عرب فیملی بیٹھی تھی۔ میں نے مرد سے عربی میں جنگ بدر کے مقام کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگے، آپ میرے پیچھے آ جائیں۔ میں سمجھا شاید انہوں نے اسی طرف جانا ہے۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ ہمیں جنگ بدر کے مقام تک پہنچا کر وہ واپس ہو لئے۔ وہ صرف ہمیں وہاں چھوڑنے کے لئے آئے تھے۔

مہمان نوازی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر میں بڑا متاثر ہوا۔ سفر میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ چھوٹے شہروں اور دیہات کے لوگ اس قسم کی مہمان نوازی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ عربوں کے بارے میں ہمارے ہاں یہ عام تصور ہے کہ یہ لوگ اخلاق کے اچھے نہیں ہوتے لیکن میرا تجربہ اس کے برعکس ہے۔ ہم لوگ محض چند لوگوں کی بداخلاقی کو پوری قوم پر محمول کر لیتے ہیں۔ زیادہ تر عرب نہایت ہی

مہمان نواز اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو حجاج اور زائرین کے گروپوں کی خدمت پر معمور ہوتے ہیں، ان میں سے بعض لوگ لالچی اور خود غرض ہوتے ہیں جن کی بدولت پوری عرب کمیونٹی بدنام ہوتی ہے۔



ابواء کا ایگزٹ



بدر کے راستے میں سنہری ریت کے پہاڑ

جس مقام پر ہم کھڑے تھے، وہاں شہداء بدر کی قبریں تھیں۔ ہم نے احادیث میں منقول، زیارت قبور کے موقع پر پڑھی جانے

والی دعا پڑھی۔ ایک اور گاڑی وہاں آکر رکی اور اس میں سے لوگ اتر آئے۔ یہاں ایک چوک سا بنا ہوا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک بہت بڑا کتبہ نصب تھا جس پر شہداء بدر کے نام لکھے ہوئے تھے۔ میں یہ نام نوٹ کرنے لگا۔ جنگ بدر میں چودہ صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

1. صفوان بن وہب
2. ذوالشمالین بن عبد عمرو
3. مہجع بن صالح
4. عاقل بن کبیر
5. عبیدہ بن حارث
6. سعد بن خثیمہ
7. مبشر بن عبد المنذر
8. حارثہ بن سراقہ
9. رافع بن المعلا
10. عمیر بن الحمام
11. یزید بن حارث
12. معوذ بن حارث
13. عوف بن حارث
14. عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔

ان میں 6 مہاجر اور 8 انصار تھے۔ انصاریوں میں سے 6 کا تعلق قبیلہ خزرج سے اور 2 کا تعلق اوس سے تھے۔ سیدنا عمیر بن ابی وقاص مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔ عبیدہ بن حارث قریشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رشتے دار تھے۔ آپ جنگ بدر کے پہلے شہید تھے جو انفرادی مقابلوں میں شہید ہوئے۔ میرے سامنے وہ منظر گردش کرنے لگا جب قریش کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے۔ ان کے مقابلے پر سیدنا حمزہ، علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم نکلے۔ عتبہ اور ولید بالترتیب سیدنا حمزہ اور علی کے ہاتھوں قتل ہوئے البتہ شیبہ نے سیدنا عبیدہ کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد اس نے سیدنا علی سے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت پر بننے والی فلم The Message میں یہ منظر بہت خوبی سے فلمایا گیا ہے۔

حسب روایت یہاں بھی ایک پولیس چوکی بنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک پولیس مین نکل آیا اور نہایت ہی درشتگی کے ساتھ سب لوگوں کو وہاں سے جانے کے لئے کہا۔ ہم اس جگہ سے ہٹ کر واپس آئے۔ ایک دیوار پر جنگ بدر کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ یہ ایک اعلیٰ

کاوش تھی۔ اس نقشے کے مطابق جہاں اب شہدا کی قبریں ہیں، عین اس جگہ معرکہ ہوا تھا۔

مسلمانوں کا لشکر اس سے ہٹ کر اس جگہ تھا جہاں اب مسجد عریش ہے اور مشرکین کا لشکر اس مقام پر تھا جہاں اب کھجور کا فارم ہاؤس ہے۔ اسی مقام پر ایک کنواں اور حوض بھی تھا جس کو مسلمانوں نے جنگی حکمت عملی کے تحت اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ ہم اب دائیں جانب موڑ کاٹ کر مسجد عریش کے قریب آ گئے۔ یہ ایک بہت بڑی مسجد تھی۔ عربی میں 'عریش'، چھپر کو کہتے ہیں۔ اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے ایک چھپر بنایا گیا تھا جہاں بیٹھ کر آپ نے ساری رات عبادت کی تھی اور پھر دن کے وقت جنگی ہدایات جاری کی تھیں۔ چھپر کا یہ مقام مسجد کے اندر کہیں ہو گا۔

فلم "میسج" سے جنگ بدر کا منظر



اللہ تعالیٰ کا قانون دینونت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بیان ہوئی ہے کہ اس نے بارہا اس دنیا میں محدود پیمانے پر ایک چھوٹی سی قیامت برپا کی ہے۔ اس کا مقصد یہ رہا ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک نمونہ (Sample) آ جائے کہ ایسا ہی معاملہ وہ آخرت میں کرنے والا ہے۔ یہ قیامت صغریٰ محض کسی قدرتی آفت (Disaster) کی شکل ہی میں نہیں ہوتی۔ اس کا طریق کار یہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے کسی قوم کا انتخاب کرتا ہے۔ اس میں سے ایک رسول منتخب کرتا ہے اور اس پر اپنی وحی بھیجتا ہے۔ اس رسول کے ذریعے قوم کو الٹی میٹم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی روش کو چھوڑ دیں اور ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اپنے اخلاقی وجود کا تزکیہ کریں اور خدا کے دین کے علمبردار بن کر دنیا میں رہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اسی دنیا میں آئے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ رسول کی پیروی کریں گے تو اس کی جزا انہیں اس دنیا ہی میں دی جائے گی۔ رسول ایک خاص وقت تک انہیں اپنی دعوت پہنچاتا ہے۔ جب اس قوم پر اتمام حجت ہو جاتا

ہے یعنی رسول کی پیروی نہ کرنے کے لئے ان کے پاس سوائے ضد، عناد اور تعصب کے کوئی عذر باقی نہیں رہتا تو ان پر اللہ کا عذاب آجاتا ہے۔

اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے متعدد رسولوں کا انتخاب کیا۔ سیدنا نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم اور لوط علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنی قوموں کی طرف بھیجا گیا۔ ان کے نافرمانوں کو اتمام حجت کے بعد اسی دنیا میں عذاب کا شکار کیا۔ یہ عذاب قدرتی آفات کی صورت میں آیا۔ اس میں اور ہماری آج کی آفات میں یہ فرق ہے کہ وہاں رسول کے ذریعے پہلے سے خبردار کیا گیا۔ اس لئے آج کل کی آفات کو ویسا عذاب قرار دینا درست نہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ معاملہ کچھ مختلف ہوا۔ ان پر بنی اسرائیل کے لاکھوں افراد ایمان لے آئے جبکہ فرعون اور اس کے ساتھی ایمان نہ لائے۔ فرعون کو بنی اسرائیل کے سامنے بحیرہ احمر میں غرق کر دیا گیا۔ یہ معاملہ اتمام حجت کی آخری شکل تھی۔ اس کے بعد ارد گرد کی اقوام میں کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کے وجود، موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور آخرت کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس مقام کے ارد گرد بسنے والی اقوام پر یہ عذاب موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کے ہاتھوں نازل کیا۔ آپ کے خلیفہ اول یوشع اور خلیفہ دوم کالب علیہما السلام نے ان قوموں کو دین حق کی دعوت دی۔ جنہوں نے مان لیا انہیں امان ملی اور جنہوں نے نہ مانا، انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تہہ تیغ کر دیا گیا۔

تورات میں اللہ تعالیٰ کا فرمان درج ہے:

> "اور خداوند نے مجھ (موسیٰ) سے کہا، میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک رسول برپا کروں گا اور میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور وہ انہیں وہ سب کچھ بتائے گا جس کا میں اسے حکم دوں گا۔ اگر کوئی شخص میرا کلام، جسے وہ میرا نام لے کر سنائے گا، نہ سنے گا تو میں خود اس سے حساب لوں گا۔" (استثنا 19-18:17)

اسی فرمان کے تحت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کو رسول متعین کیا۔ آپ کی قوم پر اتمام حجت کیا گیا۔ آپ پر بھی قدیم رسل کے برخلاف بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق آپ کی قوم کو آپ کے صحابہ کے ہاتھوں سزا دی۔ جنگ بدر اس عذاب کی پہلی قسط تھی۔

جنگ بدر دراصل قریش کی اس لیڈر شپ کے لئے سزائے موت کی حیثیت رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی پر اتر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنگ سے ایک دن پہلے اپنے مقدس ہاتھوں سے زمین پر نشان لگا دیے کہ فلاں سردار یہاں مرے گا اور فلاں وہاں۔ اگلے دن ایسا ہی ہوا اور ہر لیڈر عین اپنے تعین کردہ مقام پر قتل ہوا۔ قریش کے سردار عتبہ و شیبہ، انفرادی مقابلوں میں سیدنا حمزہ و علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

جب یہ لوگ جنگ کے لئے جا رہے تھے تو ان کے ایک عیسائی غلام تھے جن کا نام عداس رضی اللہ عنہ تھا۔ انہوں نے اسلام قبول

کر لیا تھا۔ اہل کتاب ہونے کے باعث، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے پاؤں پکڑ کر انہیں جانے سے روکا اور بتایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ لوگ دوسرے جاہلی سرداروں کی طرح گھٹیا پن پر کبھی نہ اترے تھے۔ طائف کے سفر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدد کی تھی۔ لیکن اپنے قومی تعصب کے باعث اس موقع پر انہوں نے عداس کی بات نہ مانی اور محض قومی غرور میں مقابلہ پر آ اترے جس کے نتیجے میں انہیں عذاب کا مزہ چکھنا پڑا۔

عذاب کی اس پہلی قسط کے نتیجے میں قریش کی اس لیڈر شپ کا صفایا ہو گیا جن کے بارے میں یہ واضح تھا کہ یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابولہب اس جنگ میں بیماری کا بہانہ کر کے شریک نہیں ہوا۔ اس پر یہ سزا چیچک کی صورت میں مسلط کی گئی اور اسے قبر بھی نصیب نہ ہوئی کیونکہ اس دور کے عرب چیچک سے بہت ڈرتے تھے اور ایسے مریض کو ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے۔ اس کے بعد قریش کی لیڈر شپ ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کے دل میں کچھ قبولیت کا رجحان باقی تھا۔ بالآخر یہی لوگ ایمان لے آئے۔

جنگ کے واقعات کچھ اس طرح سے تھے کہ قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی قیادت میں شام سے براستہ کوسٹل ہائی وے آ رہا تھا۔ اہل مکہ اکثر مدینہ پر تاخت کر کے لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اس لئے جوابی کاروائی یہ کی گئی کہ ان کے قافلے پر حملہ کیا گیا۔ اس قافلے میں مکہ کے تمام تاجروں کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔ انہوں نے قافلہ بچانے کے لئے 1000 کا لشکر تیار کر کے بھیج دیا۔ قافلہ تو ساحل کے ساتھ ہو کر نکل گیا لیکن اس لشکر نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا عزم کیا اور پیش قدمی جاری رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم محض 313 جانثاروں کے ساتھ تشریف لائے۔ مدینہ سے آنے والا راستہ اس وقت بھی بدر کے مقام پر ساحلی شاہراہ سے ملتا تھا۔ اسی مقام پر جنگ ہوئی۔

اسلام اور کفر کے لشکروں میں ایک اور تین کا تناسب تھا۔ اس کے باوجود اس جنگ میں محض 14 صحابہ شہید ہوئے جبکہ 70 کفار قتل ہوئے اور 70 قیدی بنائے گئے۔ قتل ہونے والوں میں تمام سرکش لیڈر شامل تھے۔ باقی لوگ بھاگ نکلے۔ قرآن مجید میں اس جنگ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

> ""بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔ اس وقت کو یاد کرو (اے رسول!) جب تم اہل ایمان سے کہہ رہے تھے، 'کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ 3000 فرشتوں سے تمہاری مدد کرے۔ بے شک، اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے، اسی آن تمہارا رب (3000 نہیں بلکہ) 5000 فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔' یہ بات اللہ نے تمہیں اس لئے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے، اللہ کی طرف سے ہے، جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔ (یہ مدد وہ اس لئے تمہیں دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے، ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔"
> (آل عمران 127-3:123)

سورہ انفال کا موضوع ہی جنگ بدر اور اس سے پہلے اور بعد کے واقعات ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں ضرور ملے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ سے تمہارا سامنا ہو۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق، حق ثابت ہو سکے اور باطل، باطل خواہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ اور وہ موقع یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے 1000 فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے اس لئے فرمائی کہ تمہیں خوشخبری ملے اور تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے، اللہ کی طرف ہی سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

وہ وقت یاد کرو جب اللہ غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست کو دور کر ڈالے۔ تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جما دے۔ اور وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا، 'میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دل میں رعب ڈالے دیتا ہوں، پھر تم ان کی گردنوں اور جوڑوں پر ضرب لگاؤ۔' یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے، اس کے لئے، اللہ نہایت ہی سخت گیر ہے۔ یہ ہے تم لوگوں کی سزا، اب اس کا مزہ چکھو اور تمہیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے والوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔-----

حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ (اے نبی!) آپ نے ان کی طرف ریت نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے ان کی طرف پھینکی۔ (مومنین کے ہاتھوں کو اس کام میں استعمال کرنے کا) مقصد یہ تھا کہ اللہ مومنین کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے۔ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے، کفار کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ (ان کفار سے کہہ دو) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو لو، فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا۔ اب باز آ جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے، ورنہ پلٹ کر اسی حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی سزا کا اعادہ کریں گے اور تمہاری فوج خواہ کتنی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گی۔ بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے---------

اس وقت اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا، جب (اے رسول!) آپ ان کے درمیان موجود تھے اور نہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ انہیں عذاب دے۔ لیکن اب وہ کیوں نہ ان پر عذاب نازل کرے جب وہ مسجد الحرام کا راستہ روک رہے ہوں۔ حالانکہ وہ اس کے جائز متولی نہیں ہیں---------

(اے رسول!) آپ ان سے کہیں کہ اگر یہ اب بھی باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا، اس سے درگزر کر لیا جائے گا، لیکن اگر یہ اپنی پچھلی روش کا اعادہ کریں گے تو گزشتہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا، وہ سب کو معلوم ہے---------

یاد کرو وہ وقت جب تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔ اگر اس سے پہلے تمہارا مقابلہ ان سے ہو تا تو تم ضرور پہلو تہی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لئے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا ہے، اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے، وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

> اور یاد کرو وہ وقت جب، (اے رسول!) اللہ انہیں تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملے میں بحث شروع کر دیتے۔ لیکن اللہ ہی نے تمہیں اس سے بچایا، وہ سینوں کے حال بہتر جانتا ہے۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے ان کی نگاہ میں تمہیں اور تمہاری نگاہ میں انہیں کم کر دکھایا تا کہ جو بات ہونی ہے، اللہ اسے ظہور میں لے آئے اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔" (الانفال 8:5-44)

سفر سے واپس آ کر میں نے یہ آیات بار بار پڑھیں۔ ان کا مطالعہ میں پہلے بھی کر چکا تھا لیکن یہ مقامات دیکھنے کے بعد جنگ بدر کی صورتحال جس طرح واضح ہوئی، وہ پہلے نہ ہو سکی تھی۔ یقیناً جنگ بدر اللہ کے عذاب کی پہلی قسط تھی جو مشرکین مکہ پر نازل ہوئی۔

مسجد عریش سے نکل کر ہم واپس ہوئے۔ یہاں میری والدہ نے بچوں کے لئے کچھ کھانے پینے کے لئے لانے کو کہا۔ بدر شہر میں ایک بقالے پر گاڑی روک کر میں اترا۔ بقالے کے مالک ایک خان صاحب تھے جن کا تعلق چارسدہ سے تھا۔ وہ پٹھانوں کی روایتی مہمان نوازی کی روایات کے امین تھے۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور چیزوں کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے بصد اصرار انہیں یہ رقم دینے پر آمادہ کیا۔ اس کے بعد وہ مصر ہو گئے کہ ان کے گھر چل کر ہم چائے پئیں۔ ان کی دکانداری کا وقت تھا، اس لئے مجھے یہ مناسب نہ لگا۔ بقالے پر ایک عرب بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ میرا انٹرویو کرنے لگے۔ مجھے جس قدر عربی آتی تھی، ان کے سوالوں کا جواب دیا اور باقی باتوں کے لئے خان صاحب کی خدمات بطور مترجم حاصل کیں۔

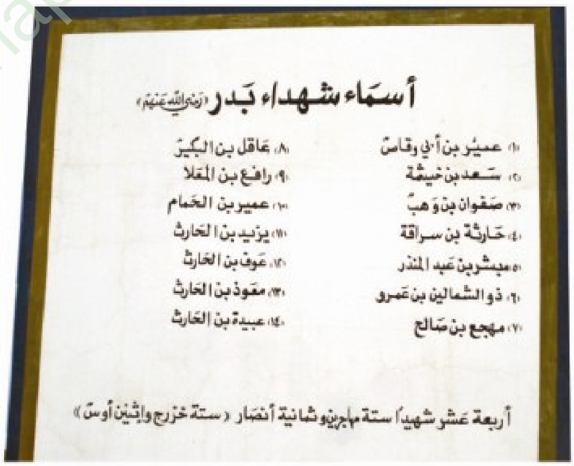
بدر شہر سے نکل کر ہم پھر جدید موٹر وے پر آئے۔ یہ ایک پہاڑی موٹر وے تھی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے موڑ (Curves) اتنے شاندار طریقے سے بنائے گئے تھے کہ 150 کی رفتار سے بھی موڑ کاٹتے ہوئے ذرا بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔ بدر کے بعد الحسینیہ، الخیف، الخرما اور الحمراء کے ایگزٹ آئے۔ یہ چھوٹے موٹے قصبے ہوں گے۔ ایک مقام پر پرانی سنگل روڈ بھی ہمیں اپنے ساتھ ساتھ دوڑتی نظر آئی۔ وادی الجی، المسیجد، الفریش کے قصبوں سے گزرتے ہوئے محض 50 منٹ میں ہم بدر سے مدینہ جا پہنچے۔ حرم نبوی کی حدود سے قبل ہی یہ روڈ طریق الہجرہ پر جا ملی اور اس کے بعد جبل عیر کے پاس پولیس چیک پوسٹ آ گئی جس سے گزر کر ہم مدینہ جا پہنچے۔



بدر کی دیوار پر جنگ کا نقشہ



مسجدِ عریش



شہداءِ بدر کے اسماءِ گرامی

احد

مسجد نبوی سے احد پہاڑ محض دس منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔ مسجد نبوی کے باب فہد سے احد پہاڑ صاف نظر آتا ہے۔ یہاں سے بالکل سیدھی ایک روڈ احد تک جاتی ہے۔ ہم اس کی بجائے خالد بن ولید روڈ سے روانہ ہوئے کیونکہ پارکنگ سے اس کا فاصلہ کم تھا۔ سیکنڈ رنگ روڈ پر پہنچ کر ہم احد کی طرف مڑے اور اس کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہ براؤن رنگ کا پہاڑ ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ پہاڑ کی بلندی کچھ زیادہ نہیں لیکن پھیلاؤ کافی زیادہ ہے۔ احد کے دامن میں چھوٹی سی پہاڑی ہے جو کہ تیر اندازوں کی پہاڑی کے نام سے مشہور ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مرور زمانہ سے یہ پہاڑی گھس کر اب کافی چھوٹی ہو گئی ہے۔

اصلاح کا صحیح طریقہ

پہاڑ کے دامن میں شہدائے احد کا قبرستان تھا جس کے گرد چار دیواری تھی۔ کوئی قبر بھی ایک ہاتھ سے زیادہ بلند نہ تھی۔ قبرستان کی دیوار پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر عربی، انگریزی، اردو اور کئی زبانوں میں زیارت قبور سے متعلق احادیث درج تھیں جن میں قبر پرستی کی مذمت کی گئی تھی۔ اپنے نقطہ نظر کو زبردستی دوسروں پر مسلط کرنے کی بجائے یہ طریقہ کار نہایت ہی موثر ہے۔ اگر کسی شخص پر جبراً اپنا عقیدہ مسلط کیا جائے تو اس سے صرف ضد پیدا ہوتی ہے اور مخاطب اپنے عقیدے پر مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ ایک متعصب شخص کے لئے دوسرے مسلک کے کسی فرد کی بات، ایک دشمن کی بات ہوتی ہے جسے وہ صرف تعصب اور منفی ذہن کے ساتھ سنتا ہے۔

اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی بات کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات کو سامنے رکھ دیا جائے اور فیصلہ اس کے اپنے ضمیر پر چھوڑ دیا جائے۔ مخاطب کو خود سے مختلف کوئی مخلوق فرض کرنے کی بجائے اسے اپنا بھائی سمجھنا چاہئے اور محبت و ہمدردی کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی غلطی اور اس کی اصلاح کے امکان کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے مذہبی لوگ جب دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہم تو حق پر ہیں، غلطی اگر ہے تو مخاطب ہی کے عقیدے یا عمل میں ہو سکتی ہے۔ دعوت دین ایک دو طرفہ عمل ہے۔ اس میں مخاطب کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح بھی مد نظر ہونی چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ مخاطب کا نقطہ نظر درست ہو اور ہمارا غلط ہو۔ اس رویے کو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ "ہم اپنی رائے کو درست سمجھتے ہیں لیکن اس میں غلطی کا امکان تسلیم کرتے ہیں اور مخالف کی رائے کو غلط سمجھتے ہیں لیکن اس کے درست ہونے کا امکان تسلیم کرتے ہیں۔"

اپنا نقطہ نظر مخاطب کو پہنچانے کے بعد اس پر ڈنڈا لے کر مسلط ہونے کی بجائے اسے غور و فکر کا موقع بھی دینا چاہیے۔

جنگ احد

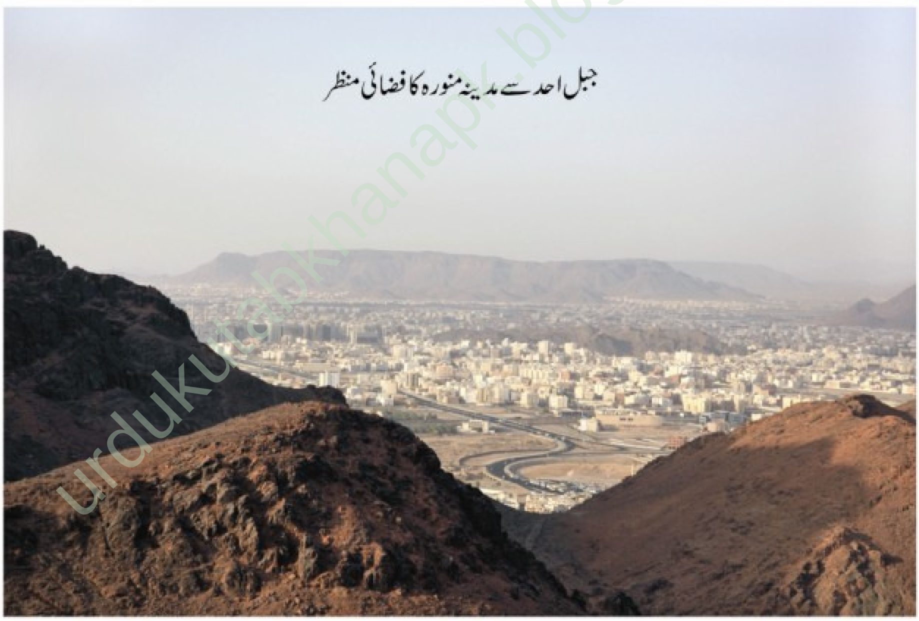
احد پہاڑ اور تیر اندازوں کی پہاڑی کو دیکھتے ہوئے میری آنکھوں کے سامنے جنگ احد کا منظر گردش کرنے لگا۔ جنگ احد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تین سال بعد ہوئی۔ بدر میں کفار کو جب شکست ہوئی تو انہوں نے مکہ جا کر فوراً اگلی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ان کے سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ، جو بعد میں اسلام لائے، نے خود پر لذیذ کھانے حرام کر لئے۔ ایک سال کے بعد 3000 افراد کے لشکر جرار نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ اہل مدینہ میں سے لڑنے والے بمشکل 1000 نکل سکے۔ ان میں سے بھی 300 منافقین تھے جو اپنے سردار عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں راستے ہی میں ساتھ چھوڑ گئے۔

جنگی پلاننگ کے سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ نوجوان صحابہ کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم أَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ کے قرآنی حکم پر پوری طرح عمل کرنے والے تھے۔ آپ ایسے معاملات میں، جن کا تعلق وحی سے نہ تھا، خود سے اختلاف رائے کی اجازت بھی بخوشی دیا کرتے تھے۔ کاش ہمارے راہنما آپ کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کریں، جن سے اختلاف رائے کرنے والے کو زندیق، کافر، گستاخ اور منکر کا خطاب دیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن ابی اس بات پر ناراض ہو کر اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی رائے نہیں مانی تھی۔

مدینہ سے نکل کر آپ نے احد پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا اور 50 تیر اندازوں کا ایک دستہ چھوٹی پہاڑی پر متعین کیا تا کہ آپ کے لشکر کی پشت محفوظ ہو جائے۔ جب کفار کا لشکر سامنے آیا تو پہلے ہی حملے میں سیدنا ابوبکر، عمر، علی، ابودجانہ، ابوعبیدہ اور حمزہ رضی اللہ عنہم نے کفار کے چھکے چھڑا دیے اور وہ بیس افراد کے قتل کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسلامی لشکر ان کا مال و اسباب لوٹنے لگا اور اس میں پہاڑی پر متعین تیر اندازوں کا دستہ بھی آ کر شریک ہو گیا۔ اس غلطی کے نتیجے میں ان کی پشت غیر محفوظ ہو گئی۔

لشکر کفار میں شامل نوجوان خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ)، جو ابھی ایمان نہ لائے تھے اور جنگ حکمت عملی (War Tactics) کے میدان میں سپر جینئس کی حیثیت رکھتے تھے، واپس پلٹے اور اسی پہاڑی درے سے ہو کر اسلامی لشکر پر پیچھے کی جانب سے حملہ آور ہوئے جس سے اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس کا فائدہ اٹھا کر سامنے سے بھاگنے والے کفار بھی پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔ اب مسلمان دو طرف سے نرغے میں آ گئے اور یکایک 70 صحابہ جام شہادت نوش کر گئے جن میں سب سے نمایاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔





پتھراؤ کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔ سیدنا ابوبکر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کی۔ یہ مشہور ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس پر بعض لوگوں نے ایمان ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ کچھ دیر بعد کفار کا لشکر اگلے سال بدر کے میدان کا چیلنج دے کر واپس ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچی

کبھی طاقت جمع کر کے ان کا پیچھا کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر تھکن سوار کر دی اور وہ مڑ کر مقابلے پر نہ آئے۔

غزوہ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کا قانون دینونت پوری طرح کارفرما نظر آتا ہے۔ اس قانون کو ایک اسکالر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگر ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہو جائے کہ اگر ہم نماز پڑھیں تو فوراً ہزار روپے ملیں اور اگر نہ پڑھیں تو فوراً ایک کوڑا پڑے تو ظاہر ہے کہ ہم میں سے کوئی نماز ترک نہ کرے گا۔ یہ معاملہ ہمارے ساتھ نہیں ہوتا۔ ہماری نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا ہمیں آخرت میں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم کی دونوں شاخوں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے ساتھ اسی دنیا میں یہ معاملہ کیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے لے کر آج تک کی بنی اسرائیل کی تاریخ اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے لیکر آج تک بنی اسماعیل کی تاریخ، اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کے ساتھ بحیثیت قوم دنیا میں جزا و سزا کے معاملات کئے گئے ہیں تاکہ یہ دوسری قوموں کے لئے عبرت کا باعث بنیں اور انہیں آخرت پر یقین حاصل ہو۔

بنی اسرائیل جب نیکی پر کاربند ہوئے تو دنیا ان کے سامنے مفتوح ہو گئی۔ ان کی سلطنت عراق سے لے کر افریقہ تک پھیل گئی اور دنیا کے بڑے بادشاہ ان کے باجگزار ہوئے۔ جب انہوں نے برائی کا راستہ اختیار کیا تو نبوکد نضر سے لے کر ٹائٹس اور آخر کار ہٹلر جیسے حکمران ان پر مسلط ہوئے جنہوں نے ان کا قتل عام کیا۔ بعینہ یہی معاملہ بنی اسماعیل کے ساتھ ہوا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پیروی کی تو انہیں دنیا میں اس کی جزا ملی اور اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر ان کے سامنے مفتوح ہوئے، یہاں تک کہ بلوچستان سے لے کر مراکش تک کے علاقے محض چند سال میں ان کے زیر نگیں آ گئے لیکن جب انہوں نے کوئی غلطی کی تو اسی دنیا میں انہیں اس کی سزا بھگتنا پڑی۔

چونکہ احد میں بنی اسماعیل کے لشکر کے ایک اہم حصے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی، اس لئے انہیں اس کی سزا فوراً ملی اور انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انہیں اپنی مردانہ آبادی کے دس فیصد حصے سے ہاتھ دھونا پڑے۔ قرآن مجید نے اسے اس طرح بیان کیا ہے:

> دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ آزمانا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (حق کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اور وہ اس آزمائش کے ذریعے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کفار کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔
>
> کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو آزمایا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات

تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی۔ لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

محمد محض اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے، انہیں وہ جزا دے گا۔ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔۔۔۔

اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہ ہوئے، انہوں نے کمزوری نہ دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہ ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہی تھی، 'اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے در گزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے۔ ہمارے قدم جما دے اور کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔' آخر کار اللہ نے ان کو دنیا میں (سر فرازی کی صورت میں) بدلہ بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت میں عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل والے لوگ پسند ہیں۔۔۔۔

اللہ نے (مدد کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا، وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم تم ہی ان لوگوں کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت)، تم اپنے امیر کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کفار کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔

یاد کرو جب تم بھاگے جا رہے تھے۔ کسی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہے تھے۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تمہیں رنج پر رنج دیے تاکہ آئندہ کے لئے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو، اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔ ایک دوسرا گروہ جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا۔۔۔۔

تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے، ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کے باعث شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت در گزر کرنے والا اور بردبار ہے۔۔۔۔

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کے پکار پر لبیک کہا، ان میں سے جو اشخاص نیک اور پرہیز گار ہیں، ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ (آل عمران 3:140-172)

عجوہ کھجور

احد کے دامن میں بہت سے ریڑھی والے کھڑے کھجوریں بیچ رہے تھے۔ یہاں کئی افریقی خواتین نے زمین پر بہت سی اشیا کی دکانیں لگائی ہوئی تھیں جہاں وہ مکمل باپردہ لباس میں چیزیں بیچ رہی تھیں۔ ریڑھیوں پر جابجا بہت سی جڑی بوٹیاں بک رہی تھیں۔ بیچنے والے ان جڑی بوٹیوں سے مخصوص زنانہ امراض سے لے کر دل کی بیماریوں کے علاج کا دعویٰ کر رہے تھے۔ مجھے چونکہ ان کے خواص کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اس لئے میں نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔

پورے عرب میں سب سے سستی اور اعلیٰ کوالٹی کی کھجوریں مدینہ منورہ میں ملتی ہیں۔ ایک ریڑھی والا "عجوہ، عجوہ" کی آواز لگا رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس عجوہ کھجور ہے جو دوسری اقسام کی کھجور کی نسبت دوگنی قیمت پر فروخت ہو رہی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عجوہ بہت پسند تھی۔ میں نے بھی آدھا کلو عجوہ خریدی۔ یہ عام کھجور سے کافی چھوٹی تھی اور اس میں گٹھلی بھی برائے نام ہی تھی۔ اس کا ذائقہ بھی بہت مختلف تھا۔ یہاں یہ خاصی سستی دستیاب ہوگئی ورنہ مسجد نبوی کے پاس تو یہ پچاس ساٹھ ریال فی کلو کے حساب سے بکتی ہے۔

یہاں سے رخصت ہو کر ہم نے گاڑی پر احد کے گرد ایک چکر لگایا۔ یہ پورا علاقہ کھجور کے فارمز سے بھرا ہوا تھا۔ درختوں پر کھجور کے زرد خوشے لٹک رہے تھے۔ یہ زرد کچی کھجور پنجاب اور سندھ میں 'ڈوکے' کہلاتی ہے۔ احد کے آخری کونے پر مدینہ کی تیسری رنگ روڈ گزر رہی تھی۔ ہم اس پر احد کے دوسری طرف آ گئے۔ دوسری جانب یہ پہاڑ عمودی چٹانوں پر مشتمل تھا۔ تیسری رنگ روڈ اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی شہر کے گرد گھوم رہی تھی۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ تیسری رنگ روڈ حرم مدینہ کی باؤنڈری پر بنائی گئی ہے۔ جمعہ کی نماز کا وقت قریب تھا۔ رنگ روڈ کا چکر لگا کر ہم لوگ علی بن ابی طالب روڈ پر آ گئے جو سیدھی مسجد نبوی تک جا پہنچتی ہے۔

خندق

عصر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کر کے ہم لوگوں نے غزوہ خندق کے مقام کا قصد کیا۔ مسجد نبوی میں ایک پاکستانی صاحب سے، جو مدینہ ہی میں رہتے تھے، میں نے خندق کے مقام کا پوچھا۔ انہوں نے تفصیل سے راستہ سمجھا دیا۔ یہ مسجد نبوی سے محض چار کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ یہ مقام "بئر سبع" کہلاتا ہے۔ یہاں سات مساجد ہوا کرتی تھیں جو مختلف صحابہ سے موسوم تھیں۔

اب اس مقام پر ان مساجد کو شہید کر کے ایک ہی بڑی مسجد کی شکل دی جا رہی تھی۔ یہاں کے مقامی لوگوں کے مطابق خندق عین اس جگہ کھودی گئی تھی جہاں اب سڑک بنی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے جنگ کے کچھ عرصے بعد یہ خندق بند کر دی گئی ہو گی تاکہ عام لوگوں کو آمد و رفت میں مشکل نہ ہو۔ یہ خندق مدینہ کے دو اطراف میں کھودی گئی تھی جہاں سے کفار کی آمد کا خطرہ تھا۔ باقی دو اطراف میں پہاڑ کچھ اس طرح موجود ہیں کہ وہاں سے کسی بڑے لشکر کی آمد ممکن ہی نہیں۔

جنگ خندق، مدینہ پر کفار مکہ کی تیسری اور آخری چڑھائی تھی جو جنگ احد کے دو سال کے بعد ہوئی۔ اس مرتبہ کفار قریش نے عرب قبائل کو ملا کر 10000 کا لشکر تیار کیا۔ ان قبائل میں بنو غطفان، مرہ، اشجع، سلیم اور اسد شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عرب میں اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی نہ بنا تھا۔ اتنے بڑے اجتماع کی وجہ سے اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے یعنی لشکروں کی جنگ۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا قلع قمع کر کے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جائے لیکن انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ ان کا مقابلہ اللہ کے رسول سے ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔

اس مرتبہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خندق کھود کر دفاعی حکمت عملی اختیار کی۔ دعوت دین کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد دو سال میں اب 700 سے بڑھ کر 3000 ہو چکی تھی۔ ان افراد نے دن رات کی محنت کر کے خندق کھودی۔ مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ بیان کرتے ہیں کہ دس دس افراد کی جماعت کو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد کیا گیا۔ ان 300 ٹیموں نے مل کر 6000 گز یعنی تقریباً چھ کلومیٹر لمبی خندق کھودی۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ محض جنگ میں لڑنے ہی کا نام نہیں بلکہ جنگ کی ہر طرح کی تیاری بھی جہاد کا حصہ ہے۔ جہاد میں لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے والے بھی اسلام کی نظر میں مجاہدین فی سبیل اللہ ہوتے ہیں لیکن جہاد اسلام کے نزدیک، ظلم کے خلاف ایک منظم حکومت کی کاروائی ہوتی ہے نہ کہ افراد یا گروہوں کی پھیلائی ہوئی بدنظمی۔

خندق کی وجہ سے کوئی بڑی لڑائی در پیش نہ ہوئی۔ کفار کے لشکر کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بیک وقت اس خندق کو پھلانگ سکیں۔

ان کا محاصرہ طویل ہوتا گیا۔ عرب کے مشہور جنگجو عمرو بن عبدود نے ایک مقام سے خندق پھلانگ لی اور اسلامی لشکر کے سامنے آ گیا۔ یہ شخص اپنی بہادری و شجاعت اور حربی مہارت کے باعث 1000 سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔





اس سڑک کی جگہ پر خندق واقع تھی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، جو اس وقت 28 برس کے تھے، اس کے مقابلے پر آئے۔ آپ سے تعارف پر وہ کہنے لگا، "تم ابھی بچے ہو

اور میرے دوست کے بیٹے ہو، میرے مقابلے پر نہ آؤ، خواہ مخواہ مارے جاؤ گے۔" آپ نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد کسی کو خندق عبور کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس حکمت عملی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنگی قوت کا توازن مخالف کے پلڑے میں ہو تو دوبدو مقابلے سے بچنا (Avoidance) بہترین حکمت عملی ہوا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے لیڈر اس حکمت عملی کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور ہر موقع پر ممولے کو شہباز سے لڑانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ پوری قوم کو تو یہ درس دیتے ہیں البتہ اپنی اولاد کو ان معاملات سے دور رکھتے ہیں۔

یہود کے قبیلے بنو قریظہ کا اہل اسلام سے یہ معاہدہ تھا کہ وہ ان سے جنگ نہ کریں گے۔ اس موقع پر انہوں نے بدعہدی کی اور پیچھے سے مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر اللہ تعالی کی مدد آئی۔ اس نے حملہ آوروں میں سے ایک اہم شخصیت صاحب نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ کا ذہن تبدیل کیا اور وہ ایمان لے آئے۔ انہوں نے مشرکین اور بنو قریظہ کے مابین ایسی غلط فہمیاں پیدا کیں کہ ان کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد آندھی و طوفان کی صورت میں نازل کی جس کے نتیجے میں شدید سردی ہو گئی اور کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ لشکر کے سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ، جو ابھی ایمان نہ لائے تھے، ایسے بدحواس ہوئے کہ بندھے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر اسے بھگانے لگے۔ جب رسی نے آگے بڑھنے نہ دیا تو اپنی تلوار سے رسی کاٹ کر اونٹ کو آزاد کیا۔ اس جنگ کے بعد بنو قریظہ کی بدعہدی کی سزا دی گئی اور ان میں سے ایک گروہ کو قتل اور دوسرے کو جنگی قیدی بنایا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تمہیں نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب وہ اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت اہل ایمان خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا دیے گئے۔
>
> یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کئے تھے، وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا، 'اے اہل یثرب! تمہارے لئے اب ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔' جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے یہ کہہ کر رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں، حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے۔ دراصل وہ (محاذ جنگ سے) فرار ہونا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اس وقت انہیں فتنے کی دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انہیں شریک فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی۔۔۔۔
>
> درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ سچے مومنوں نے جب حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے، 'یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے

رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی۔' اس واقعہ نے ان کی ایمان اور سپردگی کو اور بڑھا دیا۔۔۔۔

> اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا اور وہ کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر اپنے دل کی جلن لئے یونہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔ اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جہاں تم نے کبھی لشکر کشی نہ کی تھی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الاحزاب 33:9-27)

یہ جنگ 5ھ میں ہوئی۔ اس جنگ کے بعد مشرکین عرب کبھی اہل اسلام پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ اگلے سال یعنی 6ھ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم 1500 جانثاروں کی معیت میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اہل مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر صلح ہو گئی۔ یہودی جو مدینہ پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے، 7ھ میں جنگ خیبر کے نتیجے میں مغلوب ہوئے۔ اس کے بعد اہل مکہ نے حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور 8ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے 10000 قدوسیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ فتح کر لیا۔

9ھ میں پورے عرب سے قبائل کے وفود نے آ کر اسلام قبول کیا۔ اسی سال سورہ توبہ نازل ہوئی جس میں عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو نہ ماننے کے باعث اللہ تعالیٰ کے عذاب کی آخری قسط نازل ہوئی۔ مشرکین کی سزا موت اور اہل کتاب کی سزا جزیہ مقرر کی گئی۔ مشرکین کی سزا پر وسیع پیمانے پر عمل درآمد نہ ہو سکا کیونکہ اہل عرب نے عذاب سے قبل ہی ایمان قبول کر لیا البتہ اہل کتاب پر جزیہ کی سزا نافذ کی گئی اور وہ عرب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو کر رہ گئے۔

10ھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حج ادا کیا جس موقع پر پورا عرب اسلام کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ اس کے بعد 11ھ میں آپ وفات پا گئے۔ آپ کے بعد محض دس بارہ سال کے عرصے میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں مغلوب ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے وہ پورا علاقہ بنی اسماعیل کے تسلط میں دے دیا جسے تورات میں اولاد ابراہیم کی میراث کہا گیا ہے۔

ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت کی متمدن دنیا کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے علمبرداروں کی حکومت قائم کی جائے تا کہ اس زمانے کی دنیا کی دیگر اقوام جزا و سزا کے اس قانون کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکیں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو سکے۔ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے جزا و سزا کا یہ واقعہ قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا ہے جس کی تاریخی حیثیت میں اس کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ اس طرح پوری نسل انسانی پر اللہ کی حجت پوری کر دی گئی ہے۔ اب یہ انسان کی مرضی ہے کہ وہ ان واقعات کو محض تاریخ سمجھ کر نظر انداز کر دے یا پھر اس سے آخرت کی جزا و سزا کا قانون اخذ کر کے اپنی دنیاوی زندگی کو آخرت کی تیاری پر لگا دے۔

طائف

طائف سعودی عرب کا گرمائی دار لحکومت ہے۔ گرمیوں میں جب ریاض میں درجہ حرارت 55 ڈگری سینٹی گریڈ پر پہنچ جاتا ہے تو شاہی خاندان طائف میں منتقل ہو جاتا ہے۔ شدید گرمی میں بھی یہاں درجہ حرارت 35 ڈگری سے زیادہ نہیں بڑھ پاتا۔ ایک پہاڑی مقام ہونے کے علاوہ اس کی اپنی تاریخی اہمیت بھی ہے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ سے گہرا تعلق ہے۔

دور جاہلیت میں اس شہر کا شمار مکہ کے بعد عرب کے اہم ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ یمن سے آنے والی دو تجارتی شاہراہوں میں سے ایک پر طائف واقع تھا۔ مکہ کے کئی رئیسوں نے یہاں اپنے فارم ہاؤس بنائے ہوئے تھے۔ شہر میں بنو ثقیف اور بنو ہوازن کے قبائل آباد تھے۔ اس کے اطراف میں بنو سعد آباد تھے جن کی آبادی طائف سے لے کر مکہ کے ایک طرف سے ہوتی ہوئی حدیبیہ تک جاتی تھی۔

اس شہر کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کئی طرح کی نسبت ہے۔ آپ کا بچپن اسی شہر کے اطراف میں بنو سعد کے علاقے میں گزرا۔ انہی سرسبز پہاڑیوں میں دوڑ کر آپ بچپن سے لڑکپن کی حدود میں داخل ہوئے۔ اسی شہر کے قریب سیل کبیر کے علاقے میں آپ کی نوجوانی کی عمر میں جنگ فجار ہوئی جس میں آپ بھی کسی حد تک شریک تھے۔ آپ کی دعوتی زندگی کا سب سے تکلیف دہ وقت بھی اسی طائف میں گزرا جب یہاں کے اوباشوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کی اور آپ نے اس کے جواب میں بھی دعا ہی دی۔ غزوہ حنین اور غزوہ طائف بھی اسی علاقے میں وقوع پذیر ہوئے جن کے بعد کوئی بڑی جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں سامنے نہ آئی۔

طائف کے سفر کے لئے ہم نے جمعہ کے دن کا انتخاب کیا کیونکہ اس دن چھٹی تھی۔ صبح فجر کے بعد نیند کا دوسرا راؤنڈ چلا کیونکہ یہاں پر مجھے صرف ایک ہی ہفتہ وار چھٹی دستیاب ہوتی تھی۔ تقریباً ساڑھے دس بجے آنکھ کھلی اور میں نے اپنی فیملی کو جگایا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ تیار ہو کر نکل چکے تھے۔ اس وقت جمعہ کی نماز کے لئے پہلی اذان دی جا رہی تھی۔ سعودی عرب میں یہ رواج ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان زوال سے قبل ہی دے دی جاتی ہے۔ زوال کے فوراً بعد دوسری اذان ہوتی ہے اور امام صاحب خطبہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد نماز ہوتی ہے۔ ایک بجے تک سب لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جمعہ کی نماز راستے میں ادا کریں گے۔

آدھے گھنٹے میں ہم لوگ حدیبیہ یا شمیسی کے مقام پر جا پہنچے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں صلح حدیبیہ ہوئی تھی۔ کئی سو سال کے بعد اس مقام کا نام شمیسی پڑ گیا۔ یہاں سے طائف کے لئے ایک بائی پاس بنا ہوا ہے۔ غیر مسلم اسے کرسچن بائی پاس کہتے ہیں۔ اس مقام سے طائف جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہی کرسچن بائی پاس ہے اور دوسرا راستہ حرم مکہ کی حدود کے اندر مکہ کے تیسرے رنگ روڈ سے ہوتا ہوا طائف کی طرف جاتا ہے۔ مکہ میں داخل ہو کر دائیں جانب تیسرے رنگ روڈ پر مڑ جائیے۔ مزدلفہ کے قریب ایک مقام پر

دائیں جانب طائف جانے کا راستہ نکلتا ہے۔ کرسچن بائی پاس بھی اسی روڈ پر آملتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ مکہ کے اندر کا راستہ نسبتاً جلد طے ہو جاتا ہے کیونکہ کرسچن بائی پاس زگ زیگ پہاڑیوں سے گزر کر آتا ہے۔ طائف جانے کا ایک تیسرا طویل راستہ مکہ سے براستہ سیل کبیر طائف کی طرف جاتا ہے۔

کرسچن بائی پاس

اس مرتبہ ہم نے کرسچن بائی پاس کا انتخاب کیا۔ حدیبیہ سے تھوڑی دور چلے تھے کہ گھنے سبزے میں ڈھکی ہوئی ایک وادی نظر آئی۔ اس بے آب و گیاہ، وادی غیر ذی زرع میں اتنا سبزہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ یہ ویسے ہی صحرائی پودے ہیں جو کراچی اور حیدر آباد کے درمیان نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ اتنے گھنے تھے کہ ان کے بیچ میں زمین دکھائی نہ دے رہی تھی۔ غالباً اس کی وجہ طائف کے پہاڑوں سے آنے والا پانی تھا۔ ذرا سی نمی ملنے پر یہ جھاڑیاں بہت تیزی سے پھیلتی ہیں۔

تھوڑا سا آگے جا کر سیاہ پہاڑ نظر آئے جنہیں چوٹی تک سنہری ریت نے ڈھانپا ہوا تھا۔ کہیں کہیں سیاہ چٹانوں کے کونے باہر نکلے ہوئے تھے۔ یہ جگہ وادی ملکان کہلاتی ہے۔ یہاں وسیع ریتلے میدان میں ہر سائز کے بے شمار اونٹ چر رہے تھے۔ ان کی خوراک وہی صحرائی پودے تھے۔ اس علاقے میں صدیوں سے یہی منظر نظر آتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں بھی ایسا ہی منظر ہوتا ہو گا جہاں آپ اپنے بچپن اور لڑکپن میں بکریاں اور اونٹ چراتے ہوں گے۔

دور نوکیلی پہاڑیوں کا ایک سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ ان میں سے ایک پہاڑی بالکل شہادت کی انگلی کی طرح سب سے الگ تھلگ سیدھی کھڑی تھی۔ یہ ایک نہایت ہی خوبصورت منظر تھا۔ تھوڑا سا آگے جا کر ایک فیکٹری آئی۔ نجانے یہ کس چیز کی فیکٹری تھی۔ اس سے تھوڑا سا آگے ایک چھوٹا سا ائر پورٹ تھا جو صرف ایک چھپر اور ایک رن وے پر مشتمل تھا۔ غالباً یہ پرائیویٹ ائر پورٹ تھا۔ چھپر کے نیچے ننھے منے جہاز کھڑے تھے جن میں سے کئی ٹو سیٹر تھے۔ اس قسم کے جہاز میں نے اسلام آباد ائر پورٹ پر بھی دیکھے تھے۔ وہاں یہ عموماً مختلف ممالک کے سفارت خانوں کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اب ہم وادی ام دوحہ میں داخل ہو گئے۔ ایک مسجد پر نظر پڑتے ہی میں نے جمعہ کی نماز کے لئے گاڑی روک دی۔

اس روڈ پر خاصے گمراہ کن بورڈ لگے ہوئے تھے۔ ایک بورڈ پر راستے کو آگے جا کر بند دکھایا گیا تھا۔ میں سارا راستہ اسی شش و پنج میں گاڑی آہستہ چلاتا رہا کہ کہیں اچانک روڈ بند نہ ہو جائے۔ ایک مقام پر طائف کا بورڈ لگا ہوا تھا اور تیر کا رخ مکہ کی جانب تھا۔ دراصل ان دنوں طائف جانے والے اس راستے کو پہاڑ پر دورویہ کرنے کے لئے بند کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ یہ بورڈ لگا دیے گئے تھے مگر راستہ ابھی بند نہ ہوا تھا۔

ان بورڈز سے کنفیوز ہونے کے باعث میں نے کنفرم کرنا ضروری سمجھا۔ مسجد میں بہت سے پاکستانی بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں دوران سفر سعودی عرب کے بہت سے چھوٹے بڑے شہروں سے گزرا ہوں۔ یہ مخلوق مجھے ہر مقام پر نظر آئی ہے۔ شلوار قمیص میں

ملبوس پاکستانی سعودی عرب کے ہر شہر، ہر قصبے اور شاید ہر گاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ نماز کے بعد میں نے ایک صاحب سے طائف کا راستہ کنفرم کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر ایک اور ساتھی سے پوچھ کر انہوں نے مجھے بتایا کہ یہی راستہ سیدھا طائف جائے گا۔

مسجد کے ساتھ ایک بقالہ بھی تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی احساس ہوا کہ میں پنجاب کے کسی گاؤں کی ہٹی پر کھڑا ہوں۔ فرق صرف زبان کا تھا۔ یہاں کئی عرب بدو شور مچاتے ہوئے سامان اکٹھا کر رہے تھے۔ دو عربوں میں کسی بات پر زبردست بحث ہو رہی تھی۔ ایک عرب دکاندار سے قیمت پر جھگڑ رہا تھا۔ یہاں کئی پنجابی دیہاتی بھی تھے جو بدوؤں کے مقابلے میں بہت ڈیسنٹ نظر آرہے تھے۔ اس مسجد میں ارد گرد کے دیہات سے لوگ گروپوں کی صورت میں کھلی ہائی لکس گاڑیوں کے پیچھے بیٹھ کر بلکہ لٹک کر نماز جمعہ کے لیے آئے تھے۔ بچوں کے لئے کولڈ ڈرنکس لے کر میں واپس آگیا اور ہم نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا۔

عرفات اور عکاظ کا بازار

تھوڑا سا آگے جا کر بائیں جانب ہمیں میدان عرفات نظر آیا۔ اس میدان کی خاص پہچان اس میں لگا ہوا سبزہ ہے۔ حج کے دنوں میں یہاں ہر طرف سفید رنگ ہی نظر آتا ہے جو حجاج کے احرام کا رنگ ہے۔ اس وقت یہ میدان ویران پڑا تھا۔ اس جانب حرم کی حدود یہیں ختم ہوتی ہیں۔ اب ہم مکہ طائف موٹر وے پر پہنچ چکے تھے جو کہ منیٰ سے سیدھی یہاں آرہی تھی۔ حج کے بعد اہل عرب "عکاظ" کے میدان میں جا کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ یہ عرب کی سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی جس میں پورے عرب سے تاجر آ کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ عکاظ کا مقام طائف ریاض روڈ پر طائف ائر پورٹ کے قریب واقع ہے۔ عکاظ کے علاوہ ایک اور بڑا بازار 'ذوالمجاز' تھا جو حج سے پہلے لگا کرتا تھا اور اس سے فارغ ہو کر لوگ یہاں سے سیدھے منیٰ جا کر حج کیا کرتے تھے۔

سیل کبیر اور حرب فجار

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مکہ سے طائف جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہی ہے۔ دوسرا راستہ جبل حرا سے شروع ہوتا ہے اور سیل کبیر کے راستے طائف کی طرف جاتا ہے۔ یہ نسبتاً لمبا راستہ ہے اور یہاں سے طائف تک تقریباً سوا گھنٹہ لگتا ہے۔ اس راستے میں پہاڑی سفر والی کوئی تھرل نہیں۔ میں ایک مرتبہ پہلے اس راستے سے طائف جا چکا تھا۔ اس راستے پر خاص بات 'سیل کبیر' ہے۔ یہ دور قدیم سے سیلابوں کی گزر گاہ رہی ہے۔ ان صحرائی پہاڑوں پر کئی کئی سال بارش نہیں ہوتی لیکن جب ہوتی ہے تو پھر سیلاب ہی آتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام سیل کبیر یعنی بڑا سیلاب ہے۔

یہاں عرب کی مشہور تجارتی منڈیاں لگا کرتی تھیں۔ اسی مقام پر مشہور 'جنگ فجار' ہوئی تھی۔ عرب قبائل کے جنگجو مزاج کے باعث جھگڑا ہوا جو بڑھ کر جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس میں ہوازن، ثقیف اور قریش نے حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر اس وقت صرف پندرہ برس تھی۔ چونکہ اس میں قریش حق پر تھے اس لئے آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ آپ نے اپنے چچاؤں کو تیر

پکڑائے البتہ خود عملی جنگ میں حصہ نہ لیا۔

بالآخر جنگ کا اختتام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی کوششوں سے ایک صلح کے معاہدے سے ہوا جس میں شریک ہونے والے کئی افراد کا نام 'فضل' تھا۔ اس وجہ سے یہ معاہدہ 'حلف الفضول' کہلاتا ہے۔ اپنی انسان دوست فطرت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس معاہدے سے اتنی خوشی ہوئی کہ آپ فرماتے، "مجھے یہ معاہدہ سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ محبوب تھا۔"

مکہ سے طائف جانے کا دوسرا راستہ عرفات اور ہدا سے ہو کر طائف جاتا ہے۔ نبوت کے دسویں سال، اپنے دعوتی سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسی راستے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔ یہ مختصر راستہ ہے۔ اس پر سفر کر کے تقریباً پینتیس چالیس منٹ میں طائف پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ راستہ پہاڑی ایڈونچر اور تھرل سے بھرپور ہے۔ اپنے طائف کے سفر سے واپسی کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیل کبیر والا راستہ اختیار فرمایا تھا۔ یہاں وادی نخلہ میں آپ نے کچھ دیر قیام فرمایا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جسے جنات کے ایک گروہ نے سنا اور وہ ایمان لے آیا۔ اسی واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورہ احقاف میں ہے۔ جنات نے آپ سے قرآن سن کر اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کی۔ اس کے بعد جنات کے کئی وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔

مکہ طائف موٹر وے ایک طرف سے تین لین پر مشتمل تھی اور روڈ کی کوالٹی بہت اچھی تھی۔ عرفات سے آگے نکلے تو ہمارے دونوں طرف خوبصورت فارم ہاؤسز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب ہمارے سامنے ایک بہت بڑا پہاڑی سلسلہ نظر آ رہا تھا جو کہ کسی قلعے کی فصیل کی مانند دائیں بائیں پھیلا ہوا تھا۔ دس منٹ میں ہم اس فصیل تک جا پہنچے۔ اس مقام کو میں نے 'ہدا' کے بیس کیمپ کا خطاب دیا۔ اس مقام کی بلندی سطح سمندر سے تقریباً 2000 فٹ ہے۔ بیس کیمپ پر موٹر وے ختم ہو جاتی ہے اور ایک سنگل روڈ کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ یہ روڈ زگ زیگ انداز میں گھومتی ہوئی فصیل نما پہاڑ پر چڑھتی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر 'ہدا' کا مقام ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے 6000 فٹ ہے۔ یہ چڑھائی بیس منٹ میں طے ہوتی ہے۔ ان بیس منٹ میں مکہ سے طائف کی جانب فاصلہ کم نہیں ہوتا لیکن انسان 4000 فٹ کی بلندی کا سفر طے کر لیتا ہے۔

غزوہ حنین

بعض تاریخی روایات کے مطابق غزوہ حنین اسی بیس کیمپ کے قریب کسی وادی میں ہوا تھا۔ یہ وادی تاریخ کی کتابوں میں شہرت نہ پا سکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس جنگ کا مال غنیمت مسجد جعرانہ کے مقام پر تقسیم کیا تھا۔ یہ مسجد سیل کبیر کے راستے کے قریب واقع ہے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جنگ سیل کبیر والی جانب ہوئی ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سرکردگی میں یہ آخری جنگ تھی جس میں باقاعدہ مقابلہ بھی ہوا۔ اس دور کے عرب میں مکہ کے بعد طائف دوسرا بڑا شہر تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم طائف کو فتح کرنے کے ارادے سے وہاں تشریف لے

گئے۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد 12000 ہو چکی تھی جس میں فتح مکہ کے دس ہزار قدوسیوں کے علاوہ مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ اس علاقے میں آباد بنو ہوازن، بنو ثقیف، بنو جشم، بنو نضر اور بعض دوسرے چھوٹے موٹے قبائل مقابلے پر آئے۔ اب وہ وقت نہ تھا کہ کفار کا لشکر اسلامی لشکر کے مقابلے پر زیادہ ہوتا۔ اب لشکر اسلام کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ جاہلیت کے پیروکاروں کی عرب میں اسلام کے خلاف آخری بڑی مزاحمت تھی۔

اپنے عظیم لشکر کے مقابلے میں معمولی سی قوت دیکھ کر بعض افراد یہ کہہ اٹھے، 'یہ کیا ہمارا مقابلہ کریں گے؟'۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ چونکہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ مختلف ہے اس لئے ان کی ہر غلطی کی فوراً اسی دنیا میں ہی پکڑ کی جاتی ہے۔ احد کی طرح یہاں بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو ہوازن نے تیر اندازی شروع کی۔ یہ اتنی سخت تھی کہ اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور چند جلیل القدر صحابہ ثابت قدم رہے۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ، جو فتح مکہ سے قبل کفر کی ہر مزاحمت کے لیڈر تھے، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھوڑے کی لگامیں تھامے سب لوگوں کو جمع ہونے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ہوازن کے تیر ان کی آنکھوں میں لگے اور ان کی آنکھیں شہید ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کی ثابت قدمی کے باعث لشکر دوبارہ اکٹھا ہوا اور اس نے ان قبائل کو شکست دی۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کچھ یوں آیا ہے:

> اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے جیسے حنین کے دن۔ اس روز تم اپنی کثرت تعداد پر اترا گئے مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنوں پر نازل کی اور وہ لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے۔ پھر منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لئے جو حق کا انکار کریں۔" (توبہ 9:24-26)

اس جنگ کے بعد عرب کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا کہ اب اسے دار الاسلام بننا ہو گا۔ ایک سال کے عرصے میں ہی باقی عرب قبائل کے وفود مدینہ حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ صرف دو برس کے اندر مسلمان مردوں کی تعداد 12000 سے بڑھ کر سوا لاکھ تک پہنچ گئی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو 10ھ کے حج میں شریک ہوئے۔ عرب کے وہ افراد جو اس حج میں شامل نہ تھے، اس کے علاوہ ہیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سفر طائف یاد آنے لگا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ صرف سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ ایمان لانے والوں میں سیدنا ابوبکر، خدیجہ اور علی رضی اللہ عنہم کے بعد چوتھے ہیں۔ انہیں بچپن میں کسی بردہ فروش نے اغوا کر کے غلام بنا لیا تھا۔ بعد میں کئی ہاتھوں میں فروخت ہوتے ہوئے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جنہوں نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ نے ان سے غلاموں جیسا برتاؤ نہ رکھا بلکہ اپنے بیٹوں جیسا سلوک کیا۔ ان کے والد انہیں ڈھونڈتے ہوئے آپ تک آ پہنچے اور منہ مانگی قیمت کے عوض ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے جواب دیا، "زید سے پوچھ لو۔ اگر وہ جانا چاہے تو میں کوئی قیمت نہ لوں گا۔" باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی۔ زید نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا در چھوڑنے سے انکار کر دیا اور والد کو بتایا کہ اتنی محبت آپ بھی مجھے نہیں دے سکتے جتنی مجھے حضور نے دی ہے۔ والد بھی مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا۔

عرب میں عام دستور تھا کہ منہ بولے بیٹوں کے ساتھ بالکل حقیقی بیٹوں والا سلوک کیا جاتا۔ انہیں وراثت میں بھی حصہ ملتا جس کی وجہ سے اصل وارث محروم رہ جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زید کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔ ان میں نبھ نہ سکی اور زید کو انہیں طلاق دینا پڑی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سیدہ زینب سے نکاح کرنا پڑا تاکہ اس رسم کا خاتمہ کیا جاسکے۔ قرآن مجید کے مطابق منہ بولے بیٹوں کے ساتھ اگرچہ اچھا سلوک کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے لیکن انہیں اپنے اصل والد کی نسبت ہی سے پکارا جانا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلانہ رسموں کے خاتمے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم کے راہنما خود ان رسموں کو توڑنے کے لئے ذاتی اقدام کریں تاکہ لوگوں کے لئے مثال قائم کی جاسکے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں یہ پہاڑی ٹریک محض ایک تنگ سا راستہ ہو گا جس سے گھوڑے وغیرہ گزرتے ہوں گے۔ بعض روایات کے مطابق آپ پیدل ہی روانہ ہوئے تھے۔ چار ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچنا کتنا مشکل کام رہا ہو گا۔ سفر کی اتنی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود یہ اہل طائف کی بے مروتی کہیے یا سخت دلی کہ ایک غلام کے سوا کسی کو ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی۔

انہوں نے محض آپ کی دعوت سے انکار ہی نہ کیا بلکہ ان کے اوباشوں نے آپ پر پتھر بھی برسائے۔ قریب تھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور یہ امید ظاہر کی کہ ان کی نسل میں اہل ایمان پیدا ہوں گے۔ آپ کی اس امید کے عین مطابق صرف 11 برس بعد اہل طائف نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کی نسل سے کئی مشہور لوگ پیدا ہوئے۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم کا تعلق بھی اسی نسل سے تھا۔

افسوس جس دین کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اتنی تکالیف برداشت کیں اس کی آج اس کے ماننے والوں کے نزدیک قدر نہ رہی۔ اس سے دین کو تو کوئی فرق نہیں پہنچتا البتہ یہ ہماری محرومی کی انتہا ہے۔

ہدا

ہم اب چڑھائی کا سفر طے کرنے لگے۔ 4000 فٹ اوپر ہدا کے مقام سے کیبل کار بیس کیمپ تک آ رہی تھی۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا سنسنی خیز تجربہ ہو گا۔ نیچے ایک فیملی پارک تھا جہاں کیبل کار کا پوائنٹ بنا ہوا تھا۔ دوسرے عرب پہاڑوں کے برعکس یہ پہاڑ کافی سرسبز

تھا۔ راستے میں پانی کے کئی پہاڑی راستے نظر آرہے تھے۔ ہمارے شمالی علاقہ جات کے چشموں کی طرح یہ ہر وقت تو نہ چلتے تھے البتہ بارش کے وقت ان میں ضرور پانی نظر آتا تھا۔ اس وقت یہ خشک تھے۔ روڈ بل کھاتی ہوئی اوپر جا رہی تھی۔

میں اور میری اہلیہ تو پہاڑی سفروں کے عادی تھے لیکن میرے بچوں کے لئے اپنے شعور میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ روڈ کے ایک طرف گہری کھائی کو دیکھ کر ان کا خون خشک ہو رہا تھا جو ہر پل مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اس چڑھائی کو دیکھ کر مجھے مالم جبہ اور شوگران کی چڑھائیاں یاد آئیں۔ یہاں ان کی نسبت سبزہ کافی کم تھا لیکن روڈ ویسا ہی تھا۔ اس روڈ کی کوالٹی بہت اچھی تھی۔ سنگل ٹریک اتنا چوڑا تھا کہ تین گاڑیاں ایک ساتھ گزر سکتی تھیں۔ کھائی والی جانب مضبوط بلاک لگے ہوئے تھے۔ ہماری پہاڑی سڑکوں میں اس معیار کی سڑک 'قراقرم ہائی وے' ہی ہے یا پھر زلزلے سے پہلے کاغان روڈ ہوا کرتی تھی۔ اب اس روڈ کو بھی دورویہ کیا جا چکا ہے۔

ہم آہستہ آہستہ بلند ہوتے چلے جا رہے تھے۔ آٹو میٹک گیئر والی گاڑی اب کچھ دشواری محسوس کر رہی تھی۔ میں نے پہاڑی ٹریکس کے مخصوص گیئرز میں سے پہلا گیئر لگایا۔ انجن کی ریوولیشن میں اضافہ ہوا اور گاڑی ہموار ہو گئی۔ ہم 60 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے بلندی کا سفر طے کر رہے تھے۔ چوٹی پر پہنچنے سے کچھ دیر قبل روڈ ڈبل ہو گئی۔ یہاں پہاڑ کے گرد پل بنا کر روڈ کی توسیع کی گئی تھی۔ جیسے ہی ہم چوٹی پر پہنچے، براؤن رنگ کے ہر سائز کے بندروں کے ایک غول نے ہمارا پرجوش استقبال کیا۔ یہ مسکین صورت بنائے روڈ کے کنارے بیٹھے تھے۔ بچے ان بندروں کو دیکھ کر بہت پرجوش ہو گئے تھے۔ چونکہ یہ بندر روڈ کے دوسری طرف تھے، اس لئے میں یوٹرن لے کر اس طرف آیا۔ یہاں چار ہزار فٹ گہرا بیس کیمپ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر بیس کیمپ سے چوٹی تک ایک عمارت بنائی جائے تو اس کی چار سو منزلیں بن سکتی ہیں۔ یہ عمارت دنیا کی موجودہ بلند ترین عمارت سے چار گنا بلند ہو گی۔

چونکہ لوگ ان بندروں کو کھانے پینے کی اشیا دیتے ہیں، اسلئے یہ سارا دن یہیں براجمان رہتے ہیں۔ کوک کا ٹن کھولنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ یہاں کئی لوگ گاڑیاں روک کر اترے ہوئے تھے۔ کئی اپنے موبائل کیمروں کی مدد سے ان کی تصاویر لے رہے تھے۔ کچھ خواتین بندروں کے درمیان بیٹھ کر تصاویر بنوا رہی تھیں۔ بچے ان کے آگے کھانے پینے کی اشیا پھینک رہے تھے اور بندر انہیں جھپٹنے میں مصروف تھے۔ بعض عرب لڑکے بھی ہاہاہو ہو کرتے آ گئے اور بندروں کو تنگ کرنے لگے۔

ہم پھر گھوم کر ہدا کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ فصیل نما پہاڑ کی چوٹی پر وسیع و عریض میدان تھا جس میں کہیں کہیں چوٹیاں نکلی ہوئی تھیں۔ اس مقام کو 'ہدا' کہتے ہیں۔ اسی میدان میں بیس کلومیٹر کے فاصلے پر طائف کا شہر تھا۔ وادی ہدا کی اصل خوبصورتی اس کا کنارہ ہے جس کے ساتھ ایک دم چار ہزار فٹ کی گہرائی ہے۔ دور گہرائی میں سنہری ریت کے بیک گراؤنڈ میں سیاہ مکہ روڈ نظر آ رہی تھی۔ تھوڑا سا آگے جا کر پھلوں کی بے شمار دکانیں آئیں جن میں بہت ہی ترتیب سے رنگ برنگے پھل چنے ہوئے تھے۔





طائف کے راستے میں ہدا کی چڑھائی

ہدا کے تہہ در تہہ پہاڑوں کا منظر



ذرا سا آگے دائیں جانب ہدا رنگ روڈ نکل رہا تھا۔ یہ نصف دائرے کی شکل کی روڈ تھی جو وادی ہدا کا چکر لگا کر پھر گھوم کر مکہ طائف روڈ پر آملتی تھی۔ ہم بھی رنگ روڈ پر ہو لئے۔ یہیں ایک فائیو سٹار ہوٹل تھا۔ دائیں طرف کئی روڈز نکل رہی تھیں جن پر شوخ رنگوں کے ریزارٹ بنے ہوئے تھے۔ ایک جگہ سعودی ائر فورس کا کوئی سنٹر تھا۔ ایک روڈ کافی اوپر پہاڑوں میں جا رہا تھا۔ ہم اسی پر ہو لئے۔ کافی بلندی پر پہنچ کر روڈ بند ہو رہا تھا۔ یہاں ایک فیملی نے خیمہ لگایا ہوا تھا۔ ہم نے بھی وہیں گاڑی روکی۔ آسمان پر گھنے بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ ہم نے گاڑی کی سن روف اور تمام شیشے کھول دیے۔ بچوں کو وہیں چھوڑ کر میں اور اہلیہ ہائکنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔

وادی ہدا کو اگر سبزہ، خوشبو، خنکی اور گھنے بادلوں کا مجموعہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ پہاڑی ٹریک پر ہمیں بہت سے پرندے دیکھنے کو ملے۔ زمین پر انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کئی افزائش نسل میں مشغول تھے۔ وادی ہدا کی خوبصورتی کو دیکھ کر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم بھی خیمہ خریدیں گے اور سردیوں میں یہاں آ کر شدید سردی اور دھوپ کو انجوائے کریں گے۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑی سی گاڑی بھی یہاں آ پہنچی۔ یہ ایک بڑی جی ایم سی ویگن تھی۔ اس نسل کی ویگنیں پاکستان میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے اندر ایک موبائل ریسٹورنٹ بنا ہوا تھا۔ ہم نے اس سے کون اور کارن فلیکس لئے۔ عصر کی اذان ہو رہی تھی چنانچہ ہم مسجد کی طرف

روانہ ہوئے۔

مسجد کے پاس کافی آبادی تھی۔ ماحول ہمارے شمالی علاقہ جات کے کسی گاؤں کا سا تھا۔ خواتین کا مصلیٰ دوسری منزل پر تھا۔ نماز کے بعد میں نے امام صاحب سے 'مسجد عداس' کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمانے لگے، "وہاں جانا تو گمراہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کی اجازت دی ہے۔" مجھے جتنی عربی آتی تھی، اس کا زور لگا کر میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ اس حدیث پر میرا ابھی ایمان ہے۔ میں یہ سفر ثواب یا زیارت کی نیت سے نہیں بلکہ محض سیاحت کے طور پر کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تعلق رکھنے والے مقامات کے بارے میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ آدمی معقول تھے۔ میری بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے مجھے مسجد عداس کا راستہ بتا دیا۔ قارئین کی سہولت کے لئے میں اس راستے کی تفصیل بھی لکھ رہا ہوں۔

مثناۃ اور مسجد عداس

ہدا سے طائف جانے والی روڈ جب طائف ہی حدود میں داخل ہوتی ہے تو سب سے پہلے طائف کے رنگ روڈ سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ مکمل گول رنگ روڈ نہیں بلکہ نصف دائرے کی شکل میں طائف کے گرد پھیلا ہوا ہے۔ ہم لوگ رنگ روڈ سے دائیں جانب مڑے۔ یہی روڈ سیدھا 'شفا' کی طرف جاتا ہے۔ تھوڑی دور جا کر کنگ عبد العزیز ہسپتال آ گیا۔ اس سے اگلے ایگزٹ سے ہم رنگ روڈ سے نکل کر بائیں جانب شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

تھوڑا دور جا کر مثناۃ کا علاقہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں طائف یہاں آباد تھا۔ روڈ کے اوپر ہی ایک قدیم مسجد نظر آ رہی تھی۔ دار السلام پبلشرز کی شائع کردہ 'اطلس سیرت نبوی' میں اسی مسجد کی تصویر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہی مسجد عداس ہے۔ میں نے قریب کھڑے ایک پانی کے ٹینکر کے پاکستانی ڈرائیور سے مسجد کے بارے میں پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ اصل مسجد عداس آبادی کے اندر ہے۔ چنانچہ ہم لوگ ٹینکر کے پیچھے آبادی میں داخل ہوئے۔

یہ علاقہ اب طائف کا مضافاتی علاقہ ہے۔ پورا علاقہ میں زرعی فارم پھیلے ہوئے تھے۔ آگے گلیاں تنگ تھیں اور ماحول بالکل پنجاب کے دیہات جیسا تھا۔ ہم لوگ گاڑی ایک جگہ کھڑی کر کے پیدل روانہ ہوئے۔ ہمارے دیہات کی طرح لڑکے ٹولیوں کی صورت میں دیواروں بلکہ 'بنیروں' پر بیٹھے تھے۔ سامنے ہی 'مسجد عداس' تھی جو خاصی پرانی ہو چکی تھی۔

روڈ کے کنارے ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ مقامی لوگوں سے میں نے گفتگو کی تو انہوں نے بتایا کہ طائف کے اوباش اس پہاڑی کے پاس چھپے بیٹھے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں پہنچے تو انہوں نے آپ پر پتھر برسائے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم کو ڈھال بنا کر ان پتھروں کو روکنے کی کوشش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور سیدنا زید کافی زخمی ہو کر اس مقام پر آئے جہاں اب مسجد عداس ہے۔ اس زمانے میں یہاں مکہ کے رئیس عتبہ اور اس کے بھائی شیبہ کا باغ ہوا کرتا تھا۔ یہ دونوں وہیں موجود تھے۔

یہ لوگ بھی اگرچہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے لیکن ابو لہب اور ابو جہل کے مقابلے میں کمینی فطرت کے مالک نہ تھے۔ اپنے شہر کے دو افراد کو اس حالت میں دیکھ کر انہیں افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے غلام 'عداس' کے ہاتھ آپ کو انگور بھجوائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی دعوت عداس کے سامنے پیش کی۔ یہ عتبہ کے غلام تھے اور اس باغ کی رکھوالی کیا کرتے تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔ ان کا تعلق نینوا سے تھا۔ جب انہوں نے یہ بتایا تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "وہ تو میرے بھائی یونس بن متی علیہ السلام کا شہر ہے۔" آپ کی دعوت پر عداس رضی اللہ عنہ فوراً ایمان لائے۔

جس مقام پر آپ اور زید بیٹھے تھے، اسی مقام پر بعد میں مسجد عداس بنا دی گئی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ عتبہ اور شیبہ اس بات پر ان سے ناراض ہوئے اور انہیں آپ سے دور رہنے اور اپنے مذہب پر قائم رہنے کی نصیحت کی۔ اس واقعہ کے پانچ سال بعد عتبہ و شیبہ جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے۔ اہل کتاب ہونے کے ناتے عداس اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے اچھی طرح واقف تھے کہ رسول کا مقابلہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ انہوں نے پاؤں پکڑ کر اپنے آقاؤں کو روکنے کی کوشش کی لیکن یہ لوگ مقابلے پر نکلے۔ عتبہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا اور شیبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند رضی اللہ عنہا بھی اسی عتبہ کی بیٹی تھیں۔ اپنے باپ کا انتقام انہوں نے جنگ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا کر لیا لیکن فتح مکہ کے دن وہ اسلام لائیں۔ چونکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ساس ہونے کا شرف بھی حاصل تھا اس لئے آپ کے ساتھ ان کا ہنسی مذاق کئی روایات میں مذکور ہوا ہے۔

غزوہ طائف

مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ پورا علاقہ عتبہ وشیبہ کا باغ تھا۔ اس وقت بھی یہ علاقہ دو تین بڑے بڑے فارم ہاؤسز پر مشتمل تھا۔ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مناظر پھر گردش کرنے لگے۔ اہل طائف کی اس بدتمیزی کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے، "اگر آپ کہیں تو اسی پہاڑی کو اہل شہر پر گرا کر انہیں ہلاک کر دیا جائے۔" آپ نے اس سے منع فرمایا اور امید ظاہر کی کہ ان لوگوں کی نسل میں اہل ایمان ہوں گے۔ اس واقعہ کے ٹھیک 11 برس بعد آپ نے طائف پر چڑھائی کی۔ اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور اہل طائف اپنے حلیف قبائل کے ہمراہ حنین کی جنگ میں شکست کھا کر شہر میں قلعہ بند ہو چکے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے شہر کا محاصرہ کیا۔ اس دوران ان کے رئیس عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتایا کہ ان کی شکل سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی ہے۔ ان کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اہل طائف اسلام لائے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ بعد میں اہل طائف پکے مسلمان ثابت ہوئے۔ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کے خلاف جنگوں میں بھرپور حصہ لیا۔

بنو امیہ کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کا تعلق بھی طائف کے قبیلے بنو ثقیف سے تھا۔ یہ شخص اپنی انتظامی قابلیت کے علاوہ ظلم و

ستم کے لئے مشہور تھا۔ اسی کے بھتیجے محمد بن قاسم تھے جنہوں نے سندھ فتح کیا۔ اپنی انتظامی صلاحیتوں میں یہ اپنے چچا سے بڑھ کر تھے لیکن اس کی ظالمانہ طبیعت کے برعکس یہ نہایت ہی نرم دل تھے۔ ان کی نرمی نے ہندوؤں کا دل جیت لیا۔ یہاں تک کہ بعض ہندو ان کا بت بنا کر انہیں پوجنے بھی لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کا تعلق بھی طائف اور بنو ثقیف سے تھا۔

طائف کی ایک اور مشہور شخصیت ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ایک تابعی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب مملکت ایران کی شر پسندیوں کے جواب میں اس پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو تمام مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اس جہاد میں شرکت کی ترغیب دی۔ یہ ایک نہایت مشکل جنگ تھی۔ ابو عبید وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کھڑے ہو کر اس جہاد میں شمولیت کا ارادہ ظاہر کیا۔ ان کی بہادری کے باعث حضرت عمر نے انہیں اس لشکر کا سالار مقرر کیا جس میں کئی کبار صحابہ بھی شامل تھے۔ اس لشکر کا سامنا جسر کے مقام پر ایرانی فوج سے ہوا۔ دونوں افواج کے درمیان دریائے دجلہ تھا۔ ابو عبید جوش جہاد سے سرشار تھے۔ انہوں نے ایک جنگی غلطی کی اور دریا پار کر کے دشمن کے مقابلے پر آئے۔ جوش شہادت میں انہوں نے وہ پل بھی توڑ دیا جس سے اسلامی لشکر نے دریا پار کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی کے دماغ میں فرار کا خیال بھی نہ آئے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے لئے جگہ تنگ پڑ گئی۔ جنگی حکمت عملی کے تحت لشکر کو جتنا پھیلنا چاہئے تھا اسے اس کی جگہ میسر نہ آئی جس کے نتیجے میں ایرانیوں نے دباؤ بڑھا دیا۔ اس معرکے میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے جن میں سالار لشکر ابو عبید بھی تھے۔ اس موقع پر مشہور صحابی مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی اور ایرانی لشکر کی یلغار کو روکا۔ انہوں نے لشکر کے ایک حصے کو پل دوبارہ بنانے کا حکم دیا۔ پل بنتے ہی لشکر واپس دریا پار کر گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا جس کا افسوس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک عرصے تک رہا۔ مثنی وہی صحابی ہیں جنہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایران پر حملے کے لیے تیار کیا اور باقاعدہ جنگی کاروائی کا آغاز کیا۔

طائف کی ایک اور مشہور شخصیت مختار ثقفی بھی ہے۔ یہ ان طالع آزما لوگوں میں سے تھا جنہوں نے واقعہ کربلا کا بھرپور سیاسی فائدہ اٹھایا۔ اس نے بنو امیہ کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور چن چن کر قاتلین حسین کو ہلاک کیا۔ اس سے اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعد ازاں اس نے عراق پر اپنا اثر و رسوخ مضبوط کیا اور پھر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت قائم ہوئی تو ان کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس فتنے کا خاتمہ کیا۔

طائف کی تاریخ کے بارے میں سوچتے اور باتیں کرتے ہم لوگ مسجد ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف روانہ ہوئے۔

مسجد ابن عباس

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے چچا عباس کے بیٹے اور مشہور صحابی ہیں۔ آپ کی وفات کے وقت یہ ابھی بچے تھے۔ عبداللہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔ نوجوانی کے عالم میں بزرگ صحابہ کی مجلس مشاورت میں

شریک ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں 'حبر الامۃ' یعنی امت کے بڑے عالم کا خطاب دیا تھا۔ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بصرہ کے گورنر بھی رہے۔ بعد میں آپ نے مکہ میں رہنے ہی کو ترجیح دی۔

جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تو ابن عباس نے انہیں وہاں جانے سے بہت منع کیا۔ یہاں تک کہ جب آپ روانہ ہوئے تو ابن عباس، ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر ساتھ دوڑتے گئے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بعد ازاں، آپ کے اندیشے درست ثابت ہوئے اور اہل کوفہ کی بے وفائی کے باعث آپ کو کربلا میں شہید کر دیا گیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پوری عمر قرآن سمجھنے اور سمجھانے میں گزری۔ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے۔ کسی نے آپ کو طائف شفٹ ہونے کا مشورہ دیا جو آپ نے قبول کیا۔ مکہ کے سخت گرم موسمی حالات کے مقابلے میں طائف ایک پر فضا پہاڑی مقام ہے۔ یہیں آپ کی عمر کے آخری ایام گزرے اور آپ نے وفات پائی۔ جس مقام پر آپ کی قبر تھی، اس کے قریب آپ سے منسوب مسجد تعمیر کی گئی۔ موجودہ طائف میں یہ مسجد، شہر کے مرکز میں واقع ہے اور شہر کے 'فیس لینڈ مارک' کا درجہ رکھتی ہے۔

ٹریفک میں پھنسنے کے باعث ہم لوگ نماز کے کچھ دیر بعد مسجد ابن عباس پہنچے۔ مسجد کی وسیع و عریض پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے ہم مسجد میں داخل ہوئے۔ اتنی بڑی مساجد دنیا میں بہت کم ہوں گی۔ دوسری جماعت میں نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر اب ایک بند کمرے میں واقع ہے جس پر تالہ لگا ہوتا ہے۔ اس کے بعد میں نے احادیث میں مروی زیارت قبور کے لئے پڑھی جانے والی دعا پڑھی۔

میرے کزن ابرار ان دنوں طائف میں مقیم تھے۔ میں نے موبائل پر ان سے مغرب کا وقت طے کیا تھا۔ ان سے بھی یہیں ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں لے کر قریب ہی بخاریہ کے علاقے میں واقع ایک پاکستانی ہوٹل پر لے گئے۔ یہ پٹھانوں کا ہوٹل تھا۔ یہاں کے فیملی ہال میں بیٹھ کر ہم نے کڑاہی گوشت کا آرڈر دیا۔ جب کڑاہی چکھی تو اس کا ذائقہ پشاور کی نمک منڈی کی کڑاہی جیسا معلوم ہوا۔

شفا

طائف کے قریب ہی شفا کا پر فضا مقام ہے۔ طائف کی طرف اپنے پہلے سفر کے دوران ہم 'سیل کبیر' کے راستے طائف پہنچے تھے۔ شہر سے گزر کر ہم شفا کی جانب روانہ ہوئے۔ طائف سے شفا تک دو رویہ فور لین موٹر وے بنی ہوئی ہے۔ جب ہم شفا کے قریب پہنچے تو ایسی چڑھائی نظر آئی جو بالکل سیدھی تھی۔ روڈ کے دونوں جانب گہری کھائیاں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہم ایک ایسی دیوار پر چل رہے ہیں جو بلند ہوتی جا رہی ہے۔ چڑھائی کا اختتام شفا رنگ روڈ پر ہوا۔

وادی شفا ایک نہایت ہی خوبصورت اور پر فضا مقام ہے۔ رنگ روڈ بالکل گول شکل میں وادی کے گرد بنایا گیا ہے اور تمام ہوٹل وغیرہ اس پر واقع ہیں۔ رنگ روڈ سے ادھر ادھر چھوٹی سڑکیں نکلتی ہیں جو مختلف ریزارٹس تک جاتی ہیں۔ ہم لوگ ایک عرب

ریسٹورنٹ پر رکے جہاں کے تمام ملازم پاکستانی تھے۔ میں نے یہاں سے 'مندی' خریدی۔ یہ ہماری 'سجی' سے ملتی جلتی ایک عرب ڈش ہوتی ہے۔ عرب لوگ سالم بکرے کو ذبح کر کے اس کی کھال اتارنے کے بعد دہکتے پتھروں کے درمیان دفن کر دیتے ہیں۔ پتھروں کی گرمی سے گوشت پک جاتا ہے۔ اس کے بعد اس گوشت کے ٹکڑے کر کے روٹی یا بخاری پلاؤ کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔



مسجد ابن عباس، طائف



وہ پہاڑی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگ باری کی گئی، اس کے قریب **مسجد عداس**
جہاں وہ باغ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی، طائف

یہاں کے ہوٹلوں میں بیٹھنے کا رواج نہ تھا۔ ہم نے ہوٹل والے سے برتن مستعار لئے اور کھانا لیکر گھنے سبزے کے درمیان آ بیٹھے۔ ہم لوگوں کے لئے سالم بکرے کا تصور بڑا لذیذ تھا لیکن جب یہ سامنے آیا تو بچوں نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سالم بکرے کا گوشت، اس طرح صاف نہیں ہوتا جیسا کہ ہم عام طور پر کھاتے ہیں۔ اس میں گوشت کے علاوہ چربی، ریشہ اور وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ہمارے قصاب بھائی صاف کر کے دیتے ہیں۔ شاید اسی لئے یہ اسے 'مندی' کہتے ہیں جو پنجابی میں 'چنگی' کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عرب لوگ ہڈیوں کے علاوہ یہ سب کچھ کھا جاتے ہیں۔ ہم نے پکے ہوئے گوشت سے یہ سب آلائشیں صاف کیں اور پھر اسے چاولوں کے ساتھ کھایا۔ سلاد اور سرکے والے اچار کے ساتھ مندی بہت لذیذ محسوس ہوئی۔

مندی کھا کر ہم وادی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لینے لگے۔ پر فضا مقامات پر ہماری دلچسپی ہمیشہ قدرتی ماحول سے رہی ہے۔ ایک روڈ نیچے اتر رہی تھی۔ جب ہم اس پر گئے تو یہ نیچے ہی اترتی گئی۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک اور سرسبز وادی میں تھے۔ ہم نے یہیں ڈیرہ لگانے کا ارادہ کیا۔ بچے وادی میں کھیلنے لگے اور میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ہائیکنگ میں مصروف ہو گیا۔ وادی میں ہر طرف سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ ہمارے شمالی علاقہ جات جیسا علاقہ تو خیر نہیں تھا جہاں پہاڑ مکمل طور پر سبزے سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ البتہ پاکستان میں اسے زیارت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ یہاں سبزے کے بیچ پہاڑوں کا اصل رنگ نمایاں تھا۔ کیمپنگ کے لئے یہ مقام آئیڈیل تھا۔

اب ہم اس وادی سے آگے روانہ ہوئے۔ بل کھاتی ہوئی سڑک اوپر چڑھتی جا رہی تھی۔ راستے میں ایک جگہ رک کر ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ سڑک کا اختتام پہاڑ کی چوٹی پر ہوا جہاں ایک عرب اور ایک خان صاحب کھڑے تھے۔ مجھے گیٹ نظر نہ آیا اور میں گاڑی کو سیدھا اندر لے گیا۔ یہ ان صاحب کا گھر تھا۔ میں نے ان سے بڑی معذرت کی لیکن وہ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ یہ صاحب طائف کے رہنے والے تھے اور انہوں نے یہ گھر اپنی تفریح کے لئے بنایا تھا۔ یہ پہاڑ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ انہی کی ملکیت تھا اور خان صاحب کو انہوں نے بطور نگران یہاں ملازمت دی ہوئی تھی۔

ان صاحب کی فیملی بھی وہیں تھی۔ انہوں نے ہمیں چائے کی بھرپور دعوت دی۔ میں نے معذرت کر لی۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ ہم لوگ نیچے اتر کر ان کا فارم ہاؤس دیکھ آئیں جو ان کے گھر سے تقریباً سو فٹ کی گہرائی میں واقع تھا۔ ہم خان صاحب کے ساتھ وہاں روانہ ہوئے۔ یہ نہایت ہی خوبصورت فارم تھا۔ اس میں بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لئے ایک پختہ تالاب تھا جس سے موٹر کے ذریعے پانی اوپر گھر تک پہنچایا جاتا تھا۔ خان صاحب نے اپنے لئے یہاں ایک کمرہ تعمیر کیا ہوا تھا اور طویل عرصے سے تن تنہا یہیں مقیم تھے۔ ایسے لوگ فطرت کے ماحول میں رہتے ہوئے فطرت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ موسم، دریا، ندی نالے، پہاڑوں اور چٹانوں کی زبان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے حواس بہت تیز ہو جاتے ہیں۔ آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ سے یہ بارش کا اندازہ لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مجھے ایسے کئی لوگ شمالی علاقہ جات میں ہائکنگ کے دوران ملے تھے جو برسوں سے ایک ہی جگہ مقیم تھے۔

مغرب سے ذرا پہلے ہم روانہ ہوئے۔ واپسی کے سفر میں مسجد ملنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ بالآخر ایک مسجد ملی جہاں ہم نے مغرب کی

نماز ادا کی۔ سفر کی افرا تفری کے باعث میں نے مغرب و عشا کی نمازیں جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ مغرب کے بعد میں عشا کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک عرب صاحب آ کر میرے ساتھ کھڑے ہو گئے اور بولے، 'تصلی المغرب۔ (تم مغرب پڑھ رہے ہو؟)' میں انہیں کیا جواب دیتا۔ وہ میرے مقتدی کے طور پر نماز میں شامل ہو گئے۔

میں شش و پنچ میں پڑ گیا کہ میں عشا کی نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ مغرب کی۔ فقہ کے مطالعہ کے دوران ایسا کوئی 'مسئلہ' میری نظر سے نہ گزرا تھا کہ ایسی صورتحال میں کیا کیا جائے۔ میں نے نماز توڑی اور اپنے ساتھی سے کہا، ' اصلی العشاء۔ (میں تو عشا کی نماز پڑھ رہا ہوں)'۔ نماز کے دوران ان صاحب کا قہقہہ نکل گیا۔ نماز توڑ کر وہ بولے، 'کوئی بات نہیں، آپ عشا پڑھیں، میں مغرب کی نیت کرتا ہوں۔' اس کے بعد انہوں نے میری امامت میں مغرب کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد میں نے ان سے راستہ پوچھا، انہوں نے تفصیل بتائی۔

واپسی پر ہم لوگ طائف رنگ روڈ کے راستے براستہ سیل کبیر واپس ہوئے۔ چونکہ اس وقت مجھے ہدا کے راستے کے بارے میں معلومات نہ تھیں اس لئے یہ سفر خاصا طویل ثابت ہوا۔ ایک مقام پر جدہ کے لئے بورڈ لگا ہوا تھا۔ میں سمجھا شاید یہ جدہ جانے کا شارٹ کٹ ہو گا۔ ہم اس پر مڑ گئے۔ یہ ایک تنگ و تاریک پہاڑی روڈ ثابت ہوا۔ ہم مسلسل سفر کرتے رہے اور جدہ مکہ موٹر وے کے انتظار میں رہے۔ تین گھنٹے کے بعد جب ہم بری طرح تھک چکے تھے اور موٹر وے سے بالکل ہی مایوس ہو چکے تھے تو اچانک کہیں سے جدہ نمودار ہو گیا۔ دراصل ہم لوگ مکہ والے قدیم روڈ کی طرف سے جدہ پہنچے تھے۔

بعد میں ایک اور سفر کے دوران میں نے اس راستے کو دیکھنے کے لئے یہیں سے طائف روانہ ہوا۔ یہ اونچے نیچے پہاڑوں سے گزرتا ہوا راستہ ہے جو اولڈ مکہ روڈ کو سیل کبیر سے ملاتا ہے۔ اس راستے پر جموم نامی قصبے کے قریب یہ مکہ اور مدینہ کو ملانے والی طریق الہجرہ کے اوپر سے گزرتا ہے۔

جیزان، فیفا اور ابہا

اگست میں جدہ میں شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ میں ان دنوں دفتر سے چھٹیاں لے کر سعودی عرب میں سیٹل ہونے کی تھکن اتار رہا تھا۔ پاکستان میں عموماً ہر سال گرمی کے موسم میں ہم شمالی علاقہ جات کی طرف جایا کرتے تھے۔ اب یہاں شمالی علاقہ جات کہاں سے لے کر آتے چنانچہ ہم نے جنوبی علاقہ جات کے سفر کا ارادہ کیا۔ جزیرہ نمائے عرب کا جنوب مغربی حصہ، عرب کے شمالی علاقے کی نسبت کافی سرسبز ہے۔ زمانہ قدیم میں یمن، عرب کے سب سے زرخیز اور امیر ترین ممالک میں شمار ہوتا تھا۔ قدیم یمن کا کافی بڑا حصہ اب سعودی عرب میں شامل ہے۔ یہ علاقہ خاصا سرسبز و شاداب ہے۔ اگرچہ سبزہ ہمارے شمالی علاقہ جات جتنا تو نہیں لیکن باقی عرب کے مقابلے میں کافی بہتر ہے۔

ہم لوگ علی الصبح فجر کی نماز کے فوراً بعد روانہ ہوئے۔ بچوں کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ وہ صحرا میں طلوع آفتاب کا منظر دیکھ سکیں۔ ہم لوگوں نے اکثر ساحل پر غروب آفتاب کا منظر تو دیکھا ہی تھا لیکن موجودہ شہری زندگی میں طلوع آفتاب کا منظر ایک خواب سا بن گیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جدید شہری سہولیات نے ہمیں فطرت سے دور کر دیا ہے۔ جدہ رنگ روڈ سے ہم حراج جانے والی سڑک پر مڑے۔ یہ پرانی گاڑیوں کا مرکز ہے اور یہاں بہت سے شوروم واقع ہیں۔ حراج سے ایک سڑک سیدھی جیزان کی طرف نکلتی ہے۔ ہم اسی پر ہو لئے۔

دور قدیم کا تجارتی راستہ

پولیس چوکی سے ہم گزرے تو "جیزان 852 کلو میٹر" کا بورڈ نظر آیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمیں جیزان پہنچنے کے لئے کم و بیش سات آٹھ گھنٹے کی ڈرائیونگ درکار تھی۔ راستے میں آرام کرنے کا وقت خود ہم پر منحصر تھا۔ تہامہ کا وسیع ریتلا میدان ہمارے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے دائیں جانب بحیرہ احمر کا ساحل تھا جو یہاں سے چند کلو میٹر دور ہونے کے باعث نظر نہ آ رہا تھا۔ بائیں جانب صحرائی پہاڑیوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ دور قدیم کا تجارتی راستہ تھا۔ یہاں میرے ذہن میں سورۃ قریش کے الفاظ گونجنے لگے:

> لِإِيلافِ قُرَيْشٍ. إِيلافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ. الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ۔ "چونکہ قریش مانوس ہوئے۔ (یعنی) گرمی اور سردی کے موسموں میں سفر سے مانوس۔ اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔"
> (القریش 106)

قدیم زمانے کی بین الاقوامی تجارت عرب کے راستے ہوا کرتی تھی۔ دنیا میں ایک جانب ہندوستان اور چین کے ممالک تھے جو اپنی

زرعی اور صنعتی پیداوار کے لئے مشہور تھے۔ دوسری جانب روم کی عظیم بازنطینی سلطنت ہوا کرتی تھی۔ دنیا کے ان دونوں کناروں کے درمیان سمندری راستے ابھی پوری طرح دریافت نہ ہوئے تھے۔

ہندوستان اور چین کے ساحلوں سے بحری جہاز مال بھر کر یمن تک آیا کرتے۔ یہاں عرب ان سے مال خرید لیتے۔ یہ مال عرب لے کر شام تک جایا کرتے، جہاں بحیرہ روم کے راستے آنے والے رومی تاجروں کو وہ یہ مال فروخت کرتے۔ اس کے بدلے وہ کچھ مال رومی تاجروں سے خریدتے اور یمن لا کر ہندی اور چینی تاجروں کو بیچ دیتے۔ یمن اور شام کے یہ سفر بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ تجارتی شاہراہ پر طے ہوتے جو اب کوسٹل ہائی وے کہلاتی ہے۔ صرف مکہ کے پاس جا کر قافلے سمندر سے کچھ دور ہوتے کیونکہ مکہ پورے عرب کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں ایران کی ساسانی سلطنت خلیج فارس کے راستے ہونے والی تجارت پر اپنا قبضہ جما چکی تھی اس لئے بحیرہ احمر والا راستہ انتہائی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

اس دور کا عرب بہت سے قبائل پر مشتمل تھا۔ ان میں سے کئی قبائل کا پیشہ ہی لوٹ مار اور راہزنی تھا۔ یہ قبائل تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ قبیلہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قصی بن کلاب کے زمانے تک پورے حجاز میں منتشر تھا۔ قصی نے انہیں مکہ میں اکٹھا کیا اور اطراف عرب سے آنے والے حجاج کی خدمت کا بہترین نظام قائم کیا۔ مکہ میں حج تو سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ قریش کی ان کاوشوں کے نتیجے میں پورے عرب میں ان کی عزت بڑھتی گئی لیکن قریش کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ ان کا گزارا حج کے موقع پر کی جانے والی کمائی پر ہی ہوتا جو پورے سال کے لئے ناکافی تھی۔ ان پر اکثر فاقوں کی نوبت آ جاتی اور بعض افراد فاقوں سے جان دے دیتے۔

قصی کے پوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کو بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینے کا خیال آیا۔ انہوں نے اپنے تین بھائیوں کو ساتھ ملایا اور یمن اور شام کے درمیان تجارت شروع کی۔ انہوں نے گرمی کے موسم میں شام اور سردیوں میں یمن کا سفر کرنا شروع کیا۔ عرب قبائل، حرم سے ان کے تعلق کے باعث ان کا احترام کرتے تھے چنانچہ ان کے قافلوں کو راہزنوں سے کوئی خطرہ پیش نہ آیا۔ ان کی تجارت چمکتی گئی اور قریش کی غربت دور ہو گئی۔

مختلف ممالک کی طرف سفر کرنے اور ان کے لوگوں سے ملنے کے باعث ان کا ذہنی افق (Exposure) وسیع ہوتا گیا اور معاملہ فہمی اور فراست میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ رہا۔ یہ لوگ اس دور کا رسم الخط بھی دوسرے ممالک سے لے آئے جو بعد میں قرآن لکھنے کے لئے بھی استعمال ہوا۔ قریش میں تعلیم عام ہوئی اور ان میں پڑھے لکھے لوگ دوسرے قبائل کی نسبت زیادہ ہونے لگے۔ ایک روایت کے مطابق، عرب کی سرداری جو پہلے حمیر والوں کے پاس تھی، اب قریش کے پاس آ گئی۔ اس سورہ میں انہی احسانات کا ذکر کیا گیا ہے اور قریش کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد ابراہیم و اسماعیل اور ان کے بنائے ہوئے گھر کے خدا کی عبادت کیا کریں اور شرک کی غلاظت سے خود کو بچائیں۔

انسان بڑا ہی ناشکرا واقع ہوا ہے۔ جب اسے مشکل پیش آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن جب اسے خوشحالی عطا ہوتی ہے تو وہ اس کی نافرمانی پر اتر آتا ہے۔ ایسا ہی قریش کے ساتھ ہوا۔ اس خوشحالی نے انہیں اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہونے باوجود اس سے غافل کر دیا۔ جب اللہ نے اپنے آخری رسول کو ان کی طرف مبعوث کیا تو یہ لوگ مقابلے پر کھڑے ہو گئے۔ ان کے صالح عناصر جب ایمان لائے تو انہوں نے ان کا جینا حرام کر دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب مسلمانوں کی تلواروں کی صورت میں مسلط کر دیا۔

سنگل روڈ اور لیفٹ ہینڈ ڈرائیو

مکہ اور مدینہ کی طرح جیزان جانے والی سڑک موٹروے نہیں تھی۔ یہ ایک کافی چوڑی سنگل روڈ تھی لیکن اس کی کوالٹی بہت بہتر تھی۔ پاکستان میں سنگل روڈز کی کوالٹی عام طور پر خراب ہی ہے۔ ایسی اچھی سنگل روڈ میں نے پاکستان میں صرف دو مقامات پر دیکھی ہے: ایک حیدر آباد اور دادو کے درمیان اور دوسری جھنگ اور کبیر والا کے درمیان۔ موٹرویز پر سفر کے بعد مجھے سنگل روڈ پر گاڑی چلانا عجیب سا لگ رہا تھا۔

اس موقع پر مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جن ممالک میں سڑک کے دائیں جانب چلنے کا اصول (Keep Right) اپنایا جاتا ہے، ان میں گاڑیوں کے اسٹیرنگ بائیں جانب کیوں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس (Keep Left) والے ممالک میں اسٹیرنگ دائیں جانب ہوتے ہیں۔ اسٹیرنگ کے دائیں بائیں ہونے سے ڈبل روڈ پر تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن سنگل روڈ پر یہ بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ اگلی گاڑی کو اوورٹیک کرنے کے لئے انسان کو دوسری جانب کے ٹریک پر آنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر اگر ڈرائیور روڈ کے درمیان کی طرف ہو تو اوورٹیکنگ کافی آسان ہو جاتی ہے ورنہ دوسری سمت سے آنے والی گاڑی صحیح طور پر نظر نہیں آتی۔ اس سڑک پر بھی ہم آسانی سے 120 سے 140 کی رفتار پر سفر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی نسبت انسان کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ تجربے سے سیکھتا ہے اور اپنی بنائی ہوئی چیز کو بہتر بناتا جاتا ہے۔ کاش انسان یہی رویہ اپنے اخلاق و کردار کے بارے میں بھی اختیار کر سکے۔

صحرا میں طلوع آفتاب

تھوڑی دور جا کر سورج طلوع ہو گیا۔ ہمارے شرقی جانب پہاڑیوں کے درمیان سے سورج آہستہ آہستہ بلند ہوا اور پھر ہوتا چلا گیا۔ یہ منظر غروب آفتاب سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ فرق صرف سورج کے گرنے اور چڑھنے کا تھا۔ انسان کی زندگی میں بھی یہ مراحل آتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی اس پر زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی کے مسائل سے نمٹتا ہوا کامیابی کا زینہ طے کر کے چڑھتا جاتا ہے۔ پھر اس کا زوال شروع ہوتا ہے اور وہ مسائل کا شکار ہو کر گرتا چلا جاتا ہے۔

انسان کی پوری زندگی عروج و زوال کے فلسفے کی عملی تعبیر نظر آتی ہے۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر اور صبر کا امتحان

ہوتا ہے۔ کامیابی کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر، یہی انسان کی اصل کامیابی کا راستہ ہے جو اسے اس کی اصل زندگی یعنی آخرت میں ملے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی صبر و شکر کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔

ہمارے دائیں بائیں اونٹوں کے بہت سے باڑے شروع ہو گئے۔ سنہری، سفید اور سرخ رنگ کے ہر سائز کے اونٹ بہت خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہر ضرورت کی تکمیل کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے صحرائی سفر کے لئے اونٹ پیدا کئے اور پھر اسے عقل دی کہ وہ اس سے بہتر سواریاں بنا سکے۔ یہ سب چیزیں انسان کو اس کے مالک کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اس ترغیب پر اپنے مالک کا واقعی شکر ادا کرتے ہیں۔

شعیبہ اور ہجرت حبشہ

اب ہمیں سمندر کی جانب بجلی اور پانی کا ایک پلانٹ نظر آنے لگا۔ دور افق پر اس کا سفید دھواں پھیل رہا تھا۔ پورے سعودی عرب میں ساحل کے ساتھ یہ پلانٹ لگے ہوئے ہیں جہاں سے بجلی اور سمندر کا صاف شدہ پانی ملک بھر میں سپلائی کیا جاتا ہے۔ یہ مقام شعیبہ کہلاتا ہے۔ اسی مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک بندرگاہ ہوا کرتی تھی۔ اہل مکہ کے ظلم کی چکی میں پستے ہوئے مظلوم مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حبشہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ یہ لوگ مکہ سے نکل کر شعیبہ آئے اور یہاں سے کشتیوں پر بیٹھ کر ایتھوپیا کے ساحل پر جا اترے۔ وہاں سے یہ حضرات دارالحکومت "اکسوم" پہنچ کر وہیں آباد ہو گئے۔

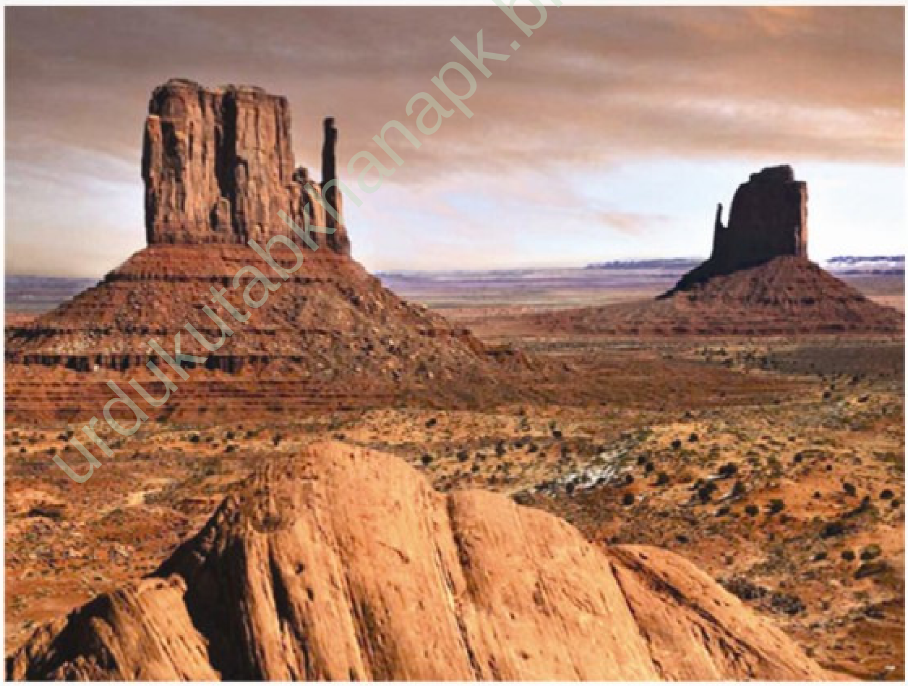
قریش نے عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ)، جو بعد میں اسلام لائے، کی قیادت میں ایک وفد وہاں کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا۔ اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے تفصیل سے اپنے دین کی دعوت نجاشی کے سامنے پیش کی۔ نجاشی ایک انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ طویل عرصہ یہیں رہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ بعد میں مدینہ ہجرت کر گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف عالم کے بادشاہوں کو خط لکھ کر اللہ تعالیٰ کی جانب سے الٹی میٹم دیا تو صرف نجاشی ہی تھے جو ایمان لائے۔ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی نماز جنازہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں پڑھائی۔

ہجرت حبشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین حق کے لئے قربانیوں کی ایک عظیم داستان ہے۔ ہم ان لوگوں کا حق ادا نہیں کر سکتے جنہوں نے اپنی جان پر سختیاں جھیل کر اس دین کو اس کی اصل حالت میں ہم تک پہنچایا۔

بعد میں ایک موقع پر ہم لوگ شعیبہ کا ساحل دیکھنے کے لئے گئے۔ پاور پلانٹ کے قریب یہ ساحل نہایت ہی دلفریب نظاروں پر مشتمل تھا۔ اس مقام پر بعض لوگ سمندر میں غوطہ خوری کا شوق پورا کرتے ہیں۔ شعیبہ کے بعد ہمیں ایک عجیب قدرتی منظر دیکھنے کو ملا۔ ریت پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیلی ہوئی تھی اور چوٹیاں دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے اور اس کی زبان پر یہی جاری ہوتا ہے کہ فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔



شعیبہ کا ساحل (تصویر احمد الفتانی)



شعیبہ (تصویر ادریس شاہ)

سمندر سے نہر

مکہ سے جیزان آنے والی سڑک یہاں ہم سے آملی۔ عین ممکن ہے کہ قریش کے تجارتی قافلے بھی یہیں سے مکہ کے لئے مڑتے ہوں گے۔ اب ہم "لیث" کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ساحلی شہر تھا۔ گاڑی کا میٹر 130 کا ہندسہ دکھا رہا تھا۔ میری گاڑی میں میل بتانے والا میٹر نصب ہے، اس لئے میں یہاں ان میلوں کو کلومیٹرز میں تبدیل کر کے لکھ رہا ہوں۔ لیث، جدہ سے 208 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ہم یہ فاصلہ دو گھنٹے میں طے کر کے یہاں پہنچے تھے۔ اس لئے آرام ضروری تھا۔

گوگل ارتھ پر میں لیث کو تفصیل سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ یہاں ہمارے لئے ایک نئی چیز تھی۔ یہاں بہت سے زرعی فارمز موجود تھے اور سمندر سے ایک نہر نکال کر ان فارمز تک پہنچائی گئی ہے۔ اس پانی کو ٹریٹ کر کے پودوں کے لئے قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ اس نہر کے باعث لیث ہرا بھرا نظر آ رہا تھا۔ ہم سیدھے ساحل تک گئے جہاں ایک خوبصورت پارک بنا ہوا تھا۔ بچے یہاں جھولا جھولنے لگے اور ہم لوگ گھر سے ساتھ لائے ہوئے برگر اور پراٹھے کھانے لگے۔ کچھ دیر بعد ہم نہر کی طرف گئے۔ یہاں گھنے ساحلی جنگلات تھے جو بالکل کراچی کے ہاکس بے اور سینڈز پٹ کے جنگلات سے مشابہ تھے۔ ایک بہت بڑی کریک بھی یہاں موجود تھی۔ کچھ دیر یہاں گزار کر ہم نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا۔

عبرت دلانے والے ڈھانچے

لیث کے بعد ہمیں ریت کے سمندر نے آلیا۔ ایک طویل میدان میں بس ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک چھپر جو شدید گرمی سے بچنے کے لئے مقامی لوگوں نے تعمیر کیا تھا، نصف سے زائد ریت میں دفن ہو چکا تھا۔ شاید اس علاقے میں ریت کے طوفان آتے ہوں گے۔ سڑک کے ساتھ جا بجا گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ یہ حادثوں میں تباہ شدہ گاڑیاں تھیں۔ شاید انہیں عبرت کے لئے روڈ کے کنارے چھوڑ دیا گیا تھا۔

مجھے اس میں عبرت کے دو پہلو نظر آئے: ایک تو غیر محتاط ڈرائیونگ کا انجام اور دوسرا غیر محتاط زندگی کے لئے موت کی وارننگ۔ انسان اگر سفر میں غیر محتاط ڈرائیونگ کرے تو اس کا انجام ایکسیڈنٹ اور پھر موت کی صورت میں نکلتا ہے۔ دوسری طرف اگر انسان غیر محتاط زندگی گزارے تو پھر اچانک موت آ کر اسے اس کی اصل زندگی کی طرف لے جاتی ہے جو اس کے غیر محتاط رویے کے باعث اس کے لئے خوشگوار نہیں ہوتی۔ جو لوگ ذمہ داری سے اپنی زندگی دین اور اخلاق کے مطابق گزارتے ہیں، ان کی اصل زندگی یعنی آخرت بہت خوشگوار ہو گی۔



سمندر میں نہر



گول کھیت

مل بانٹ کر کھانے کی برکت

ہم اب "حمدانہ" سے گزر کر "مظلائف" کے قصبے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے قصبے تھے۔ میں ان لوگوں کی معیشت کے بارے میں سوچنے لگا۔ سعودی عرب کا صرف مشرقی صوبہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے لیکن اس دولت کو بیچ کر جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ پورے ملک کے عوام پر خرچ کی جاتی ہے جس سے پورے ملک میں خوشحالی آتی ہے۔ انسان اگر مل بانٹ کر کھائے تو سب لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں لیکن قوم پرستی کے تنگ نظریے نے انسان کو محدود کر دیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گروہ اللہ

تعالیٰ کی دی ہوئی دولت پر قابض ہیں۔ وہ اسے اپنے مفاد کے لئے خرچ کرتے ہیں اور زمین کے دوسرے حصوں پر موجود ان کے بھائی اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔

مصنوعی کریک

اب ہم "قنفذہ" کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ یہ بھی ایک خوبصورت چھوٹا سا شہر تھا۔ ہم شہر کے اندر داخل ہوئے۔ یہاں بھی لیث کی طرح ساحلی پارک تھا جو زیادہ خوبصورت نہ تھا۔ ہلکے سبز رنگ کا بحیرہ احمر کا پانی نہایت دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ سمندر سے شہر میں ایک مصنوعی کریک بنائی گئی تھی جو کہ ایک بہت بڑی نہر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس کی چوڑائی ہمارے پنجاب اور سندھ کی نہروں سے تین گنا زیادہ تھی۔ دور سمندر میں مچھلیوں کے ٹرالر کھڑے تھے۔ پورے کا پورا ساحل بہت ترتیب سے مصنوعی طور پر تراشا گیا تھا۔ ساحل پر مصنوعی دائرے بنائے گئے تھے جن میں پانی آکر کھڑا ہوا تھا۔ شہر سے ہم نے کھانے پینے کی اشیا خریدیں اور آگے روانہ ہو گئے۔

گول کھیت

اب ہمیں بہت سے فارم ہاؤسز نے آلیا بلکہ زیادہ درست یہ ہے کہ ہم نے انہیں جالیا۔ سعودی عرب کے فارم ہاؤسز کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ بالکل گول شکل کے ہوتے ہیں۔ ایسا ان کے آبپاشی کے نظام کی وجہ سے ہے۔ ہمارے یہاں تو پانی بکثرت پایا جاتا ہے اس لئے اسے ضائع بھی بہت کیا جاتا ہے۔ یہاں چونکہ پانی کی قلت ہے اس لئے آبپاشی کے لئے ایک خاص میکنزم اختیار کیا جاتا ہے۔

اس میکنزم میں پانی کا ایک بہت بڑا پائپ ہوتا ہے جس کے دونوں جانب پہیے لگے ہوتے ہیں۔ درمیان سے یہ پائپ پانی کے مرکزی ذخیرے سے جڑا ہوتا ہے۔ یہ پائپ اپنے مرکز کے گرد گردش کرتا ہے۔ موٹر چلا کر پانی اس پائپ میں لایا جاتا ہے جو اس میں موجود سوراخوں سے باریک دھاروں کی شکل میں باہر گرتا ہے۔ یہ پائپ اپنے پہیوں پر حرکت کرتے ہوئے پورے فارم کو سیراب کرتا ہے۔ چونکہ یہ حرکت دائروی ہوتی ہے اس لئے فارم کا ڈیزائن بھی دائروی شکل کا ہوتا ہے۔ گوگل ارتھ کی سیٹلائٹ تصاویر میں یہ فارم سبز رنگ کے بہت سے گول دائروں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

دائرے والی کریک

سبزے میں سے گزر کر ہم ایک خشک دریا تک جا پہنچے۔ اس کے دونوں کناروں پر چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے جیسا کہ ہمارے تمام دریاؤں پر ہے۔ اس کے بعد ریت کی جگہ سرمئی رنگ کے پتھروں نے لے لی۔ یہاں روڈ سمندر کے بالکل قریب آچکی تھی۔ سمندر کا پانی ایک کریک کی شکل میں موجود تھا جس کے نیلے پانی کو دیکھ کر مجھے اپنے سندھ کی کینجھر جھیل یاد آگئی جہاں ہم کراچی سے تقریباً ہر مہینے جایا کرتے تھے۔ اس کریک کے بعد ایک اور کریک تھی جو بالکل نصف دائرے کی شکل کی تھی۔ ساحل کا کٹاؤ قدرتی طور پر نصف

دائرے کی شکل کا تھا اور بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صناعی واقعی بہت حسین ہے۔ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

تھوڑی دور جا کر ہمیں ایک جیسے بے شمار مکانات نظر آئے جن پر شوخ رنگ کئے گئے تھے۔ تیز گلابی، سرخ، طوطے والا سبز، کھلتا ہوا نیلا، یہ تمام رنگ بہت بھلے لگ رہے تھے۔ دیہاتی کہیں کے بھی ہوں، ان کا مزاج ملتا جلتا ہے۔ انہیں عموماً شوخ رنگ زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ ان مکانات کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جس پر اسی قسم کے رنگ کئے گئے تھے۔ میں نے زندگی بھر اتنی ٹیکنی کلر مسجد نہیں دیکھی۔ اگلا شہر ذھبان تھا۔ اس کے فوراً بعد "القحمہ" کا قصبہ تھا۔ ہم اب 540 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ بھوک بھی لگ رہی تھی اور ظہر کا وقت بھی ہو رہا تھا۔ ہم نے ایک اچھا سا ریسٹورنٹ دیکھ کر گاڑی روک دی۔

اس ریسٹورنٹ کے صحن میں گھنا سبزہ اور پھول اگے ہوئے تھے۔ غالباً رات کو یہاں باربی کیو ہوتا ہو گا۔ ہم فیملی ہال میں جا بیٹھے۔ یہ ایک عرب ہوٹل تھا۔ ایک شوکیس میں مچھلیاں سجی تھیں۔ میں نے 'رہو' سے ملتی جلتی تین مچھلیاں پسند کیں اور ان کے تکے بنانے کا آرڈر دیا۔ فش تکہ کے ساتھ چاول بھی ساتھ آئے۔ عرب لوگ بکروں کی طرح مچھلی کو بھی سالم ہی پکاتے ہیں۔ میری فیملی کو آنکھوں والی مچھلی سے خاصی کراہت محسوس ہوئی۔ کھانا مزیدار تھا لیکن اسماء کو پسند نہ آیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پاکستانی کھانے ملیں۔ میں نے جب اسے یہ بتایا کہ یہاں پاکستانی ہوٹل نہیں ہوتے تو اس نے اسے سخت ناانصافی قرار دیا۔

ہم باہر نکلے تو سخت لو چل رہی تھی اور ریت اڑ رہی تھی۔ قریب ہی مسجد تھی۔ وہاں جا کر ہم نے نماز ادا کی اور پھر اپنا سفر شروع کیا۔ تھوڑی دور جا کر ہم "الدرب" کے قصبے میں داخل ہوئے۔ اب ہم 627 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ یہاں سے ایک روڈ جیزان اور دوسری ابہا کی طرف نکل رہی تھی۔ ہمارا ارادہ چونکہ پہلے جیزان جانے کا تھا اس لئے ہم اس طرف روانہ ہوئے۔

ریت کا طوفان

تھوڑی دور جا کر ریت کا طوفان شدت اختیار کر گیا۔ اس وقت وہی کیفیت تھی جو سردیوں میں لاہور میں دھند کے باعث ہوتی ہے۔ چند فٹ کے فاصلے پر بھی کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ تمام گاڑیوں کی لائٹیں جل رہی تھیں اور سب لوگ 60 کی رفتار سے سفر کر رہے تھے۔ ریت پوری قوت سے گاڑی سے ٹکرا رہی تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ کافی دیر ہم آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ پورا علاقہ پوٹوہار کی طرح اونچا نیچا تھا لیکن پہاڑیوں کی بلندی کچھ زیادہ نہ تھی۔ روڈ کے دونوں طرف جا بجا فارم ہاؤس نظر آ رہے تھے۔ پہلے "ام خشب" کا شہر آیا اور اس کے بعد "صبیہ"۔ اس کے بعد "ظبیہ" کا قصبہ تھا۔ یہاں سے کچھ ہی دیر کے بعد ہم جیزان میں داخل ہو چکے تھے۔

جیزان

اپنی منزل پر پہنچ کر سب سے تکلیف دہ مرحلہ ہوٹل کی تلاش ہوتا ہے۔ ایسا ہوٹل جو اپنے ماحول اور قیمت کے لحاظ سے مناسب ہو، تلاش کرنا کافی مشکل کام ہے اور وہ بھی اس وقت جب آپ 850 کلومیٹر کا سفر طے کر کے تھکن سے چور ہوں۔ سعودی عرب میں

ہوٹلوں کے علاوہ فرنشڈ اپارٹمنٹ بھی یومیہ کرائے پر ملتے ہیں۔ ہمیں بھی بالآخر ایک اپارٹمنٹ پسند آ گیا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم ساحل کی جانب روانہ ہوئے تاکہ غروب آفتاب کا منظر دیکھ سکیں۔ یہاں کوئی خاص منظر نہ تھا۔ پانی گرے رنگ کا تھا۔ مغرب کے وقت ہم روانہ ہوئے اور ایک بہت بڑی مسجد میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد فیملی کے لئے ایک ترک ریسٹورنٹ سے کھانا پیک کروایا اور اپنے اپارٹمنٹ میں واپس آ گئے۔

جیزان جنوب کی جانب سعودی عرب کا آخری شہر ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جدید شہر ہے۔ یہ یمن کے بارڈر کے بالکل قریب ہے۔ یمن کا دار لحکومت صنعاء یہاں سے محض تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ صنعاء سے سو کلومیٹر کے فاصلے پر "سد مآرب Ma'arib Dam" کے مشہور تاریخی آثار ہیں جو یمن میں سیاحوں کے لئے سب سے زیادہ کشش رکھتے ہیں۔

جیزان شہر، سعودی عرب کے صوبہ جیزان کا دارالحکومت بھی ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ یہ 1934 میں سعودی عرب میں شامل ہوا۔ اس شہر کے قریب ہی جزائر فراسان ہیں جو سیاحت کے لئے مشہور ہیں۔ افسوس ہم لوگ ان جزائر کی سیر نہ کر سکے۔

صوبہ جیزان سعودی عرب کا زرعی علاقہ ہے۔ یہاں کی انجیر اور آم مشہور ہیں۔ سعودی عرب میں آموں کی بہت ورائٹی کھانے کو ملی۔ بغیر کسی تعصب کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا بھر میں نمبرون کوالٹی کا آم، پاکستان کا ہے۔ پاکستانی آم بالخصوص چونسا، انور ریٹول اور دوسہری یہاں سب سے مہنگا بکتا ہے۔ اس کے بعد انڈیا کے الفانسو کا نمبر ہے۔ یمنی یا سعودی آم سستا ملتا ہے لیکن اس کی کوالٹی اور ذائقہ بھی پاکستانی آم کے مقابلے میں کچھ نہیں۔

جیزان کا کلچر سعودی سے زیادہ یمنی ہے۔ ہم لوگ چونکہ غیر عرب ہیں اس لئے اس میں زیادہ فرق محسوس نہیں کر سکے۔ لوگوں کی شکلوں میں یمنی نقوش نمایاں تھے۔ سعودی عرب اور یمن میں سرحدی تنازعہ پایا جاتا ہے۔ یمن، جیزان، نجران، عصیر اور الباحہ کے سعودی صوبوں پر دعویٰ کرتا ہے۔ اس مسئلے پر دونوں ممالک کے مابین ایک جنگ بھی ہو چکی ہے۔ جیزان میں سلطنت عثمانیہ کے دور کا ایک قلعہ بھی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے وقت یہ علاقے سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھے۔ جنگ کے بعد جب سلطنت عثمانیہ کے حصے کئے گئے تو 1918 میں شمالی یمن آزاد ملک بن گیا۔ جنوبی یمن پر برطانیہ نے اپنا قبضہ رکھا جو کہ 1967 میں آزاد ہوا۔ 1970 میں جنوبی یمن نے کمیونزم کا نظام اختیار کر لیا۔ 1990 میں یہ دونوں ممالک متحد ہو کر موجودہ یمن کی شکل اختیار کر گئے۔ شاید انہوں نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا ہو گا کہ اتفاق میں برکت ہے۔

فیفاماؤنٹین

صبح ہم دوبارہ فجر کے بعد روانہ ہوئے۔ اب ہماری منزل "فیفاماؤنٹین" تھی۔ پہلے تو ہمارا ارادہ یہیں کسی پاکستانی ہوٹل سے ناشتہ کرنے کا تھا لیکن اس میں دیر ہو جاتی کیونکہ یہاں اتنی جلدی ہوٹل نہیں کھلتے۔ غلطی سے میں ائر پورٹ میں گھستے گھستے بچا۔ پھر ایک پولیس والے سے فیفا کا راستہ پوچھا تو اس نے نہایت خندہ پیشانی سے تفصیل بتائی۔ کچھ دور جا کر ہم پھر غلط راستے پر مڑ گئے۔ میں نے ایک پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور سے فیفا کا راستہ پوچھا تو اس نے ہمیں صحیح راستے پر ڈالا۔

اب ہم واپس 'صبیہ' کی طرف جا رہے تھے۔ صبیہ سے ہم شرقی جانب مڑے اور فیفا کی طرف روانہ ہو گئے۔ فیفا کے بارے میں میں نے پہلی مرتبہ ایک ٹورازم بروشر پر پڑھا تھا کہ یہ سعودی عرب کے بلند ترین پہاڑ ہیں۔ اس کے بعد میں نے انٹرنیٹ پر فیفا کے بارے میں سرچ کیا تو اس کی کچھ تصاویر ہاتھ لگیں جو فیفا کے رہنے والے ایک انجینئر ماجد الفیفی نے انٹرنیٹ پر رکھی تھیں۔ میں نے ان سے ای میل پر رابطہ کیا اور فیفا کے بارے میں معلومات طلب کیں۔ انہوں نے پرجوش طریقے سے جواب دیا اور مجھے راستے اور موسم وغیرہ کی تفصیل بتائی۔ ان کے مشورے پر ہی میں نے یہ سفر اگست کے مہینے میں رکھا تھا۔

صبیہ سے آگے عیلانی کے مقام پر میں نے ایک پاکستانی سے کسی ہوٹل کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے ایک انڈین ہوٹل کا بتایا جہاں سے ہم نے ناشتہ لیا اور آگے روانہ ہوئے۔ اگلا شہر "دائر" تھا۔ یہ فیفا کا بیس کیمپ تھا۔ یہاں سے اصل چڑھائی شروع ہو رہی تھی۔ فیفا کی بلندی 11000 فٹ ہے۔ یہاں ایک چیک پوسٹ بھی بنی ہوئی تھی۔ ہم نے اس پر موجود فوجی سے فیفا کا راستہ پوچھا تو جواب ملا، "رح سیدھا" یعنی سیدھے چلے جاؤ۔ پتہ نہیں عربی میں یہ 'سیدھا' کہاں سے آ گیا۔ شاید انہوں نے یہ ہم پاکستانیوں سے ہی سیکھا ہے۔

تتہ پانی

چیک پوسٹ کے فوراً بعد "عین الحارۃ" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہاں گرم پانی کے چشمے تھے۔ اس نام کا اگر پنجابی یا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو یہ "تتہ پانی" بنے گا۔ اس نام کے کئی مقامات کشمیر میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ راولاکوٹ سے کوٹلی آتے ہوئے راستے میں، ہجیرہ کے بعد ہم تتہ پانی کے مقام سے گزرے تھے۔ یہاں بھی گرم پانی کے چشمے تھے۔ کراچی میں بھی منگھو پیر کے مقام پر گرم چشمے موجود ہیں۔

عین الحارہ یا تتہ پانی کے فوراً بعد چڑھائی شروع ہو گئی۔ فیفاماؤنٹین کے علاقے کو زیادہ ترقی نہیں دی گئی۔ یہاں روڈ اچھی کوالٹی کا نہ تھا۔ چڑھائی مالم جبہ یا شوگران جیسی تھی لیکن روڈ بہت گیا گزرا تھا۔ کوئی بھی پہاڑی سڑک بناتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ سڑک کا زاویہ ایک خاص حد سے زیادہ اونچا نہ ہونے پائے لیکن یہاں تو 45 درجے کے اٹھان بھی موجود تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ چڑھنے کے فوراً بعد ایک اسپیڈ بریکر آ جاتا تھا۔ میں نے گاڑی کو سب سے بڑے گیئر میں ڈالا اور چڑھنا شروع کیا۔ پہاڑ کے گرد گھومتے

گھومتے ہم بالآخر چوٹی پر جا پہنچے۔ چوٹی پر فیفا کا قصبہ تھا جو کافی گنجان آباد تھا۔



فیفا (تصویر الحازن)



جازان قلعہ (تصویر احمد بکری)

فیفا کا پورا پہاڑ بالکل ہمارے شمالی علاقہ جات والا منظر پیش کر رہا تھا۔ ارد گرد کے پہاڑ بھی گھنے سبزے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ افسوس اس دن بھی نیچے ڈسٹ اسٹارم کے آثار تھے، اس لئے زمین سے لے کر بلندی تک مٹی دھند کی شکل میں پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے منظر بہت واضح نہ تھا۔ اوپر سے نیچے تک پہاڑ پر اسٹیپس کی صورت میں کھیت بنائے گئے تھے۔ پورے فیفا میں کوئی باقاعدہ ہوٹل نہ تھا البتہ لوگوں نے چھوٹے موٹے کمرے بنا رکھے تھے جنہیں وہ گھنٹوں کے حساب سے کرائے پر دیتے تھے۔ میں نے ایسے ایک دو منی ہوٹل دیکھے لیکن ان کے باتھ روم گندے اور کرائے بہت زیادہ تھے چنانچہ ہم نے یہاں رکنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مملکت سبا

جنوبی جانب یمن کا بارڈر تھا اور یمنی علاقہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ ہم کافی دیر وہیں گھومتے رہے۔ ہماری طرح کچھ اور ایڈونچر پسند عرب یہاں آئے ہوئے تھے جو ڈیویلپڈ علاقہ نہ ہونے کے باعث مایوس ہو کر ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اچانک میرے موبائل پر دو تین SMS آئے۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ سعودی عرب کی موبائل کمپنی "موبائلی" کے سگنلز ختم ہو گئے ہیں اور انٹرنیشنل رومنگ پر یمن کے "سبانیٹ" کے سگنل آ رہے ہیں۔ سبانیٹ کمپنی ہمیں یمن آمد پر خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ فیفا، سعودی عرب اور یمن کے مابین ایک بفر زون کی حیثیت رکھتا ہے۔

یمن قدیم عرب کا سب سے متمدن علاقہ رہا ہے۔ بعض روایات کے مطابق صنعاء سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے سام نے آباد کیا۔ زمانہ قدیم میں یہاں سبائی تہذیب پروان چڑھی۔ اس تہذیب کے بارے میں میں یہاں پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن اور وکی پیڈیا سے حاصل کی گئی معلومات کا خلاصہ لکھ رہا ہوں۔ سبا عرب کے ایک قدیم شخص کا نام تھا جس کی اولاد سے کندہ، حمیر، ازد، اشعریین، خثعم، بجیلہ، عاملہ، جذام، لخم اور غسان نامی قبائل پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یہ تمام قبائل پورے عرب میں منتشر ہو چکے تھے۔ سبائی تہذیب اپنے وقت کی متمدن دنیا کی امیر ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی تھی۔ اس کی دولت کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ بائبل میں بھی اس قوم کی خوشحالی کا ذکر ہوا ہے۔ زبور میں ایک دعا ہے:

> "اسی کی عمر دراز ہو۔ سبا کا سونا اسے دیا جائے۔ لوگ اس کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے رہیں۔ اور دن بھر اسے برکت دیتے رہیں۔" (زبور 27:51)

> "سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے اور تیرے سامان کے عوض ہر طرح کے نفیس مسالے، قیمتی پتھر اور سونا دیتے تھے۔" (حزقی ایل 72:22)

سبا کا وطن جزیرہ نمائے عرب کا جنوب مغربی کونہ تھا۔ ان کی سلطنت موجودہ یمن میں عدن کی بندرگاہ سے لے کر سعودی عرب کے صوبہ جیزان، نجران، عصیر اور الباحہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی۔ سیدنا سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں یہاں کی ملکہ بلقیس آپ کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس ملکہ سے نکاح کر لیا۔ قرآن مجید نے

سورۃ نمل میں یہ واقعہ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس زمانے میں یہ قوم ایک خدا پر ایمان لے آئی۔ بعد میں ان میں پھر شرک کا غلبہ ہوا۔ ان کا سب سے بڑا دیوتا "المقہ" یعنی چاند بن گیا۔ ان کے بادشاہوں نے خود کو خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ قرار دینا شروع کیا اور 'مکرب' کا لقب اختیار کیا۔ 650ق م کے بعد ان کے ہاں سیکولرازم کو فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے میں انہوں نے مآرب کو اپنا مرکز بنایا۔ غالباً اسی زمانے میں مآرب ڈیم بنایا گیا جس سے مملکت سبا کا شمار دنیا کی امیر ترین اقوام میں ہونے لگا۔

100ق م کے لگ بھگ ان پر قبیلہ حمیر کے لوگ حکمران ہوئے جنہوں نے چار سو سال حکومت کی۔ 300ء کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یہ قوم اپنا نام و نشان کھو چکی تھی اور ان کی جگہ قریش کو عرب کے سب سے اہم قبیلے کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

قوم سبا کا عروج دو بنیادوں پر قائم تھا: ایک ان کی زراعت اور دوسرے ان کی تجارت۔ اگرچہ اس ملک میں کوئی قدرتی دریا نہیں ہے لیکن بارشیں بکثرت ہوتی ہیں۔ انہوں نے اس دور میں مآرب جیسا بڑا ڈیم بنا کر پانی کو ذخیرہ کیا اور اس سے نہریں نکالیں۔ آبپاشی کے اس نظام کے نتیجے میں ان کی زراعت انتہائی ترقی یافتہ ہو گئی۔ پورا ملک کسی باغ کا منظر پیش کرنے لگا۔ قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق کسی بھی مقام پر کھڑے ہو کر اگر دائیں بائیں نظر دوڑائی جاتی تو باغ ہی باغ نظر آتے۔ تجارت کے میدان میں عدن کی بندرگاہ کو انتہائی ترقی دی گئی۔ چین، ہندوستان، انڈونیشیا اور مشرقی افریقہ سے اشیا اور غلام عدن لائے جاتے۔ سبا کے لوگ انہیں خرید کر مصر اور شام میں فروخت کرتے جہاں سے یہ یورپ اور مغربی افریقہ کے ممالک تک بیچے جاتے۔ معاشی اعتبار سے اس قوم کا شمار دنیا کی سپر پاورز میں ہونے لگا۔

250 ق م کے لگ بھگ اہل مصر نے نہر سویز کی طرز پر ایک نہر دریائے نیل سے بحیرہ احمر کو ملانے کے لئے کھودی اور اس کے ذریعے بحیرہ احمر کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہم ناکام رہی۔ جب مصر پر روم کا قبضہ ہوا تو روم نے حبشہ پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی، قیصر روم کا ماتحت بن کر حکومت کرنے لگا۔ دوسری طرف سبائیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس کا فائدہ اٹھا کر یہاں حبشہ کے ماتحت عیسائی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ بعد ازاں یہاں یہودیوں کی حکومت بھی کچھ عرصے کے لئے قائم رہی جنہوں نے عیسائیوں پر مذہبی جبر (Persecution) کی انتہا کر دی اور نجران میں بہت سے اہل ایمان عیسائیوں کو زندہ جلا دیا۔ اس ظلم کا ذکر سورۃ اخدود میں آیا ہے۔

اس قوم کی نافرمانیاں بڑھتی گئیں اور بالآخر ان کو بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت سزا دی۔ 450ء میں مآرب ڈیم ٹوٹنے کے نتیجے میں ایسا سیلاب آیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس ڈیم کے نتیجے میں ان کی پوری زراعت تباہ ہو گئی۔ ان کی تجارت پر پہلے ہی اہل حبش اور پھر قریش کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس پر مستزاد ان کی خانہ جنگیاں تھیں۔ ان کے بہت سے قبائل عرب کے دوسرے علاقوں میں جا کر آباد

ہو گئے۔

570ء میں ان کے حبشی حکمران ابرہہ نے مکہ پر حملہ کر کے کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نتیجے میں اس کی پوری فوج ہلاک ہو گئی۔ 575ء میں یہاں ایران کی ساسانی حکومت کا قبضہ ہو گیا جس کا خاتمہ اس وقت ہوا جب 628ء میں یہاں کے ایرانی گورنر باذان نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سیدنا معاذ بن جبل اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہما کو گورنر مقرر فرمایا۔ سبا کے عروج و زوال کو قرآن مجید نے بڑی فصاحت و بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے:

> سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی، (جہاں نظر دوڑاؤ تو) دو باغ دائیں اور دو بائیں۔ اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ ملک ہے پاکیزہ و عمدہ اور رب ہے بخشش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے ان پر سیل العرم (بند توڑ سیلاب) بھیجا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ انہیں دو اور باغ دیے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفران نعمت کا بدلہ جو ہم نے انہیں دیا۔ اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔
>
> اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان، جنہیں ہم نے برکت دی تھی، نمایاں بستیاں بسا دی تھیں اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے سے رکھ دی تھیں۔ چلو پھرو ان راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔ مگر انہوں نے کہا، 'اے ہمارے رب! ہمارے راستوں کی مسافت لمبی کر دے۔' انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ آخر کار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل ہی تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔" (السبا 34:15-19)

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس کے بندے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں۔ اس کا مطالبہ صرف نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا ہے۔ سبا کے اس عروج و زوال کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ اگر وہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنے تو پھر اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا جاتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس دنیا میں ایسا نہ ہو لیکن انسان کی اصل زندگی یعنی آخرت میں ایسا ضرور ہو گا۔

ابہا

کچھ دیر ادھر ادھر گھوم کر ہم واپس ہوئے۔ اترتے ہوئے پھر گاڑی کو سب سے بڑے گیئر پر رکھنا پڑا۔ پہاڑی سفر کے دوران، مسلسل اترائی میں ہمیشہ بڑا گیئر استعمال کرنا چاہیے ورنہ بریک کا استعمال زیادہ ہو جاتا ہے اور بریکیں گرم ہو کر کام چھوڑ دیتی ہیں۔ واپسی پر چوکی پر ہمیں روکا گیا اور اقامہ چیک کرنے کے علاوہ ساتھ گاڑی کی ڈگی بھی چیک کی گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یمنی لوگ اس راستے سے انسانوں اور اشیاء کی سمگلنگ وغیرہ کرتے ہوں گے۔ اس کے بعد ہم واپس صبیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ صبیہ سے ہم واپس جدہ کے رخ پر روانہ ہوئے۔ "درب" کے مقام سے ہم نے اپنا رخ "ابہا" کی طرف کر لیا جو یہاں سے محض ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔

درب سے ابہا کا راستہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہمارے شمالی علاقہ جات کے راستے ہیں۔ روڈ کے ایک طرف اونچے اونچے پہاڑ تھے اور

دوسری طرف دریا۔ ہمارے دریاؤں کے برعکس یہ دریا خشک پڑا تھا۔ ہم نے اسے "دریائے ابہا" کا خطاب دیا۔ عرب کے تمام دریا ایسے ہی شدت پسند ہیں۔ اعتدال سے بہنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ یہ سارا سال خشک پڑے رہتے ہیں لیکن جب بارش ہوتی ہے تو پھر ان میں سیلاب ہی آ جاتا ہے۔ مسلسل ڈرائیونگ کے باعث مجھے اب کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ ایک پیٹرول پمپ پر شیشوں سے بنی ہوئی خوب صورت کافی شاپ سے میں نے کافی لی۔ بچوں کو کولڈ ڈرنک لے کر دیے اور پھر چل پڑا۔ ہمارے پاکستان میں صرف چائے کا رواج ہے۔ گوادر کے ساحلوں سے لے کر کے ٹو کے بیس کیمپ تک ہر مقام پر چائے دستیاب ہو جاتی ہے لیکن کافی بڑے شہروں میں بھی صرف مخصوص مقامات پر دستیاب ہوتی ہے۔ سعودی عرب میں کافی ہر جگہ میسر ہے۔

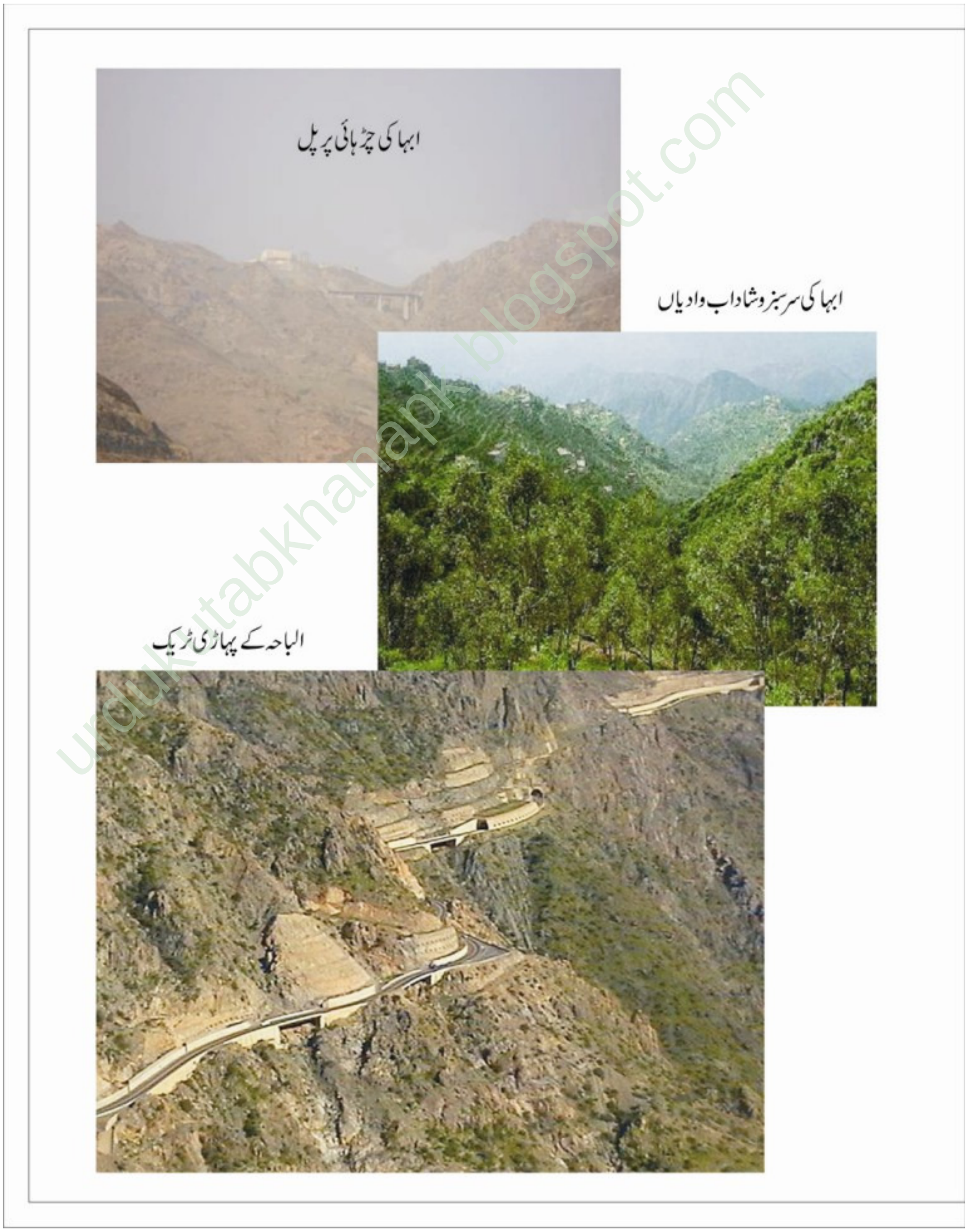
تھوڑی دور جا کر روڈ ٹوٹی ہوئی تھی۔ پہاڑوں پر نئی روڈ کی تعمیر جاری تھی۔ عارضی طور پر ایک روڈ دریا کے بیچ میں سے گزاری گئی تھی۔ ہم بھی اس سے دریا میں اتر گئے۔ یہاں ڈھیر سارے بندر ایک غول کی صورت میں بیٹھے تھے۔ ماریہ کو بندر بہت پسند ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر شور مچانے لگی۔ بندر اچھل کود رہے تھے۔ مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی سر پھرا ہماری گاڑی میں نہ آ گھسے۔ ان میں ایک بزرگ بندر بھی تھا جو بڑی سنجیدہ صورت بنائے بیٹھا تھا۔ تمام بندر اس کا بڑا احترام کر رہے تھے اور اس کے احکامات پر عمل کر رہے تھے۔ کچھ دیر یہاں رکنے کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ اب مسلسل چڑھائی کا سفر تھا۔ ہم آہستہ آہستہ بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ ابہا اب قریب آتا جا رہا تھا۔

مجھے چونکہ مختلف مقامات کو ایک دوسرے سے تشبیہ دینے کا بہت شوق ہے اس لئے یہ چڑھائی مجھے بالکل مالاکنڈ کی چڑھائی جیسی لگی۔ درگئی سے نکلتے ہی مالاکنڈ کا درہ آ جاتا ہے جس کے بیچوں بیچ سرنگ بھی بنی ہوئی ہے۔ درہ ابہا پر ایک کی بجائے دو سرنگیں تھیں۔ کافی اوپر جا کر پہاڑ کو کاٹ کر سڑک بنانے کی بجائے پہاڑ کے گرد ایک پل بنا دیا گیا تھا۔ اگر ایسا ممکن ہو جائے کہ ہر مقام پر پہاڑ پر گول گھومتے ہوئے پل بنا دیے جائیں تو پہاڑ کو ڈائنامیٹ سے اڑانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی جس کے باعث پہاڑوں میں لینڈ سلائیڈنگ ہوتی رہتی ہے۔ مجھے چوں کہ سول انجینئرنگ کی ابجد کا بھی علم نہیں اس لئے انجینئر حضرات سے ان کے فن میں اس منہ ماری پر معذرت کرتا ہوں۔

آخر کار ہم ابہا جا پہنچے جو طائف کی طرح انتہائی بلندی پر واقع ایک وسیع وادی میں واقع ہے۔ اس کی سطح سمندر سے اوسط بلندی تقریباً 8000 فٹ ہے۔ یہاں موسم خنک تھا۔ سعودی عرب کی شدید گرمی میں جب شہروں میں درجہ حرارت 55 اور صحراؤں میں 80 درجے سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے، ابہا کا درجہ حرارت 25 سے نہیں بڑھ پاتا۔ ہم ابہا رنگ روڈ پر چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر ہمیں ایک سبز رنگ کی پہاڑی نظر آئی جس پر دائرے کی صورت میں پودے لگائے گئے تھے۔ یہ مقام 'جبل اخضر' کہلاتا ہے اور پہاڑی پر پودے مصنوعی طور پر ترتیب سے لگائے گئے ہیں۔ یہ ایک بڑا پکنک سپاٹ ہے۔ اس وقت ہمیں بہت بھوک لگ رہی تھی، اس لئے ایک پاکستانی سے ہم نے پاکستانی ہوٹل کے بارے میں پوچھا اور سیدھے وہیں روانہ ہوئے۔ ہوٹل پر پہنچ کر نان پائے کھانے کے بعد ہم واپس جبل اخضر کی طرف روانہ ہوئے۔

جبل اخضر

پہاڑ پر انٹری کی ٹکٹ 25 ریال تھی۔ اوپر پہنچے تو ایک وسیع پارکنگ تھی جہاں فٹ پاتھوں پر لوگ قالین بچھائے بیٹھے تھے۔ ایک طرف چیئر لفٹ کا پوائنٹ تھا جہاں سے چیئر لفٹ پوری وادی ابہا کا چکر لگا رہی تھی۔ آسمان پر گھنے بادل تھے۔ سعودی عرب آکر ہم لوگ بارش کو ترسے ہوئے تھے۔ ہم نے بارش کی بہت دعا کی لیکن سوائے چند بوندوں کے اور کچھ نصیب نہ ہوا۔ کچھ دیر وہاں گزار کر ہم شہر کا چکر لگانے نکلے۔ یہ چھوٹا سا جدید شہر تھا۔ سعودی عرب کے تمام شہر ہی جدید نظر آتے ہیں کیونکہ حکومت عوام پر رقم خرچ کرتی ہے۔



مغرب کی نماز کے بعد ہم واپس آئے۔ اندھیرے میں جبل اخضر بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا جس پر سبز رنگ کی لائٹیں لگائی گئی تھیں۔ پاکستانی ہوٹل کے قریب ہی ایک فرنشڈ اپارٹمنٹ میں ہمیں بمشکل جگہ ملی۔ اپارٹمنٹ کی ریسپشن پر ابہا کے بارے میں کئی بروشر ملے۔ ایک بروشر میں پورے سال میں کئے جانے والے ثقافتی پروگرامز کی تفصیل دی گئی تھی۔ اگست کے مہینے میں بھی رات کو اچھی خاصی سردی تھی اس لئے اے سی کی ضرورت نہ تھی۔ صبح اٹھ کر ہم لوگ ناشتے کے لئے روانہ ہوئے۔ لاہوری چنے کے ساتھ پراٹھے بہت مزیدار معلوم ہوئے۔ میں نے ہوٹل کے مالک سے ابہا کے تفریحی مقامات کے بارے میں پوچھا۔ ابہا کے مشہور مقامات میں حبلہ کا معلق گاؤں اور وادی سودہ مشہور تھے۔ چنانچہ ہم نے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔

ہم لوگ اب ابہا کے رنگ روڈ پر آ گئے۔ یہاں سے ایک سڑک 'خمیس مشیط' اور آگے نجران کی طرف نکل رہی تھی جو ابہا سے آگے ایک اور پہاڑی شہر ہے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ یہاں کا سفر بھی کرتے اس لئے اسے اگلے ٹور کے لئے رکھا اور آگے روانہ ہو گئے۔

نجران

ابہا سے تقریباً اڑھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر نجران ہے جو عرب کا مشہور تاریخی شہر ہے۔ عہد رسالت میں یہ شہر عیسائیت کا مرکز تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت یہاں پہنچی تو یہ لوگ ایک وفد کی صورت میں مدینہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے رہنے کا انتظام مسجد نبوی میں کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی دعوت دینے کے لئے سورہ آل عمران کی آیات نازل ہوئیں۔ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا اور سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت اور دعوت کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ان پر اتمام حجت کے لئے آیت مباہلہ نازل ہوئی:

> إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلا تَكُنْ مِنْ الْمُمْتَرِينَ. فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ... قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللَّهَ وَلا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ (زندہ) ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہیں تمہارے رب کی جانب سے بتائی جا رہی ہے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ یہ علم آ جانے کے بعد اگر کوئی آپ سے اس معاملے میں بحث کرے تو آپ فرمایئے: آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں اور اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔۔۔۔
>
> اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے مابین مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی اور اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔"(اٰل عمران 64-3:59)

چونکہ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے واقف تھے کہ وہ اپنے رسول کے مقابلے میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیتا اس لیے یہ مقابلے پر نہ آئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔

بعد میں ایک موقعہ پر نجران جانے کا موقع ملا۔ یہاں ایک بہت بڑا میوزیم ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سائٹ ہے جسے اصحاب اخدود کی سائٹ کہا جاتا ہے۔ یہ قدیم یمنی تہذیب کا ایک اہم شہر ہے۔ اصحاب اخدود دراصل یہودی تھے جنہوں نے یمن پر عظیم یہودی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ اس زمانے میں یہود و نصاریٰ کے مابین شدید دشمنی تھی۔ کچھ لوگوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے سچے دین کو اختیار کر لیا۔ یہ بات حکمرانوں سے برداشت نہ ہوئی۔ مذہبی جبر کا دور تھا۔ انہوں نے ایک کھائی میں آگ جلائی اور اہل ایمان کو اس میں پکڑ پکڑ کر پھینکنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ کھائی کے کنارے پر بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا نظارہ کر رہے تھے اور اس پر قہقہے لگا رہے تھے کہ اچانک آگ کے شعلے بلند ہوئے اور اس نے ان ظالموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ قرآن مجید میں ہے:

قُتِلَ أَصْحَابُ الأُخْدُودِ. النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ. إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ. وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ. (البروج 7-85:4) اصحاب اخدود مارے گئے۔ وہ آگ جو بھڑک رہی تھی۔ جب وہ اس پر بیٹھے تھے اور جو کچھ وہ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔

نجران میں 1940ء کے زمانے کا ایک تاریخی محل بھی ہے جو وہاں کے گورنر کی رہائش تھی۔ اسے بھی بطور تاریخی عمارت کے محفوظ کر لیا گیا ہے۔

حبلہ کا معلق گاؤں

ابہا سے ستر کلومیٹر کے فاصلے پر وہ عجوبہ موجود ہے جو حبلہ کا معلق گاؤں کہلاتا ہے۔ ایک اور سفر میں ہم نے اسے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ ابہا سے تقریباً 40 منٹ کی ڈرائیو کے بعد جب یہاں پہنچے تو کھلے سے میدان میں ایک بڑا سا پارک بنا ہوا تھا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو ایک عجیب منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ میدان کے آخری کنارے پر بہت بڑی کھائی تھی جس میں دور نیچے ایک دریائی راستہ تھا۔ پہاڑ کے کنارے پر ایک کیبل کار تھی جو نیچے جا رہی تھی۔ اس پر بیٹھ کر ہم نیچے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم عمودی پہاڑ کے عین درمیان میں کھڑے ہیں۔ اس عمودی پہاڑ کے اوپر اور نیچے دونوں جانب 90 ڈگری کی بالکل سیدھی چٹانیں تھیں۔ صرف ایک چھوٹا سا حصہ تھا جہاں ایک گاؤں بنا ہوا تھا۔ یہ مقام نصف دائرے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ یہی حبلہ کا قدیم معلق گاؤں تھا۔ اس گاؤں کے باسیوں نے حملہ آوروں سے دفاع کے لئے اس مقام پر رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اب یہاں کیبل کار تھی، قدیم دور میں نیچے آنے کے لئے انہوں نے رسوں وغیرہ کا انتظام کیا ہو گا۔ یہ ایک نہایت ہی متاثر کن جگہ تھی۔ سبزے کی یہاں بہتات تھی اور پانی کا ایک چشمہ بھی تھا۔ یہاں کافی خنکی تھی اور پرانے گاؤں کے کچھ آثار بھی موجود تھے۔

وادی سودہ

آدھ گھنٹے میں ہم سودہ میں داخل ہو گئے۔ بلا مبالغہ یہ مقام ہمارے سفر کی معراج تھی۔ اتنی خوبصورت وادی میں نے اب تک سعودی عرب میں نہ دیکھی تھی۔ حقیقی معنوں میں اگر عرب کے مقامات کی بلحاظ قدرتی حسن درجہ بندی کی جائے تو وادی سودہ پہلے نمبر پر آئے گی۔ وادی کے دونوں جانب سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے جو چوٹی سے لے کر نشیب تک آرہا تھا۔ ایک جانب ابہا انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل تھا۔

وادی میں انسانی قد کے برابر بہت سے پودے تھے۔ مجھے ان پودوں کے درمیان ہل چل محسوس ہوئی۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے درمیان بہت سی فیملیاں بیٹھی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے یہاں کیمپ لگائے ہوئے تھے اور ان میں بیٹھے انجوائے کر رہے تھے۔ وادی میں فرنشڈ اپارٹمنٹ بھی تھے۔ ہمیں افسوس ہوا کہ ہم نے خواہ مخواہ ہی رات ابہا میں گزاری۔ اگر اس جگہ کا پہلے علم ہوتا تو رات یہیں گزارتے۔ موسم میں دھوپ کی تمازت اور ہوا کی خنکی دونوں موجود تھیں۔

میں سوچنے لگا کہ انسان اتنی کثیر تعداد میں ایسے مقامات پر کیوں آتے ہیں۔ دنیا میں کسی بھی حسین مقام کو دیکھ لیجیے، سیاحوں کے غول کے غول سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے پہنچ رہے ہوتے ہیں۔ سبزہ، پانی، موسم کی خنکی، دھوپ کی تمازت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ہمارے پاکستان میں لوگ جوق در جوق شمالی علاقہ جات کا سفر کرتے ہیں۔ اہل مغرب اس معاملے میں بہت باذوق واقع ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سارا سال بچت کرتے ہیں اور سالانہ چھٹیوں میں کسی نہ کسی حسین مقام کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

کافی غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ انسان میں فطری طور پر جنت کی شدید خواہش ہے۔ اگر کسی بھی انسان سے یہ پوچھا جائے کہ جناب اگر آپ کو ایسے مقام پر رکھا جائے جہاں بہترین باغات ہوں، ان میں نہریں رواں دواں ہوں، آپ کو بہت اچھے ساتھی میسر ہوں، نیک شریک حیات ہو، پیارے پیارے بچے ہوں، مزیدار کھانے اور پھل ہوں، کوئی غم نہ ہو، کوئی بیماری نہ ہو، ہر طرف خوشی ہی خوشی ہو اور موت بھی نہ ہو تو کیا آپ وہاں رہنا پسند کریں گے؟ ہر نارمل انسان کا جواب اثبات میں ہی ہو گا۔ اسی جذبے کے تحت ہر شخص اپنی دنیا کو جنت بنانا چاہتا ہے اور اس کے لئے بھرپور محنت کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔



الباحہ ابہا روڈ

ابہا ڈیم



یہ بات تو طے ہے کہ اس دنیا کا ڈیزائن ایسا ہے کہ اس کو جنت نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں آرام کے ساتھ دکھ بھی ہوں گے۔ نعمتوں کے

ساتھ تکالیف بھی ملیں گی۔ پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوں گے۔ یہ دنیا جنت کی بعض نعمتوں اور جہنم کے بعض مسائل کا مجموعہ ہے۔ اس دنیا کے خالق نے انسان کو ہمیشہ سے بتا دیا ہے کہ ان نعمتوں اور مسائل کو انسان کی اصل زندگی میں الگ کیا جائے گا۔ اگر انسان نعمتوں والی زندگی چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی کڑی شرط نہیں ہے۔ اسے صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ وہ خالق کائنات کا نافرمان اور سرکش بندہ بن کر نہ رہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ہر عیب سے بالکل پاک ہو جائے۔ اس سے غلطیاں بھی ہوں گی، کوتاہیاں بھی ہوں گی لیکن اس کے بعد کیا وہ اپنے معبود کے سامنے سرکشی پر اتر تا ہے یا توبہ کے ذریعے اپنی کوتاہیوں کو دھونے کی کوشش کرتا ہے؟ یہ اصل امتحان ہے جس کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں جنت کے یہ نمونے انسان کو یہی درس دیتے ہیں۔

> لوگوں کے لئے مرغوبات نفس یعنی عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے (سواریاں)، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے مال و اسباب ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ آپ کہیے، 'میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے۔ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی نصیب ہو گی، پاکیزہ شریک حیات ان کے رفیق ہوں گے اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔" (آل عمران 3:14-16)



حبلہ کا معلق گاؤں

کافی دیر یہاں کے موسم اور ماحول سے لطف اندوز ہو کر ہم روانہ ہوئے۔ اب ہماری منزل جدہ تھی لیکن واپسی کے لئے ہم نے کوسٹل ہائی وے کی بجائے پہاڑی راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ پہاڑوں میں سے گزرتا ہوا تنوما، الجرشی، الباحہ، اور حبوب کے راستے طائف آ نکلتا ہے۔ طائف تک کا یہ سفر تقریباً 650 کلومیٹر طویل ہے۔ اگر یہاں موٹروے ہوتی تو یہ محض چار پانچ گھنٹے کی ڈرائیو تھی لیکن یہ ایک

اچھی کوالٹی کی پہاڑی سڑک تھی۔ یہ فاصلہ شاہراہ قراقرم کے راستے اسلام آباد سے گلگت کے مساوی تھا۔ پاکستان میں یہ سفر بارہ تیرہ گھنٹے میں طے ہوتا ہے جبکہ اس راستے سے ابہا سے طائف کا سفر ہم نے آٹھ گھنٹے میں طے کیا۔

ہم لوگ سودہ سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر روڈ کے قریب ایک گہری کھائی تھی۔ ہم وہیں رک گئے اور کھائی کا نظارہ کرنے لگے۔ یہ اتنی گہری جگہ تھی کہ کھائی کی تہہ صاف نظر نہ آ رہی تھی۔ یہاں ایک افریقی عرب رنگ برنگے ڈبوں میں کوئی رنگ برنگی چیز بیچ رہا تھا۔ میں نے اس سے طائف کا راستہ کنفرم کیا اور اس چیز کے بارے میں پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حلوے ہیں۔

چار پٹھان

تھوڑا سا آگے چلے۔ اب ہم ایک سرسبز وادی میں تھے۔ اچانک ایک جانب سے چار پٹھان نمودار ہوئے۔ بھاری بھرکم شلوار قمیص پر انہوں نے بڑی بڑی پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کو ایسا محسوس ہوا کہ ہم شاید دیر یا سوات کی کسی وادی میں ہیں کیونکہ منظر بالکل وہی تھا۔ ایک بورڈ سے معلوم ہوا کہ یہ وادی زبنہ ہے۔ یہ ایک سرسبز وادی تھی اور مخصوص پہاڑی انداز میں سٹیپ بائی سٹیپ کھیت نظر آ رہے تھے۔ یہاں پتھروں کا بنا ہوا ایک مینار بھی تھا۔

عرب ٹورازم

کچھ ہی دیر میں ہم ابہا طائف ہائی وے پر جا نکلے۔ راستے میں ہمیں ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملا۔ بے شمار لوگ اپنی جی ایم سی جیپوں کی چھت پر خیمے باندھے ابہا کی طرف جا رہے تھے۔ اس علاقے میں جی ایم سی سب سے مقبول جیپ تھی۔ اس کے بعد ٹویوٹا پراڈو کا نمبر تھا۔ پورے عرب سے کثیر تعداد میں لوگ گرمیوں میں ابہا کا رخ کرتے ہیں اور کیمپنگ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اگرچہ سعودی عرب ٹورسٹ ویزا جاری نہیں کرتا لیکن متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین اور عمان سے ہزاروں سیاح اس مقام پر آتے ہیں۔ ان چھ ممالک کے رہائشیوں کے لئے دوسرے ملک جانے پر ویزا کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

اگر سارک ممالک بھی عقل سے کام لیں اور آپس میں بغیر ویزا انٹری کر دیں تو یہاں ٹورازم کو بہت فروغ مل سکتا ہے کیونکہ پاکستان، بھارت، نیپال اور سری لنکا میں جتنے مقامات سیاحوں کی کشش کے لئے موجود ہیں اتنے شاید پوری دنیا میں نہ ہوں۔ ٹورازم کو فروغ صرف امن سے ملتا ہے۔ امن کا فائدہ صرف ایک ملک کو نہیں بلکہ سب کو ملتا ہے۔ افسوس ہمارے خطے میں اختلافات کو امن سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔

اب ہمارے ایک جانب عمودی چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ تھوڑی دور جا کر ایک چڑھائی آئی جو بالکل سیدھی تھی۔ یہ عجیب و غریب چڑھائی تھی جو بالکل سیدھی تھی۔ عموماً پہاڑوں پر چڑھنے والی روڈ زگ زیگ انداز میں گھومتی ہوئی اوپر جاتی ہے۔ لیکن یہ تو بالکل سیدھی سڑک تھی جو کئی کلومیٹر تک بس اوپر ہی اوپر جا رہی تھی۔ بلندی پر پہنچ کر بندروں نے ہمارا استقبال کیا۔ بچوں کی خواہش کے مطابق میں

نے گاڑی روک دی۔ یہاں اور لوگ بھی رکے ہوئے تھے۔ حسب روایت یہ اپنے بزرگ بندر کے ساتھ تھے جو ایک نوجوان کو کسی بات پر سرزنش کر رہا تھا۔ نوجوان بندر بڑی فرمانبرداری سے سر جھکائے اس کی کھری کھری باتیں سن رہا تھا۔ ایک بندر گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا تھا۔ کئی بندریاؤں کے بچے ان کے سینے سے لٹکے دودھ پی رہے تھے۔ لوگ انہیں کھانے پینے کے لئے دیتے ہیں، اسی لئے یہ سارا دن سڑک کے کنارے بیٹھے رہتے ہیں۔

الباحہ

آگے تنوما اور جرشی کے شہر آئے۔ یہ دونوں شہر وادیوں کے عین درمیان واقع تھے۔ یہاں کے لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی ہی تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس پورے سفر میں ہم جس شہر یا قصبے سے گزرے وہاں ہم نے پاکستانی ضرور دیکھے۔ 450 کلومیٹر کا طویل سفر طے کرنے کے بعد ہم الباحہ پہنچے۔ بچوں کو اب بھوک لگ رہی تھی لیکن شہر میں عصر کی اذان ہو رہی تھی جس کے باعث تمام ہوٹل بند ہو رہے تھے۔ یہ شہر صوبہ الباحہ کا دارلحکومت ہے۔ شہر خاصا ترقی یافتہ نظر آ رہا تھا۔ الباحہ سے طائف جانے کے دو راستے ہیں۔ ہم نے وہاں چند پاکستانیوں سے بہتر اور مختصر راستے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ہمیں ایک راستے کے بارے میں بتایا۔ وقت بچانے کے لئے ہم یہاں نہ رکے اور سیدھے چلتے رہے۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہم ہائی وے پر ایک مسجد کے قریب جا پہنچے۔ وہاں عصر کی نماز ادا کی۔ مسجد کے ساتھ واقع ایک ہوٹل سے برگر اور کولڈ ڈرنک لئے اور پھر چل پڑے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ مغرب تک ہم طائف پہنچ جائیں۔

اب ہمارا گزر وادی بوا سے ہوا۔ یہ مقام مجھے کریم آباد سے آگے درہ خنجراب جیسا لگا۔ کمی صرف دریا کی تھی۔ میری اہلیہ کہنے لگیں، "آپ ہر مقام کو پاکستان کے کسی مقام سے تشبیہ دیتے ہیں، اگر کوئی اور یہ سفر کرے اور اسے اس کے برعکس احساس ہو تو وہ آپ کو کیا کہے گا۔" میں نے کہا، "میں محض اپنا احساس بیان کرتا ہوں۔ قارئین میں سے اگر بالفرض کوئی ایسا ایڈونچر پسند پیدا ہو جائے جو پاکستان کے ان تمام مقامات کا سفر بھی کرے اور پھر سعودی عرب آ کر یہ مقامات بھی دیکھے تو میری کوئی ذمہ داری نہیں کہ اسے بھی بالکل یہی احساس ہو گا۔" وادی بوا سے آگے کھجوروں کے باغات اور کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ اب ہم لمحہ بہ لمحہ طائف کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

خیبات بنو سعد

طائف سے ذرا پہلے خیبات بنو سعد کا علاقہ تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شوحطہ نامی گاؤں تھا۔ یہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گاؤں تھا۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اسی علاقے میں کی تھی۔ جب بنو سعد نے اسلام قبول کیا تو سیدہ حلیمہ اپنی بیٹی کے ساتھ مدینہ پہنچ کر ایمان لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی والدہ اور بہن کا بھرپور استقبال کیا اور اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا۔ بعد میں انہیں بہت سے تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک اور سفر کے دوران الباحہ سے طائف آتے ہوئے ہمیں شوحطہ نامی گاؤں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس علاقے میں اب بھی سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنو سعد آباد ہے۔ یہ علاقہ الباحہ سے طائف آنے والی ٹورسٹ ہائی وے پر واقع ہے۔ اس کا فاصلہ الباحہ سے قریباً 170 اور طائف سے 70 کلومیٹر ہے۔ بنو سعد کا مرکز اسی ٹورسٹ ہائی وے پر ہے۔ یہاں سے ایک سڑک دیہات کی جانب نکلتی ہے۔ ہم لوگ اسی سڑک کے ذریعے پوچھتے پوچھتے "عقبہ" نامی گاؤں تک پہنچے۔

یہاں سے آگے کچی سڑک تھی۔ گاؤں کے لوگوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم اپنی گاڑی وہیں پارک کر کے ان کی ہائی لکس پر آگے چلیں۔ پچاس ریال میں معاملہ طے ہو گیا۔ گاڑی کا ڈرائیور دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں سفر نامہ لکھ رہا ہوں تو اس نے فرمائش کی کہ اس سفر نامے میں اس کا نام درج کیا جائے۔ اس نے بطور خاص مجھے اپنا نام لکھوایا جو کہ "محمد رزق اللہ مرزوق الدوہبی" تھا۔

آدھ گھنٹے کے کچے ٹریک کے سفر کے بعد ہم شوحطہ پہنچے۔ گاؤں میں جدید طرز کے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ایک پہاڑی پر بنو سعد کی قدیم مسجد تھی جس کے اب پتھر ہی باقی رہ گئے تھے۔ انہی پتھروں کے ذریعے چار دیواری کی گئی تھی۔ غالباً یہ وہ مسجد ہو گی جو بنو سعد کے اسلام قبول کرنے کے بعد تعمیر کی گئی ہو گی۔ مسجد کے ساتھ ہی سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا جو کہ پتھروں کے دو چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں سیدہ اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہوں گی اور دوسرا کمرہ بچوں کے لئے ہو گا۔ اب ان کمروں کے صرف پتھر ہی باقی رہ گئے تھے۔

مجھے وہ دور یاد آنے لگا جب دو تین سال کی عمر میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم انہی پہاڑیوں پر دوڑا کرتے ہوں گے۔ یہیں آپ نے چھوٹی سی عمر میں بکریاں چرائیں۔ آپ کی رضاعی والدہ اور رضاعی بہن کتنی شفقت سے آپ کی پرورش کیا کرتی ہوں گی۔ انہی پہاڑیوں میں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے شق صدر کا واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ میں ان پہاڑوں کو دیکھنے لگا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں اپنی رضاعی والدہ کی بکریاں چرائی ہوں گی۔ اپنی عمر مبارک کے ابتدائی چار سال آپ نے وہیں بسر فرمائے ہوں گے۔ آپ کی برکات سے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے معاشی حالات میں بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔

اس علاقے کے لوگوں کا پیشہ اب بھی گلہ بانی ہے۔ بہت سے مقامات پر جانوروں کے ریوڑ بھی نظر آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی گلہ بانی کی یاد دلایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ بشمول آپ کے تمام انبیاء نے گلہ بانی کا پیشہ اختیار فرمایا تھا۔ کچھ دیر یہاں رک کر ہم نے تصاویر کھینچیں۔ اس کے بعد واپس ہوئے اور طائف کی جانب روانہ ہوئے۔

طائف کے قریب پہنچ کر ٹریفک بہت زیادہ ہو گئی اور گاڑیوں کی طویل قطار چلنے لگی۔ یہ بھی شکر ہے کہ ہم سب 60-70 کی رفتار سے جا رہے تھے۔ سنگل روڈ کی وجہ سے اوورٹیک کا کوئی موقع نہ تھا۔ یہاں کچھ دیر لگی۔ بالآخر ہم طائف جا پہنچے۔ طائف میں ہمارا رکنے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ شہر سے گزر کر ہم وادی ہدا جا پہنچے اور وہاں سے نیچے اترنے لگے۔ اب اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس دن جمعہ تھا اور بہت

سے لوگ طائف میں دن گزار کر واپس مکہ اور جدہ جا رہے تھے۔

اس وقت یہ 4000 فٹ گہری اترائی بہت خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی۔ پہاڑ کی چوٹی سے لے کر نیچے تک لائٹوں کی ایک حرکت کرتی ہوئی قطار تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی منظر تھا جیسا کہ ہمارے ہاں تقریبات وغیرہ پر عمارتوں پر متحرک لائٹیں لگائی جاتی ہیں۔ بل کھاتی ہوئی سڑک پر لائٹیں حرکت کر رہی تھیں۔ میں نے گاڑی کو بڑے گیئر میں ڈالا تا کہ یہ زیادہ اسپیڈ نہ پکڑ سکے اور بریکوں کا استعمال کم سے کم کیا جائے۔ آخر کار ہم نیچے جا پہنچے۔ کچھ ہی دیر میں ہم مکہ میں تھے۔ شہر کے اندر سے گزرتے ہوئے ہم جدہ ہائی وے پر آ گئے اور دس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد بالآخر جدہ پہنچ گئے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مکان



دمام، الخبر اور بحرین کا زوے

نومبر کے مہینے میں مجھے ایک دفتری کام سے "الخبر" جانا پڑا جو سعودی عرب کے مشرقی صوبے میں واقع ہے۔ خبر اور دمام دونوں جڑواں شہر ہیں جن کے درمیان محض بیس کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ان کے قریب ہی "ظہران" کا علاقہ بھی ہے جہاں سعودی آرامکو کے ہیڈ کوارٹرز ہیں۔ یہ خطہ اور اس کا سمندر تیل کی دولت سے مالا مال ہے اور دنیا کا تیل کا سب سے بڑا ذخیرہ بھی اسی علاقے میں واقع ہے۔

اس سفر میں میرے ساتھ ایک کولیگ محمد فوزی سلام بھی الخبر جا رہے تھے۔ ہمیں وہاں تین کمپنیوں کا انفارمیشن سسٹمز آڈٹ کرنا تھا۔ میرا پروگرام صرف ایک دن کا تھا۔ میں کام شروع کروا کے شام کو واپس جدہ آ جاتا جبکہ فوزی نے وہاں تین دن رک کر تفصیلی آڈٹ کرنا تھا۔ فوزی کا تعلق مصر سے ہے اور کمپیوٹر سافٹ ویئر سے انہیں جنون کی حد تک عشق ہے۔ وہ ہر طرح کے سافٹ ویئر کی معلومات کا چلتا پھرتا ذخیرہ ہیں اور ہمیں جب بھی کسی بھی سافٹ ویئر کی ضرورت پڑتی ہے، ہم انہی سے پوچھ لیتے ہیں اور نوے فیصد معاملات میں وہ ہمارا مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔

ہماری فلائیٹ صبح سات بجے کی تھی چنانچہ میں پانچ بجے بیدار ہوا، اس کے بعد فوزی کے موبائل پر فون کر کے انہیں جگایا، غسل کیا، سوٹ پہنا، وتر کی تین رکعتیں ادا کیں، کافی کا ایک کپ پیا، اہلیہ کو خدا حافظ کہا اور روانہ ہو گیا۔ مجھے ٹیکسی کا سفر نجانے کیوں ناپسند ہے۔ پھر اس پر مستزاد صبح صبح کہاں سے ٹیکسی ڈھونڈتا، چنانچہ میں اپنی ہی گاڑی پر ائرپورٹ روانہ ہو گیا۔ ابھی فجر کی جماعت ہونے میں کچھ وقت تھا اور میرا ارادہ تھا کہ فجر کی نماز ائرپورٹ پر ادا کروں۔

ائرپورٹ پہنچ کر میں عام پارکنگ کی بجائے غلطی سے ایک اور پارکنگ میں جا گھسا۔ وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ یہ پہلی پارکنگ سے بہتر ہے کیونکہ یہاں سارا دن گاڑی چھت کے اندر محفوظ طریقے سے کھڑی رہتی۔ لیپ ٹاپ کمپیوٹر کے علاوہ کوئی سامان میرے پاس نہ تھا۔ ائرپورٹ میں داخل ہوتے ہی میں سیدھا آٹو میٹک چیک ان مشین کے پاس گیا اور اس سے بورڈنگ پاس کیا۔ اگر آپ کے پاس اضافی سامان نہ ہو تو چیک ان کاؤنٹر پر جانے کی بجائے آپ مشین سے بھی بورڈنگ پاس حاصل کر سکتے ہیں۔ میں واپسی کا بورڈنگ پاس بھی اسی وقت حاصل کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر میں محمد فوزی بھی جھومتے جھامتے آ پہنچے۔ عام مصریوں کی طرح فوزی بھی وسیع و عریض وجود اور چہرے کے مالک ہیں۔ جدہ ائرپورٹ پر ٹنل کی سہولت نہ تھی چنانچہ بس کے ذریعے ہم لوگ جہاز تک پہنچے۔ کثیر تعداد میں مصری اور سعودی ایگزیکٹوز دمام جا رہے تھے۔ سعودی تو زیادہ تر اپنے قومی لباس "توپ" میں ملبوس تھے جبکہ مصریوں نے ایک سے بڑھ کر ایک سوٹ پہن رکھے تھے۔ بلاشبہ مصری نہایت ہی خوش لباس قوم ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب کے لوگ اپنے کلچر کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اپنے لباس اور

زبان پر اصرار کرتے ہیں۔ عربوں کے بارے میں ہمارے ہاں "عیاش" لوگوں کا تصور ہے جو بالکل غلط ہے۔ میرے اندازے کے مطابق عربوں کے عیاش لوگوں کا تناسب ہماری قوم کی نسبت کافی کم ہے۔ دراصل لوگوں نے دولتمندی کے ساتھ عیاشی کا تصور منسوب کر لیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ بہت سے دولتمند ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے اور اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

ہماری قسمت میں ایک چھوٹا بوئنگ 737 جہاز تھا۔ پی آئی اے کے ایسے جہازوں دونوں طرف تین تین نشستیں ہوتی ہیں لیکن یہاں ایک لائن میں پانچ نشستیں تھیں جس کی بدولت جہاز کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ میں حسب عادت کھڑکی والی طرف بیٹھ گیا۔ فوزی کی سیٹ پیچھے تھی۔ دور مکہ کی جانب سے پہاڑیوں کے درمیان سورج طلوع ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ سورج بادلوں کے درمیان چھپ گیا۔ صبح کے سفر میں ایسے بہت سے خوبصورت مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں جہاز کی فاصلہ اور رفتار بتانے والی اسکرین آن ہو گئی۔ دمام 1205 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ بذریعہ سڑک یہ فاصلہ 1400 کلومیٹر کے قریب ہے۔ جدہ سے دمام تک موٹروے بنی ہوئی ہے جس کی بدولت یہ فاصلہ بارہ گھنٹے میں طے کیا جا سکتا ہے۔ ہم چونکہ زیادہ رقم خرچ کر کے جہاز پر جا رہے تھے اس لئے یہ فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہونا تھا۔ اس دنیا کا یہ اصول ہے کہ زیادہ رقم خرچ کرو تو زیادہ سہولیات ملتی ہیں۔ یہی اصول اصلی دنیا یعنی آخرت میں بھی کار فرما ہے کہ زیادہ نیکیاں کرو تو جنت میں زیادہ سہولیات دستیاب ہوں گی۔

جہاز میں فلائیٹ سیفٹی کا حسب معمول بور کر دینے والا لیکچر شروع ہو گیا۔ سعودی ائر لائنز کی فلائیٹوں میں یہ لیکچر بذریعہ اسکرین دیا جا رہا تھا۔ ہم لوگ دنیا میں اپنی حفاظت کے بارے میں کس قدر فکر مند ہیں لیکن اصل زندگی یعنی آخرت میں جہنم سے حفاظت سے اکثر اوقات غفلت برت جاتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی سیفٹی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد جہاز ٹیک آف کر گیا۔ اب ہمارے بائیں جانب ابحر کریک نظر آ رہی تھی۔ یہ واٹر اسپورٹس کا مقام ہے جہاں لوگ پانی میں واٹر اسکوٹرز اور چھوٹی لانچوں کے ذریعے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ جنت میں ایسے مقام بکثرت ہوں گے جہاں لوگ دودھ، شہد اور جنت کے پانی کے دریاؤں میں لطف اندوز ہوا کریں گے۔

درۃ العروس کے مقام کے اوپر سے گزرتے ہوئے ہم دمام کی طرف مڑ گئے۔ ہمارے نیچے سے پہلے جدہ مدینہ روڈ گزرا اور پھر مکہ مدینہ ہائی وے۔ اب نیچے سیل کبیر کے سیلابی پانی کا راستہ نظر آ رہا تھا جس میں لوگوں نے کھیت اگائے ہوئے تھے۔ بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے جو جہاز سے چند سو فٹ نیچے ہوں گے۔ مجھے اپنا اسکردو سے اسلام آباد کا سفر یاد آیا جب ایسا ہی منظر تھا لیکن چند سو فٹ نیچے بادلوں کی جگہ برف پوش چوٹیاں اور گلیشیر نظر آ رہے تھے۔ ہم لوگ نانگا پربت کے پاس سے گزرے تھے جو جہاز کی نسبت بلند تھی اور ہمیں جہاز سے بھی اسے دیکھنے کے لئے اوپر دیکھنا پڑا تھا۔

بادلوں کی کثرت دیکھ کر میرے ذہن اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قوت کی طرف چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز تخلیق کرتا ہے تو اس کے جلال کی بدولت وہ چیز بنتی ہی چلی جاتی ہے۔ دور بادلوں میں ایک جھیل سی نظر آ رہی تھی جو کہ یقیناً ایک سراب تھا۔ ایسے ہی سراب صحراؤں میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہ دنیا بھی اسی قسم کا سراب ہے جسے بعض لوگ اصل زندگی سمجھ بیٹھتے ہیں۔

اب ہم ریاض کے علاقے سے گزر رہے تھے جہاں زمین پر گول کھیت نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ہم ریاض دمام ہائی وے کے اوپر سے گزرتے ہوئے دمام ائر پورٹ پر لینڈ کر گئے جو شہر سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ لینڈ کرتے ہی ایک خوشگوار حیرت نے ہمارا استقبال کیا۔ ائر پورٹ پر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ جدہ میں رہتے ہوئے ہم لوگ بارش کو ترس گئے تھے جو یہاں ہمیں دستیاب ہو رہی تھی۔ عرب کے مشرقی علاقوں میں نومبر سے لے کر جنوری تک اچھی خاصی بارش ہو جاتی ہے۔

ائر پورٹ پر فوزی سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ اپنا سامان لے کر رینٹ اے کار کے کاؤنٹرز پر آ جائیں۔ سعودی عرب کے اکثر شہروں میں ائر پورٹ شہر سے کافی دور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ٹیکسی والے بہت زیادہ رقم وصول کرتے ہیں۔ اگر آپ کرائے پر گاڑی لے لیں تو یہ کافی سستی پڑتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپ ٹیکسی والوں کے نخروں سے بھی بچ جاتے ہیں اور اپنی آزادی سے جہاں چاہے جا سکتے ہیں۔

رینٹ اے کار والے سب سے پہلے بڑی اور مہنگی گاڑیاں کرائے پر اٹھاتے ہیں اور سب سے آخر میں چھوٹی گاڑیاں نکالتے ہیں۔ میں چونکہ تین دن پہلے ہی ایک چھوٹی کار بک کر چکا تھا اس لئے مجھے ایک ننھی منی سی ہونڈا سوک دستیاب ہو گئی۔ ظاہر ہے جہاں شیور لیٹ کیپریس کا شمار بھی درمیانی گاڑیوں میں کیا جائے وہاں سوک تو چھوٹی گاڑی ہی کہلائے گی۔

میں دمام اور الخبر میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ چونکہ میں گوگل ارتھ کے ذریعے شہر کا تفصیلی مطالعہ کر چکا تھا اس لئے راستے کا تعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی اور ہم باآسانی خبر کی کورنیش پر جا پہنچے جہاں گلف میریڈین ہوٹل تلاش کرنے میں ہمیں کوئی مسئلہ درپیش نہ ہوا جو ہمارے دفتر کے قریب ہی تھا۔ پہنچنے سے قبل میں نے یہاں کے کولیگ محمد علی صاحب کو موبائل کے ذریعے اطلاع دے دی تھی، وہ بھی یہیں آ پہنچے اور ہمیں اپنی گاڑی کے پیچھے لگا کر دفتر لے گئے۔ دفتر میں اختر صاحب سے ملاقات ہوئی جن کا تعلق راولپنڈی سے تھا۔ اختر صاحب ہمیں کلائنٹ کے دفاتر میں لے گئے۔ دوپہر میں ہم نے چائنا ٹاؤن کا رخ کیا جو خبر کا سب سے بہترین چائنیز ریسٹورنٹ ہے۔ فوزی کے لئے چائینیز کھانا کھانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ انہیں یہ کافی پسند آیا البتہ جھینگے کھانے کے باعث انہیں متلی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی کیونکہ وہ سی فوڈ کے عادی نہ تھے۔

شام میں کام سے فارغ ہوتے ہی ہم بحرین کاز وے کی طرف روانہ ہوئے۔ بحرین کاز وے دراصل ایک پل ہے جو خبر اور بحرین کے جزیروں کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے۔ اس پل کی لمبائی تقریباً تیس کلومیٹر ہے۔ یہ پل سمندر پر تعمیر کیا گیا ہے۔ خبر کے اوقات بھی عجیب و غریب ہیں۔ خبر اور جدہ کے سورج کے طلوع و غروب کے اوقات میں ایک گھنٹے کا فرق ہے۔ اس حساب سے یہاں ساڑھے چار بجے ہی

مغرب کی اذان ہو گئی۔ یہی وجہ ہے چند کلو میٹر دور بحرین میں وقت ایک گھنٹہ آگے ہے۔

بحرین سعودی عرب کے مشرقی ساحل سے پینتیس کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بڑا جزیرہ ہے جو کہ آزاد ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارد گرد کے چھوٹے موٹے جزائر بھی بحرین کی ملکیت ہیں۔ یہ عرب ممالک میں پہلا ملک ہے جس نے مغربی کلچر کو اپنایا۔ بحرین کے جزائر اپنے فطری حسن کے باعث سیاحوں کے لئے بہت کشش رکھتے ہیں۔

الخبر کی کورنیش



بحرین کا زوے پر داخل ہونے کے بیس ریال وصول کئے گئے۔ فوزی نے امریکن سسٹم کے تحت مجھے دس ریال دینا چاہے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں یہ رقم آپ کے موبائل سے کال کر کے وصول کر لوں گا۔ بحرین سے پہلے دو چھوٹے چھوٹے مصنوعی جزیرے آتے ہیں جو کہ سعودی عرب اور بحرین کا بارڈر ہے۔ ان میں سے ایک جزیرہ بحرین میں اور دوسرا سعودی عرب میں واقع ہے۔ دونوں جزائر پر ایک جیسے ٹاور تعمیر کیے گئے تھے جن میں سے سعودی ٹاور سبز اور بحرینی ٹاور سرخ رنگ کا تھا۔

مغرب کی اذان ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے تھے چنانچہ ہم نے جزیرے کی مسجد میں جلدی جلدی نماز ادا کی۔ اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ ہم نے گاڑی ایک جگہ کھڑی کی اور پیدل ہی جزیرے کے طول و عرض کی پیمائش کرنے لگے۔ ان جزائر پر سبزہ بالخصوص اگایا گیا تھا۔ بارش سے دھل کر یہ سبزہ نکھر آیا تھا۔ ہم ساحل پر جا پہنچے۔ آسمان پر چودھویں کا چاند چمک رہا تھا جس کا عکس سمندر کے پرسکون پانی میں پڑ کر جھلملا رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر فوزی پر رومانٹک موڈ طاری ہونے لگا۔ مجھے کہنے لگے، "مسٹر مبشر! آپ جانتے ہیں کہ یہ منظر خواتین کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے اور وہ اس ماحول میں بہت رومانٹک ہو جاتی ہیں۔" میں چونکہ اس معاملے میں بالکل ہی نابلد تھا اس

لئے یہ میری معلومات میں اضافہ تھا۔



سعودی گرین ٹاور

بحرین کا زوے



ان جزائر کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا سکون تھا۔ ہمارے پاس چونکہ پاسپورٹ نہ تھے اس لئے ہم بحرین میں داخل ہونے سے

قاصر تھے۔ گاڑیاں امیگریشن پلازا سے لگی ہوئی تھیں۔ لوگ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے امیگریشن آفیسر کو اپنے اور گاڑی کے کاغذات پکڑاتے جو ان پر مہر وغیرہ لگا کر واپس کر دیتا۔ یہی عمل بحرینی پلازا پر دوہرایا جاتا جس کے بعد مملکت بحرین کا آغاز ہو جاتا۔ بحرین کا دار الحکومت مانامہ یہاں سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ بہت سے لوگ جنہیں دمام کی فلائیٹ نہیں ملتی، وہ بحرین میں آ اترتے ہیں اور بذریعہ کاز وے خبر یا دمام پہنچ جاتے ہیں۔

کافی دیر یہاں گزار کر ہم واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ کچھ وقت خبر کی کورنیش پر بھی گزارا جائے۔ یہاں سے کاز وے کی لائٹس نہایت ہی دلفریب منظر پیش کر رہی تھیں۔ میں نے پکا ارادہ کیا کہ کبھی کھلے وقت میں فیملی کے ساتھ یہاں کا سفر کروں گا۔ عشا کی نماز، جو کہ سوا چھ بجے ہی ہو گئی، ادا کرنے کے بعد میں نے فوزی کو ان کے ہوٹل پر اتارا۔ اسی دوران موبائل پر میری بات یونی لیور کے ایک سابقہ کولیگ نوید سے ہو گئی جو یہیں مقیم تھے۔ ان کی پرزور دعوت پر میں ائرپورٹ جاتے ہوئے ان کی طرف گیا جہاں دس منٹ گپ شپ کر کے اور جوس پی کے میں ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیٹ ہونے کے باوجود میں جہاز میں وقت پر داخل ہوا کیونکہ میں اپنا بورڈنگ پاس صبح ہی جدہ سے حاصل کر چکا تھا۔ رات گیارہ بجے کے قریب میں اپنے گھر واپس آ پہنچا۔

خیبر، مدائن صالح اور تبوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق مقامات کا سفر میں کر ہی چکا تھا۔ اہم مقامات میں اب خیبر اور تبوک کے مقامات ہی باقی رہ گئے تھے۔ قوم ثمود کا مقام، مدائن صالح ان دونوں کے درمیان پڑتا ہے اس لئے ہم نے ان کا ایک ساتھ سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ یہ علاقے دیکھتے ہوئے ہم اردن اور پھر مصر کی طرف نکل جائیں گے۔

جدہ میں رہنے والی پاکستانی و ہندوستانی کمیونٹی کو بالعموم سیر و تفریح اور ایڈونچر سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ ان کی اکثریت کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مدائن صالح کیا چیز ہے۔ ایسا ذوق صرف اہل امریکہ و یورپ یا پھر جاپانیوں میں پایا جاتا ہے اور یہ لوگ جوق در جوق تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ میں ان دنوں جدہ کے بیکر انسٹی ٹیوٹ میں سرٹیفائیڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنٹس (CMA) کی کلاس میں لیکچر دے رہا تھا۔ یہ کلاس زیادہ تر مختلف کمپنیوں میں کام کرنے والے سینئر ایگزیکٹوز پر مشتمل تھی۔ اسی کلاس میں ایک سوئس نو مسلم پال بام گارٹنر بھی تھے جو سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ میں نے جب ان سے مدائن صالح جانے کا ذکر کیا تو انہوں نے ڈھیروں لٹریچر لا کر میرے حوالے کر دیا۔ پال کے ٹورازم کے شوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسی سال انہوں نے سعودی عرب سے لے کر سوئٹزرلینڈ تک سفر اپنی کار میں کیا تھا۔

مدائن صالح کا اجازت نامہ

مدائن صالح کو دیکھنے کے لئے وزارت آثار قدیمہ سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے۔ میں نے پال کی دی ہوئی معلومات کے مطابق اپنی کمپنی سے ایک درخواست لکھوا کر، چیمبر آف کامرس سے اس کی تصدیق کروانے کے بعد وزارت آثار کو فیکس کر دیا۔ ایک ہفتے کے بعد انہوں نے جواب میں اجازت نامہ مجھے فیکس کیا جس پر نام، قومیت اور تاریخیں غلط درج تھیں۔ میں نے ان تفصیلات کو درست کرنے کی درخواست انہیں بھیجی تو ایک ہی دن میں درست نام، قومیت اور تاریخ کے ساتھ اجازت نامہ آ گیا۔

چونکہ ہمیں ایک طویل سفر درپیش تھا اس لئے اس سفر کی بہت سی تیاریاں کیں اور جولائی کے آخری ہفتے میں ہم جدہ سے صبح نو بجے روانہ ہوئے۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کر کے آگے کا سفر کیا جائے۔ جب ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ظہر کی اذان ہو چکی تھی۔ وضو کرنے کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضری دی اور ایک طرف بیٹھ کر میں ذکر و درود میں مشغول ہو گیا۔

ان دنوں کراچی سے میرے یونیورسٹی کے ایک دوست اور سابق کولیگ عامر اوصاف مدینہ آئے ہوئے تھے۔ ہم موبائل پر ایک دوسرے سے ملنے کا مقام اور وقت طے کر چکے تھے۔ طویل عرصے بعد یہ ملاقات خاصی یادگار رہی۔ میں انہیں البیک پر لے گیا جس کے

کھانے کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ کافی دیر پرانی یادیں تازہ کرنے کے بعد وہ رخصت ہوئے۔

اسی اثنا میں میری اہلیہ بھی مسجد کی پارکنگ میں پہنچ چکی تھیں۔ سفر پر روانگی سے پہلے ہمیں کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ ہم لوگ مسجد نبوی کے پاس ہی واقع شاپنگ سینٹر میں چلے گئے جہاں اہلیہ نے اپنے لئے ایک اضافی برقعہ خریدا، میں نے ایک چھتری خریدی اور ایک منی چینجر سے اردنی دینار، مصری پاؤنڈ اور امریکی ڈالر حاصل کئے جن کی ضرورت ہمیں سعودی عرب سے نکل کر پڑ سکتی تھی۔

خیبر کا راستہ

اب ہم مدینہ سے تبوک جانے والی سڑک پر روانہ ہوئے۔ ایک پیٹرول پمپ سے ٹینکی فل کروا کر جب ہم شہر سے باہر نکلے تو پہلا بورڈ نظر آیا: خیبر 170 کلومیٹر۔ مدینہ سے خیبر تک روڈ، سنگل لیکن اچھی کوالٹی کی تھی۔ راستے میں کئی مقامات پر ساتھ چلنے والے پہاڑ قریب آکر راستے کو تنگ کر دیتے۔ اس جگہ جب قریب سے کوئی ٹرک گزرتا تو اس کی ہوا کا پریشر مجھے اسٹیرنگ پر محسوس ہوتا۔ ایسی جگہ پر چھوٹی گاڑی الٹ بھی سکتی ہے۔

گمشدہ اونٹ اور گواچی گاں

راستے میں کئی جگہ بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر گمشدہ اونٹوں کی اطلاع کے لئے ہیلپ لائن دی ہوئی تھی۔ جانور خواہ کوئی بھی ہو اس کے مسائل ایک سے ہوتے ہیں۔ مجھے اس سے پنجابی کا "گواچی گاں" کا محاورہ یاد آ گیا۔ ہمارے دیہات میں جب کسی کی گائے بھینس کھل کر غائب ہو جاتی ہے تو ایک کہرام برپا ہو جاتا ہے۔ سعودی عرب چونکہ ہماری نسبت کافی ترقی یافتہ ملک ہے اس لئے اس مسئلے کے حل کے لئے انہوں نے ایک محکمہ بنا دیا ہے۔ جس کسی کا اونٹ گم ہو جائے وہ اس نمبر پر اطلاع کرے اور جو بھی کسی شتر بے مہار کو دیکھے وہ بھی اسی نمبر پر اطلاع کرے۔ اس محکمے کے لوگ آکر اونٹ کو پکڑ لیں گے اور اس کے مالک کے حوالے کر دیں گے۔ دوسرے سعودی محکموں کی طرح اس محکمے کی سروس کیسی ہے، اس کا کوئی تجربہ مجھے نہ ہو سکا کیونکہ میں نے اونٹ پالنے کا شوق کبھی نہیں پالا۔

ڈیڑھ گھنٹے میں ہم لوگ خیبر جا پہنچے۔ خیبر کا پورا علاقہ آتش فشانی چٹانوں پر مشتمل ہے جسے عربی میں "حرات خیبر" کہا جاتا ہے۔ پانی کی موجودگی اور آتش فشانی مادے کے باعث یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ جب ہم لوگ شہر میں داخل ہوئے تو عصر کی نماز کا وقت تھا۔ ہائی وے پر ایک مسجد کے قریب گاڑی کھڑی کی۔ یہاں ایک بس رکی ہوئی تھی جس میں شامی زائرین کا ایک قافلہ عمرہ کی ادائیگی کے بعد اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ ایک شامی اماں، مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھی، دنیا و مافیہا سے بے خبر، سوٹے لگا رہی تھیں۔

وضو کر کے میں مردوں کی جانب اور میری اہلیہ ماریہ سمیت خواتین کی جانب چلی گئیں۔ مسجد کی پہلی جماعت تو چکی تھی۔ اب ہم لوگ دوسری جماعت میں نماز ادا کر رہے تھے۔ شام کے ایک صاحب نے امامت کی۔ ان لوگوں کے ہاں رواج ہے کہ نماز کے بعد سب لوگ ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ مجھ سے مل کر یہ لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ میں ان میں واحد پاکستانی تھا۔ میں نے ان لوگوں سے خیبر کے قلعے کے بارے میں پوچھا لیکن انہیں اس کا علم نہ تھا۔ باہر ایک صفائی کرنے والے بنگالی بھائی سے میں نے اس کا

راستہ دریافت کیا تو انہوں نے راستہ سمجھا دیا۔



خیبر کا راستہ



خیبر کا صراحی چوک

خیبر ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ بازار ہمارے چھوٹے شہروں کے بازاروں جیسا تھا۔ شہر کے مرکزی چوک میں صراحیوں کا ڈیزائن بنایا گیا تھا۔ یہاں بدوؤں کی آبادی تھی۔ یہ لوگ عموماً بہت خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ میں نے راستے میں ایک بدو سے قلعے کے بارے میں

معلوم کیا تو وہ اپنی گاڑی آگے لگا کر ہمیں وہاں تک چھوڑ کر آئے۔

خیبر کا قلعہ

خیبر کی قدیم آبادی کچے مکانات کے کھنڈرات پر مشتمل تھی۔ ہموار کئے گئے پتھروں کو مٹی اور گارے کی مدد سے ایک دوسرے کے اوپر جوڑا گیا تھا اور ان پر کھجور کے تنوں اور پتوں کی مدد سے چھت ڈالی گئی تھی۔ پورے علاقے میں کھجور کے درخت ہر جانب پھیلے ہوئے تھے جن پر ادھ پکی کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے۔ کھنڈرات کی گلیوں میں بعض مقامات پر ہمارے دیہات اور کچی آبادیوں کی طرح چھتیں بنا دی گئی تھیں جن کے اوپر سے مکانات کے بالا خانے ملے ہوئے تھے۔ اکثر مکانات کی چھتیں گر چکی تھیں مگر ان کی دیواریں سلامت تھیں۔ مکانات ایک پہاڑی کے دامن میں واقع تھے۔ پوری پہاڑی کے گرد محکمہ آثار قدیمہ والوں نے باڑ لگا کر اسے محفوظ کر دیا تھا اور یہاں داخلہ ممنوع تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر مرحب کا قلعہ نظر آ رہا تھا۔

قدیم دور میں جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے دو عذاب، پہلے نبو کد نضر اور پھر ٹائٹس جیسے ظالم فاتحین کی صورت میں نازل ہوئے تو یہ لوگ جلاوطنی پر مجبور ہوئے۔ ان مواقع پر یہود کے بعض قبائل فلسطین سے نکل کر شمالی عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ ان لوگوں نے عبرانی تہذیب اور ثقافت کو چھوڑ کر عربی تہذیب اور زبان اختیار کر لی۔ متمدن دنیا سے تعلق رکھنے کے باعث انہیں بہت سے ایسے ہنر آتے تھے جن کی بدولت ان کی معیشت مضبوط ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ اس مقام پر آ گئے کہ انہوں نے عرب قبائل کو سودی قرضوں کے جال میں پھنسا لیا۔

بنی اسرائیل میں اپنی نسلی مفاخرت کے باعث ایک غلط نظریہ پروان چڑھ گیا تھا۔ یہ لوگ خود کو متمدن اور دوسروں کو وحشی (Gentiles) قرار دینے لگے۔ ان کے نزدیک اپنے لوگوں سے سود لینا گناہ اور دوسروں سے سود لینا جائز ٹھہرا۔ سود کے علاوہ ان میں دوسری برائی یہ در آئی کہ ان لوگوں نے جادو ٹونے کا کاروبار بھی شروع کر لیا۔ خداوند واحد کی توحید سے وابستہ ہونے کے باوجود ان میں طرح طرح کے شرکیہ عقائد و افعال سرایت کرنے لگے۔ ان کے نیک لوگوں نے اصلاح کی کافی کوشش کی لیکن ان کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔

عرب کے یہود اس بات سے آگاہ تھے کہ ان کی معیشت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے جب عرب کے دیگر قبائل ایک دوسرے سے محاذ آرائی کا راستہ اختیار کئے رکھیں۔ یہود کے مختلف قبائل، مختلف عرب قبیلوں کے حلیف بن گئے اور انہیں ایک دوسرے سے جنگ پر اکسانے لگے۔ ان جنگوں میں یہود کے قبائل ایک دوسرے سے بھی لڑتے رہے۔ یثرب کے مشہور قبائل اوس و خزرج کی جنگ میں یہودی قبیلے بنو قینقاع نے خزرج اور بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد میثاق مدینہ کے تحت تمام یہودی قبائل نے آپ کو مدینہ کا حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی تھی۔ اسی معاہدے کے مطابق ان پر یہ لازم تھا کہ مدینہ پر کسی حملے کی صورت میں یہ

لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔ ان لوگوں نے اس معاہدے کی بارہا خلاف ورزی کی اور بدر و احد کی جنگوں کے دوران مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ کئی مرتبہ ان کے اوباشوں نے مسلم خواتین سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رکھا جس پر نوبت قتل و خون تک پہنچ گئی۔ ان کی انہی حرکتوں کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ان کے دو قبائل بنو قینقاع اور پھر بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا تھا۔ بنو نضیر نے اپنی جلاوطنی سے قبل رسول اللہ کو شہید کرنے کی سازش بھی کی تھی





مدینہ سے جلاوطن ہو کر ان لوگوں کی اکثریت خیبر میں آباد ہو گئی۔ یہاں پر بھی یہ لوگ سازشوں سے باز نہ آئے اور مدینہ پر حملے کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے خیبر میں سات قلعے بنائے جن میں مرحب پہلوان کا قلعہ سب سے بڑا اور مضبوط تھا۔

6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد، مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا۔ اب یہود کی شر پسندی کافی بڑھ چکی تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے پندرہ سو کے لشکر جرار کے ساتھ خیبر پر حملہ کیا اور سوائے مرحب کے قلعے کے، ان کے تمام قلعے بھی فتح ہو گئے۔ قلعہ مرحب جو کو پہاڑی پر بنا ہوا تھا اور اس کے گرد پتھروں کی فصیل تھی، فتح کرنا ایک مشکل کام تھا۔ مسلمانوں کی کئی جماعتوں نے اسے فتح کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا، "کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔"

سب صحابہ اسی اشتیاق میں رہے کہ شاید وہ خوش نصیب میں ہی ہوں۔ اگلے دن لشکر کا جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا۔ آپ نے اپنی بے مثال شجاعت کے ذریعے یہ قلعہ ایک ہی دن میں فتح کر لیا اور مرحب پہلوان جو جنگی امور کا مانا ہوا ماہر تھا، آپ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

میں اس قلعے کو دیکھنے لگا۔ زمین سے تقریباً سو میٹر بلند پہاڑی پر واقع یہ قلعہ دیکھنے ہی میں ناقابل تسخیر لگ رہا تھا۔ اس کے ہر جانب سے پہاڑی کا سلوپ 60 سے 75 ڈگری کے زاویے پر تھا۔ اگر کوئی فوج اس پر حملہ کرتی تو قلعے سے اس پر پتھروں اور تیروں کی بارش کی جا سکتی تھی۔ اس قلعے کو فتح کرنا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی ذہانت اور جنگی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہود انبیاء کرام کے ساتھ تعلق کی ایک طویل تاریخ رکھتے ہیں۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اللہ کے رسول کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کی سرکشی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ انہوں نے اللہ کے رسول کا مقابلہ کیا اور مغلوب ہوئے۔ اس کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ ان پر مغلوبیت اور مسلمانوں کے ماتحت رہنے کا عذاب مسلط کیا گیا۔ ارد گرد کے یہود نے فتح خیبر سے مرعوب ہو کر صلح کر لی۔ ان علاقوں میں موجودہ حائل، العُلا اور تیماء کے علاقے شامل ہیں۔

یہ لوگ اس علاقے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک آباد رہے۔ معاہدے کے تحت ان پر لازم تھا کہ اپنی فصلوں کا نصف اسلامی حکومت کو بطور خراج دیں گے۔ مسلمانوں نے ان سے عدل و انصاف کا ایسا سلوک کیا کہ جو صاحب بھی ان سے خراج وصول کرنے جاتے، وہ فصل کے بالکل برابر دو حصے کر کے انہیں کہتے کہ جو پسند ہو، وہ رکھ لو۔ یہود کے معقول لوگ اس پر کہتے کہ اسی انصاف پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ اس حسن سلوک کے باوجود یہ لوگ یہاں پر بھی اپنی سازشوں اور مکاریوں سے باز نہ آئے جس کی پاداش میں انہیں خیبر سے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جلاوطن کیا گیا۔

العُلا کا راستہ

خیبر سے نکل کر ہم لوگوں نے ایک بدو صاحب سے "العُلا" جانے والی سڑک کا پوچھا۔ اپنی مہمان نوازی کے باعث وہ کافی دیر ہمیں اپنے

پیچھے لگا کر اس روڈ تک چھوڑ آئے۔ یہاں سے العُلا شہر اب 150 کلو میٹر کے فاصلے پر تھا جسے سوا گھنٹے میں طے کر کے ہم لوگ العُلا شہر جا پہنچے۔

یہ سڑک اب سیدھی ساحلی شہر "الوجہ" کی طرف جا رہی تھی۔ "العلا" جانے کے لئے ایک سڑک شہر کے اندر جا رہی تھی۔ یہاں چند پولیس والے قالین بچھائے آرام فرما رہے تھے۔ یکا یک انہیں اپنی ڈیوٹی کا خیال آیا اور انہوں نے ہمیں روک کر کاغذات طلب کئے۔ میرے پاس اقامہ نہ تھا کیونکہ وہ میں نے اپنی کمپنی کو دے کر ان سے پاسپورٹ لے لیا تھا۔ اس پر انہوں نے کافی غور و خوض کیا اور میرا پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائسنس دیکھ کر جانے کی اجازت دے دی۔ یہ پہلا موقع تھا جب فیملی کی موجودگی میں پولیس والوں نے چیکنگ کی ہو۔

مدائن صالح ہوٹل

العلا شہر میں دو ہی اچھے ہوٹل ہیں: العرق ہوٹل اور مدائن صالح ہوٹل۔ میں جدہ ہی سے مدائن صالح ہوٹل میں بکنگ کروا چکا تھا۔ راستے میں ایک خان صاحب سے مدائن صالح ہوٹل کا راستہ پوچھا اور شہر کی گلیوں سے گھوم کر ہم ہوٹل تک پہنچ گئے۔ پہلے ہم غلطی سے ہوٹل کے سامنے ایک شادی ہال میں جا گھسے اور پھر درست راستے سے ہوٹل میں داخل ہوئے۔ یہ ایک منزلہ خوبصورت اور صاف ستھرا ہوٹل تھا۔ چیک ان کرنے کے بعد ہم کمرے میں داخل ہوئے۔ ہوٹل والوں سے گپ شپ پر معلوم ہوا کہ غیر ملکی زیادہ تر یہاں سردیوں کے موسم میں آتے ہیں جبکہ گرمیوں میں سعودی فیملیاں ہی یہاں کا رخ کرتی ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوٹل کے چیف کک پاکستانی ہیں لیکن یہاں ہمیں کوئی پاکستانی یا چائنیز کھانے دستیاب نہ ہو سکے چنانچہ بخاری چاولوں پر گزارا کیا اور جلد ہی سو گئے۔

صبح اٹھ کر نماز کے بعد کانٹی نینٹل ناشتہ کر کے ہم لوگ ہوٹل سے نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہوٹل کے باہر کا منظر نہایت ہی دلفریب تھا۔ سامنے کھلی وادی میں دور دور تک سبزہ اور کھجور کے درخت نظر آ رہے تھے۔ ان کے بیک گراؤنڈ میں عجیب و غریب شکلوں والے پہاڑ نمایاں تھے۔ ہوٹل کے دوستانہ اسٹاف سے میں نے شیر کے مقبروں (Lion Tombs) اور مدائن صالح کے راستے معلوم کر لیے تھے۔ اس اسٹاف میں ایک لاہوریے صاحب بھی تھے۔

ہوٹل سے نکل کر ہم لوگ لائن ٹامبز کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ ہوٹل سے دو کلو میٹر کے فاصلے پر تھے اور راستہ کچا تھا۔ سامنے عجیب و غریب انداز میں کٹے ہوئے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ کچھ انگلی نما چٹانیں تھیں تو کچھ ایسی چٹانیں تھیں جیسے بہت سے بھوتوں نے سر اٹھا رکھے ہوں۔ ایک چٹان کی شکل تو بالکل اونٹ کے سر جیسی تھی۔ یہاں کچے مکانات کے کھنڈرات تھے جیسے ہم خیبر میں دیکھ آئے تھے۔ لائن ٹامبز کے گرد باڑ لگا دی گئی تھی جس کے باعث اندر جانا ممکن نہ تھا۔

ابھی ہم واپس آ ہی رہے تھے کہ میرے موبائل پر مدائن صالح ہوٹل والوں کا فون آ گیا۔ وہ بڑی معذرت سے یہ بتا رہے تھے کہ غلطی سے انہوں نے ناشتے کی رقم بل میں شامل نہیں کی۔ ہم ہوٹل واپس ہوئے اور انہیں ناشتے کی رقم ادا کر کے العلا شہر کی طرف

روانہ ہو گئے۔ شہر سے ہم نے پیٹرول کی ٹنکی فل کروائی۔ پمپ پر ایک پاکستانی صاحب تھے جو کھاریاں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں سے ہم لوگ مدائن صالح کی جانب روانہ ہوئے جو صرف بیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ سید مودودی صاحب کے 1959 کے سفر نامے میں مدائن صالح کا فاصلہ العلا سے تیس میل بتایا گیا ہے جو کسی طور پر بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ عین ممکن ہے کہ ان کے سفر کے وقت کوئی اور طویل راستہ ہو لیکن اب یہ محض بیس کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔





مدائن صالح کے آثار

مدائن صالح کے آثار

مدائن صالح کا پورا راستہ عجیب و غریب چٹانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایسا منظر میں نے اپنے طویل سفروں میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک وسیع صحرا تھا اور اس میں جابجا پتھریلی چٹانیں گویا رکھی ہوئی تھیں۔ انہی چٹانوں کو اندر سے کھود کر قوم ثمود نے اپنے گھر تیار کیے تھے۔

آثار کے گیٹ پر ایک چوکی بنی ہوئی تھی جس میں خلاف توقع ایک نہایت ہی خوش اخلاق پولیس مین موجود تھے۔ انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے ہمارا استقبال کیا اور اجازت نامہ طلب کیا۔ اس کے علاوہ پاسپورٹ اور گاڑی کے کاغذات طلب کر کے ان کا اندراج کیا اور ہمارے لئے گیٹ کھول دیا۔ گیٹ پر آثار کا ایک نقشہ بھی بنا ہوا تھا۔ ان پتھریلی چٹانوں کے بیچ میں جہاں جہاں قوم ثمود اور نبطی قوم کے آثار تھے، اس کے ارد گرد باڑ لگا کر پورے علاقے کو محفوظ کر لیا گیا تھا۔

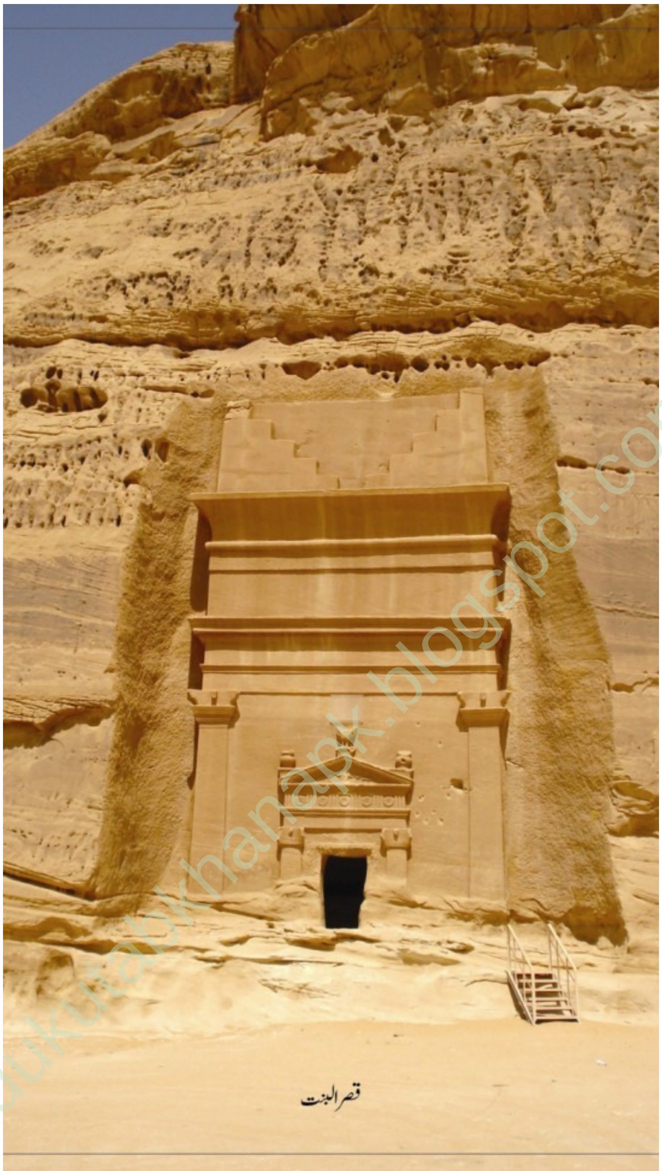
مدائن صالح کے پورا علاقے پر ایک کچا رنگ روڈ بنایا گیا جس پر کار آسانی سے چل سکتی تھی۔ اس رنگ روڈ کو قوم ثمود اور نبطی قوم کی مختلف عمارتوں کے درمیان سے گزارا گیا تھا۔ گاڑی کو روڈ پر کھڑا کر کے پیدل ان عمارتوں تک جایا جا سکتا تھا۔ ان عمارتوں میں قصر الصانع، قصر الفرید اور قصر البنت زیادہ مشہور تھیں۔ یہ محلات بھی عام عمارتوں کی طرح تھے لیکن ان سے بڑے تھے۔ باقی عام لوگوں کی رہائشی عمارتیں ہوں گی۔ وہاں لکھے گئے کتبوں کے مطابق یہ نام ماہرین آثار قدیمہ کے دیے ہوئے ہیں۔ اس علاقے کا قدیم نام "الحجر" ہے۔

ان گھروں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ گھر پہاڑوں کو کھود کر بنائے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کی انجینئرنگ کتنی ترقی یافتہ تھی۔ ہر گھر کے دروازے پر نہایت ہی خوبصورت گیٹ بنایا گیا تھا جو کہ دراصل پہاڑ ہی میں کھودا گیا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ قوم ثمود نے یہ گھر کھودے ہوں گے اور ان کے کئی ہزار سال بعد جب یہ علاقہ نبطی قوم کے زیر اثر آیا تو انہوں نے اپنے دارالحکومت پیٹرا کی طرح یہاں بھی گیٹ بنا کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہو گا۔ بعض دروازوں پر مختلف شکلوں کے مجسمے بھی کھدے ہوئے تھے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ یہاں بنا کچھ بھی نہیں تھا بلکہ سب کچھ کھود کر بنایا گیا تھا۔ میں نبطیوں کے آرٹ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک عام سے گھر میں داخل ہونے کے بعد میں نے قصر البنت کا رخ کیا۔ دروازے زمین سے کافی بلند تھے۔ غالباً اتنی بلندی پر گھر بارش اور سیلاب کے باعث بنائے گئے ہوں گے۔ اس دور میں لکڑی کی سیڑھی استعمال کی جاتی ہو گی جس کی جگہ اب لوہے کی سیڑھی لگا دی گئی تھی۔ دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ان کا ڈرائنگ روم تھا۔ بعض گھروں میں یہ ڈرائنگ روم دروازے سے ایک فٹ گہرا کھودا گیا تھا اور بعض گھروں میں یہ ایک چبوترے کی شکل میں ایک فٹ بلند تھا۔ دیواروں میں جابجا مختلف سائز کے طاقچے کھودے گئے تھے جو سامان رکھنے کے کام آتے ہوں گے۔

ڈرائنگ روم کے اندر دو مزید کمرے کھودے گئے تھے۔ شاید ایک بیڈ روم کے طور پر اور دوسرا سامان کے کمرے کے طور پر استعمال ہوتا ہو گا۔ دیواریں، فرش اور چھت کسی آلے سے رگڑ کر بالکل ہموار کر دی گئی تھیں۔ ایسا ہی آرکی ٹیکچر تمام عمارتوں کا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بعض جگہ طاقچوں کی تعداد زیادہ اور بعض عمارتوں میں کم تھی۔ ظاہر ہے ہر عمارت کے مکین نے اپنی ضرورت کے

مطابق طاقچے بنائے ہوں گے۔



قصر البنت

قصر البنت سے باہر بہت سی بھوت نما چٹانیں نظر آ رہی تھیں جو آثار کی حدود سے باہر تھیں۔ ان میں انگلی نما اور سر نما چٹانیں نمایاں تھیں۔ اب ہم نبطیوں کے کنویں (Nabatean Well) کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس کے گرد گرل لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ یہاں لکھے ہوئے ایک کتبے کے مطابق اس علاقے میں ساٹھ کے قریب کنویں دریافت ہوئے ہیں۔

میں نے کنویں کے اندر جھانکا تو حیران رہ گیا۔ ہمارے پنجاب میں کنویں زمین کھود کر نکالے جاتے ہیں اور کنویں کی تکمیل کے بعد اس میں اینٹیں لگا کر انہیں پختہ کر لیا جاتا ہے۔ یہاں صورتحال الٹ تھی۔ یہ کنواں چٹان کو بالکل گولائی میں کاٹ کر کھودا گیا تھا۔ اس کنویں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہاں زمین میں شاید پانی نہ ہو بلکہ اس کنویں میں بارش کا پانی ذخیرہ کیا جاتا ہو گا۔ عین ممکن ہے کہ

دونوں طرح کے پانیوں سے فصلوں کو سیراب کیا جاتا ہو۔ قریب ہی علاقے میں ہمیں کھیت اور کھجوروں کے باغات بھی نظر آ رہے تھے۔

قوم ثمود پر عذاب

اب مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اکبر الہ آبادی کے ایک شعر کے مطابق ان آثار کی کھدائی سے کلچر تو منوں کے حساب سے دریافت کیا جا رہا ہے لیکن عبرت کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا۔ اس علاقے میں دنیا کی دو متمدن قومیں یکے بعد دیگرے آباد رہیں اور پھر نیست و نابود ہو گئیں۔ افسوس اس سے کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم جب تبوک کے سفر کے دوران یہاں سے گزرے تو آپ نے صحابہ کرام کو ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہاں سے جلدی گزر جاؤ کیونکہ یہ سیر گاہ نہیں بلکہ عبرت کا مقام ہے۔ میرے ذہن میں قرآن مجید کی ان آیات کا مفہوم گردش کرنے لگا جو قوم ثمود سے متعلق ہیں:

> اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا، 'اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے۔ لہذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ تمہیں زمین میں یہ مرتبہ دیا کہ تم اس کے وسیع میدانوں میں عالیشان محل بناتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی صورت میں تراشتے ہو۔ اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔'
>
> اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کمزور طبقے کے ان لوگوں سے، جو ایمان لے آئے تھے، کہا، 'کیا تم واقعی جانتے ہو کہ صالح اللہ کا پیغمبر ہے؟' انہوں نے جواب دیا، 'بے شک! جس پیغام کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔' ان بڑائی کے دعوے داروں نے کہا، 'جس چیز پر تم ایمان رکھتے ہو، ہم اس کے منکر ہیں۔'
>
> پھر انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پوری سرکشی کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اور بولے، 'اے صالح! لے آؤ وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم واقعی رسول ہو۔' آخر کار انہیں ایک دہلا دینے والی آفت نے آ لیا۔ اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور صالح یہ کہتے ہوئے ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ، 'اے میری قوم! میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تمہاری بہت خیر خواہی کی۔ مگر میں کیا کروں کہ تمہیں اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔' (الاعراف 7:73-79)

قوم ثمود دراصل قوم عاد کے ان لوگوں کی نسل میں سے تھی جو سیدنا ہود علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لائے تھے۔ یہ لوگ اس علاقے میں آ کر آباد ہوئے جو اب مدائن صالح یا الحجر کہلاتا ہے۔ ان کا زمانہ اب سے تقریباً چھ ہزار سال قبل کا تھا۔

قوم ثمود بھی دوسری اقوام کی طرح شرک کا شکار ہو گئی تھی۔ جب ان کے رسول سیدنا صالح علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں اللہ کے دین کی دعوت دی تو انہوں نے آپ سے اس کی کوئی نشانی طلب کی۔ آپ نے ان کی فرمائش پر اللہ کی طرف سے ایک اونٹنی بطور نشانی پیش کی جو کہ پتھریلی چٹان سے نمودار ہوئی تھی۔ اس کھلی نشانی کے بعد بھی انہوں نے آپ کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں اس قوم کو تباہ کر دیا گیا کیونکہ رسول کی آمد کسی قوم کے لئے روئے زمین پر قیامت صغری برپا کر دینے کے مترادف ہوا کرتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے

رسول کا انکار کیا جس کی پاداش میں انہیں اسی دنیا میں سزا دے کر قیامت تک کے لئے آنے والی نسلوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا گیا۔ ان کی اس داستان عبرت کو دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتب بائبل اور پھر قرآن کا حصہ بنا کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ اب یہ ہر انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ انہیں محض قصے کہانیاں سمجھ کر نظر انداز کرے، یا ان سے تاریخی معلومات کشید کرے یا پھر عبرت حاصل کر کے ان سے اپنی موجودہ زندگی کو اصل زندگی کے لیے سنوارنے کی کوشش کرے۔

قوم ثمود کے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال بعد بعد اس علاقے پر نبطیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ لوگ سیدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد سے تھے۔ ان کا دارالحکومت موجودہ اردن کے علاقے میں واقع تھا جس کا نام "پیٹرا (Petra)" تھا۔ ان کا دوسرا بڑا شہر یہی مدائن صالح تھا۔ ان کی تاریخ کو کسی قدر تفصیل سے میں نے پیٹرا کے باب میں بیان کیا ہے۔

حجاز ریلوے

اب ہم لوگ آثار کے شمال کی طرف ہو لیے۔ یہاں کی قابل دید چیز مدائن صالح کا ریلوے اسٹیشن تھا۔ انیسویں صدی میں ریل کی ایجاد کے بعد ترکی کی عثمانی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ایک ریلوے لائن دمشق سے لے کر مدینہ تک بچھائی جائے جسے آگے مکہ تک لے جایا جائے۔ بالآخر بیسویں صدی کے آغاز میں یہ ریلوے لائن بچھائی گئی۔ اس ریلوے کو "حجاز ریلوے" کا خطاب دیا گیا۔ اس لائن کو بچھانے کے لئے ترک حکومت نے دنیا بھر کے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر اس چندے میں حصہ لیا کیونکہ یہ حرمین شریفین کے نام پر مانگا گیا تھا۔ صرف پنجاب سے ہی پیر جماعت علی شاہ صاحب نے لاکھوں روپے کا چندہ اکٹھا کر کے بھیجا جو آج کے اربوں روپے کے برابر ہے۔

حجاز ریلوے کا پہلا فیز 1907 میں مکمل ہوا جس کے نتیجے میں دمشق سے مدینہ تک کا فاصلہ جو ڈیڑھ مہینے میں طے ہوتا تھا، اب محض چار دن کا رہ گیا۔ یہ ریلوے لائن دمشق سے عمان، تبوک اور مدائن صالح کے راستے مدینہ پہنچتی تھی۔ مدینہ سے مکہ تک کا دوسرا فیز کبھی مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے ٹھیک ایک سو سال بعد 2007 میں سعودی حکومت نے مکہ سے مدینہ تک ریلوے لائن بچھانے کا اعلان کیا۔

عربوں میں ترکوں کے خلاف ایک عمومی نفرت پائی جاتی تھی۔ اس کی وجہ ترکوں کا عربوں سے امتیازی سلوک تھا۔ عثمانی ترکوں نے عربوں کی عباسی سلطنت کو ختم کر کے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ سلطنت عثمانیہ، جو سولہویں صدی سے انیسویں صدی تک تقریباً چار سو سال تک دنیا کی سپر پاور کے رتبے پر فائز رہ چکی تھی، بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ کے مرد بیمار کا خطاب حاصل کر چکی تھی۔ اس ریلوے لائن کے نتیجے میں دمشق سے مدینہ تک ہزاروں عربوں کے ہوٹلوں اور سراؤں کا کاروبار بھی ختم ہوا جو حجاج کی وجہ سے قائم تھا۔

ان تمام عوامل کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت نے بھی اس علاقے میں ترکی کی حکومت کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ لارنس آف عریبیا کا کردار بھی اسی سے متعلق ہے۔ کرنل لارنس نے اس علاقے میں ایک عظیم بغاوت منظم کی جسے "عرب بغاوت

(Arab Revolt)" کا نام دیا گیا جس کی قیادت اس وقت کے مکہ کے گورنر شریف حسین کر رہے تھے۔ اس موضوع پر ایک فلم بھی بنی ہے۔

ترکی کی حکومت نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری جب انہوں نے پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ جرمنی کی شکست کے بعد انگریزوں نے ترکی کے حصے بخرے کرنے شروع کیے جس کے نتیجے میں سعودی عرب، اردن، شام اور لبنان کی حکومتیں وجود پذیر ہوئیں۔ اسی دور میں دور دراز سے یہودیوں کو بھی لا کر فلسطین میں آباد کیا گیا اور اسرائیل کی بنیاد بھی رکھی گئی جسے دوسری جنگ عظیم کے بعد باقاعدہ آزاد ملک کا درجہ دیا گیا۔

نجد کے سعودی حکمرانوں اور حجاز کے ہاشمی خاندان کے درمیان بھی اس دور میں جنگیں ہوئیں جس کے نتیجے میں ہاشمی خاندان کی حکومت صرف اردن تک محدود ہو گئی اور نجد کے ساتھ ساتھ حجاز کا علاقہ بھی سعودی خاندان کے زیر نگیں آ گیا۔ اردن کے موجودہ شاہ عبداللہ، شریف حسین کے پڑپوتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان بڑے ہی خوش فہم واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے 1919 میں ترکی کی ملوکیت کو بچانے کے لئے تحریک شروع کی جس پر خلافت کا لیبل لگا ہوا تھا۔ اس تحریک کے ساتھ ساتھ بعض عاقبت نا اندیشوں کے زیر اثر تحریک ہجرت شروع ہوئی۔ لاکھوں مسلمان اپنا گھر بار اونے پونے بیچ کر افغانستان ہجرت کر گئے جس نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بے چارے لٹے پٹے واپس آئے اور طویل عرصے تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی پوری تاریخ ایسی ہی عاقبت نا اندیشیوں سے بھری پڑی ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ہم اپنی بے وقوفیوں کو بھی دوسروں کی سازش سے تعبیر کرتے ہیں۔

عرب بغاوت میں حجاز ریلوے کی پٹریوں کو اکھاڑ دیا گیا تھا۔ اب اس کے نشانات صرف ریلوے اسٹیشنز کی صورت میں موجود ہیں جنہیں سعودی حکومت نے آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ کر لیا ہے۔ مدائن صالح کے ریلوے اسٹیشن کا ڈیزائن ہمارے قدیم اسٹیشنز جیسا تھا۔ یہ تنگ گیج کی پٹری تھی جس پر ریلوے کی تین ویگنز کی باقیات اب بھی موجود تھیں۔ ایک طرف ریلوے ورکشاپ بھی تھی جس میں ایک صحیح سالم انجن کھڑا ہوا تھا جو بالکل ہمارے قدیم سیاہ کوئلے کے انجنز جیسا تھا۔ اس پر اس کی تاریخ پیدائش 1906 بھی لکھی ہوئی تھی۔ ایک طرف کوئلے کا ذخیرہ کرنے والے ڈرم بھی پڑے ہوئے تھے۔ اس انجن کا سائز ہمارے سیاہ انجنز سے چھوٹا تھا۔

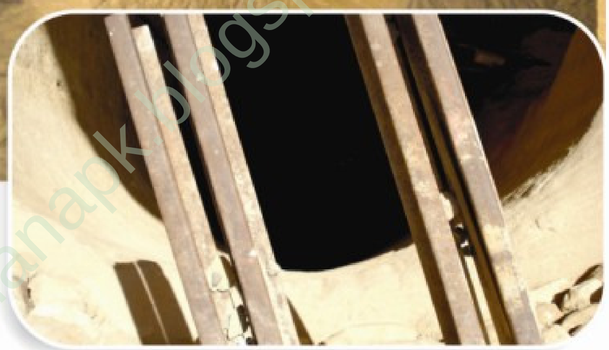
کچھ دیر پلیٹ فارم پر گھومنے کے بعد ہم واپس ہوئے۔ اب ہم قصر الخریمات کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ بھی قوم ثمود اور نبطیوں کے آثار تھے۔ کچھ آگے جا کر ہمیں دو عظیم الشان اژدہے نظر آئے۔ یہ ایک جیسی دو چٹانیں تھیں جن کے منہ اژدہے کی مانند تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دو اژدہے منہ بند ساتھ ساتھ کھڑے ہیں۔

گیٹ سے باہر نکلے تو دائیں جانب ایک فارم ہاؤس پر نظر پڑی۔ گیٹ کے پولیس والے ہمارے قریب آئے اور عربی میں کہنے لگے کہ آپ فارم میں چلے جائیں، یہاں اچھی قسم کی انجیر دستیاب ہو جائے گی۔ چونکہ وہاں کوئی ذی روح ہمیں نظر نہ آ رہا تھا چنانچہ ہم نے واپسی کی ٹھانی۔ باہر مین روڈ پر نکلے تو ایک بقالے پر نظر پڑی جس میں وزیرستان کے ایک خان صاحب براجمان تھے۔ خان صاحب سے

کچھ دیر گپ شپ کر کے اور پانی کی بوتل خرید کر ہم مدائن صالح سے روانہ ہو گئے۔

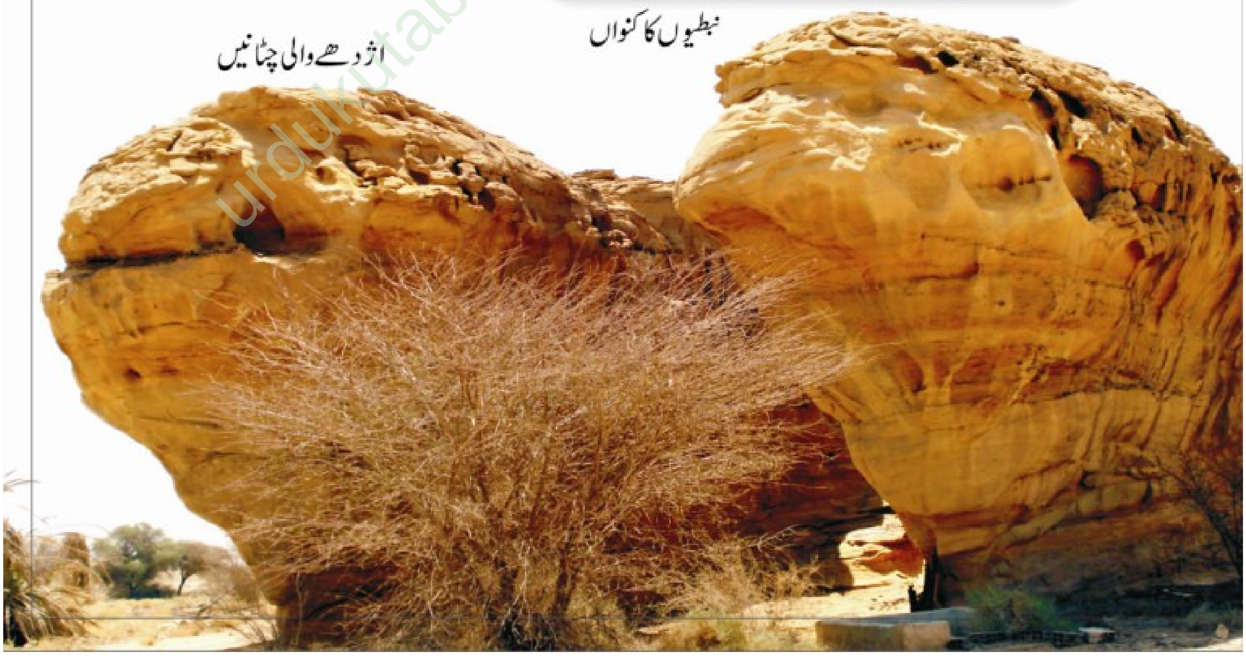


قوم ثمود کے گھروں کا اندرونی حصہ



نبطیوں کا کنواں

اژدھے والی چٹانیں



کچھوے اور ہاتھی والی چٹانیں

مین روڈ پر ایک چٹان بالکل کچھوے کی مانند نظر آ رہی تھی۔ مشہور زمانہ ہاتھی والی چٹان بھی اس کے قریب ہی واقع تھی۔ چٹانوں والے علاقے سے نکل کر ہم ایک کھلی وادی میں جا نکلے۔ اس دن جمعہ تھا۔ میں کسی مسجد کی تلاش میں تھا جو مین روڈ پر ہی مل جائے تا کہ جمعہ کی نماز ادا کر کے سفر آگے جاری رکھا جائے۔

اب روڈ تھا اور ہم تھے۔ 160 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر طے کرتے ہوئے چالیس منٹ میں ہم مدینہ تبوک ہائی وے پر جا نکلے۔ اس زمانے میں مجھے گاڑی تیز چلانے کی گندی عادت تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ بعد میں یہ عادت چھوٹ گئی۔ یہاں سے العلا سے آنے والی روڈ سیدھی حائل کی طرف جا رہی تھی۔ ہم نے ایگزٹ پکڑا اور تبوک کی جانب اپنا رخ کر لیا۔ ساتھ ہی ایک مسجد نظر آ رہی تھی۔ میں نے وہاں گاڑی روک دی۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو رہا تھا لیکن اس مسجد میں شاید جمعہ نہ ہوتا تھا۔ اس لئے ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم لوگ آگے روانہ ہوئے۔

صحرا میں دھوپ بہت تیز تھی اور روشنی ریت سے ٹکرا کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ میں نے اپنی اہلیہ سے سن گلاسز کا پوچھا تو انہوں نے کہیں سے چشمہ برآمد کر کے میری آنکھوں پر ٹکا دیا۔ یہ اسی ڈیزائن کا چشمہ تھا جو ہمارے لڑکے لگا کر موٹر سائیکلوں پر ہیرو بنے پھرتے ہیں۔ عام حالت میں تو میں اسے قطعاً استعمال نہ کرتا لیکن اب مجبوری تھی چنانچہ میں نے خود کو ایسا ہی چھچھورا ہیرو فرض کر لیا اور چشمہ لگا لیا۔ ناک پر یہ چشمہ عجیب سی سرسراہٹ پیدا کر رہا تھا جس کی مجھے بالکل عادت نہ تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی کی چھت میں کوئی کنڈا ہو جس سے دھاگا باندھ کر اس چشمے کو ناک سے کچھ اوپر اٹھا دیا جائے تا کہ یہ ناک پر عجیب و غریب سرسراہٹ پیدا نہ کرے لیکن بھلا ہو ٹویوٹا کمپنی کا جنہوں نے گاڑی کی چھت میں ایسی کوئی چیز نہ لگائی تھی۔ اب ایک بالکل سفید رنگ کا صحرا شروع ہو چکا تھا۔

تیماء

منزلوں پر منزلیں مارتے ایک گھنٹے میں ہم تیماء جا پہنچے۔ اس نام کی مناسبت سے قیمہ کھانے کو دل چاہ رہا تھا لیکن جس ہوٹل پر ہم رکے وہاں سوائے عرب کھانوں کے کچھ دستیاب نہ تھا چنانچہ ہمیں رز بخاری یا بخاری پلاؤ پر ہی گزارا کرنا پڑا۔ یہ پلاؤ ہمارے تڑکے والے چاولوں کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اگر تڑکے والے چاولوں سے نمک، مرچ اور دوسرے مصالحے غائب کر دیے جائیں تو باقی یہ بخاری پلاؤ بچتا ہے۔

میں تو بخاری پلاؤ کے نام ہی سے الرجک تھا اس لئے اپنے لئے پھل وغیرہ خریدنے کے لئے میں ساتھ واقع منی سپر مارکیٹ میں جا گھسا جہاں ایک عرب، عربی لباس زیب تن کیے نہایت ہی فصیح و بلیغ پنجابی میں فون پر تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے کیلے اور سیب خریدے۔ انہوں نے مجھے نجانے کیا سمجھا کہ مجھ سے عربی بولنے لگے۔ میں نے جب ٹھیٹھ پنجابی میں جواب دیا تو وہ بڑے خوش ہوئے۔



حجاز ریلوے کا انجن



حجاز ریلوے کے ڈبے



ہاتھی والی چٹان



مشکیزے والا چوک

تیماء ایک صاف ستھرا چھوٹا سا شہر تھا۔ یہاں کی خاص بات "مشکیزہ چوک" تھا جہاں ایک مشکیزے کی شکل کا فوارہ لگایا گیا تھا۔ اس

کے علاوہ ایک گلوب چوک بھی تھا جہاں زمین کا ایک گلوب بنا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد خوبصورت پارک بنایا گیا تھا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ سعودی عرب کے چھوٹے شہر کافی خوبصورت بنائے جاتے ہیں۔ مشکیزے چوک پر ایک پاکستانی صاحب کھڑے تھے اور ٹرکوں سے لفٹ کے طالب تھے۔ میں نے اہلیہ سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ انہیں ساتھ بٹھالیا جائے لیکن اس سے قبل کہ ہم ان تک پہنچتے، ایک ٹرک رک گیا اور انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا۔

تاریخی اعتبار سے عہد رسالت میں تیماء میں بھی یہودی آباد تھے جنہوں نے فتح خیبر کے بعد خود ہی سرنڈر کر دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اب ہمارا رخ مغرب کی جانب ہو چکا تھا اور ہم تبوک کی جانب رواں دواں تھے۔ العُلا سے اگر ایک روڈ حجاز ریلوے کے ساتھ ساتھ بنا دی جاتی تو تبوک تک کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر کم ہو جاتا لیکن اب ہمیں انگریزی حرف U کی طرح سفر کرنا پڑا تھا۔

آبپاشی کا نظام



ایک سفید کریسیڈا ہمارے پیچھے آ رہی تھی جس کا فاصلہ نہ تو ہم سے کم ہو رہا تھا اور نہ ہی زیادہ۔ کچھ دیر کے بعد ان صاحب کو جوش آیا اور وہ ہمیں کراس کر گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہم نے انہیں کراس کر لیا۔ وہ شاید یہ سمجھے کہ ہم ان سے ریس لگا رہے ہیں، چنانچہ وہ پھر ہمیں کراس کر گئے۔ میں نے جان بوجھ کر رفتار آہستہ کر لی تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو سکے۔ کافی دیر بعد ہم انہیں کراس کرنے لگے تو انہوں نے بریک لگا کر اور فلیش جلا کر ہمیں خبر دار کیا۔ دراصل ان کے آگے ایک پولیس کی گاڑی جا رہی تھی۔ میں نے بھی رفتار کم کر لی۔

تھوڑی دور جا کر "عرعر" کا ایگزٹ آ گیا۔ یہاں سے ایک روڈ "دومۃ الجندل" اور عرعر کی طرف جا رہی تھی۔ عرعر ایک سرحدی شہر ہے جو اردن اور عراق کی سرحد پر واقع ہے۔ دومۃ الجندل ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ عہد رسالت میں یہاں ایک بڑا تجارتی میلہ لگا کرتا تھا جس میں یمن، مکہ اور شام سے آنے والے تجارتی قافلوں کا مال بکا کرتا تھا۔ یہی سڑک اردن اور عراق کی سرحد کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی کویت اور پھر آگے قطر، عرب امارات اور عمان تک جاتی ہے۔

تبوک

عصر کے بعد ہم تبوک کے قریب جا پہنچے۔ اب روڈ کے دونوں طرف گول کھیت نظر آ رہے تھے۔ اس وقت انہیں پانی دیا جا رہا تھا۔

آبپاشی کے اس نظام کو دیکھنے کا یہ میرے لئے پہلا موقع تھا۔ لوہے کی ایک طویل گرل تھی جس پر پائپ لگے ہوئے تھے اور پانی فوارے کی صورت میں دونوں طرف گر رہا تھا۔ اس گرل کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ جب یہ گرل گردش کرتی ہے تو گولائی کی صورت میں پورے کھیت کو سیراب کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں کھیت گول شکل کے ہوتے ہیں۔ یہ نظام ہمارے آبپاشی کے نظام سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس میں پانی کا درست استعمال کیا جاتا ہے اور اسے بلاوجہ ضائع نہیں کیا جاتا۔

ہمارے پاکستان میں ایک بڑی برائی یہ ہے کہ پانی کو نہایت ہی بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے۔ لوگ نل کھلے چھوڑ کر بند کرنا بھول جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ہمارے زیر زمین پانی کے ذخائر دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں۔ دریاؤں کے پانی کی مینجمنٹ کا نظام ایسا ہے کہ کبھی تو ہم خشک سالی کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی سیلاب کا۔ اگر ہم نے مناسب تعداد میں ڈیم نہ بنائے تو باقی پاکستان کا انجام بھی وہی ہو گا جو دریائے ہاکڑہ کے خشک ہونے کے بعد چولستان کا ہوا تھا۔ ہمارے کھیت صحراؤں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ہم پانی کی بوند بوند کو ترسیں گے۔

پانی دینے کے باعث اب ہماری ناک سے گیلی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو ٹکرا رہی تھی۔ دونوں طرف کھیت اور سبزہ اور روڈ پر چارہ لے جانے والی گاڑیوں کے باعث ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہم پنجاب کے کسی دیہاتی روڈ پر سفر کر رہے ہیں۔ انہی کھیتوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے ہم تبوک شہر میں داخل ہو گئے۔

ایک پیٹرول پمپ سے ہم نے ٹنکی دوبارہ فل کروائی۔ پمپ والے صاحب پاکستانی تھے۔ ان سے میں نے اس مقام کا دریافت کیا جہاں غزوہ تبوک کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے قیام فرمایا تھا۔ اس مقام پر بعد میں مسجد بنا دی گئی تھی جو مسجد رسول کہلاتی تھی۔ انہوں نے مجھے راستہ سمجھا دیا۔ اب ہم ان کے بتائے ہوئے راستے پر ہو لیے۔ پہلے مسجد ابو بکر آئی۔ روایت ہے کہ یہاں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیام فرمایا تھا۔ اس کے بعد ہم مسجد رسول پر پہنچ گئے۔ سادہ سی مسجد تھی اور اس پر محکمہ اوقاف کا بورڈ لگا ہوا تھا جس میں اس مسجد کو آثار قدیمہ میں شامل قرار دیا گیا تھا۔ مسجد کی موجودہ تعمیر 1409ھ یا 1989ء کی تھی۔ مسجد کے قریب ہی وہ چشمہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی دعا پر جاری فرمایا تھا۔ آپ نے تبوک اور اس کے گردونواح کے لئے پانی کی دعا فرمائی تھی۔ یہ دعا پوری ہوئی اور اب تبوک ایک زرعی علاقہ ہے۔

غزوہ تبوک

ہجرت کے نویں سال جب مکہ، طائف اور عرب کا بیشتر حصہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے خطوط لکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ان علاقوں کو متعین فرما دیا تھا جہاں انہوں نے فوجی کاروائی کے ذریعے شرک کی حکومت کا خاتمہ کرنا تھا۔ انہی سلطنتوں میں شمال کی غسانی سلطنت بھی تھی۔ یہ سلطنت موجودہ اردن کے علاقوں کے علاوہ تبوک تک پھیلی ہوئی تھی اور قیصر روم کی باجگزار تھی۔ اس کا حکمران شرحبیل اگرچہ اہل کتاب عیسائیوں سے تعلق رکھتا تھا مگر نہایت ہی بدتمیز

شخص تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے قاصد کو شہید کروا دیا تھا جس پر جنگ موتہ ہوئی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

رومی افواج قبیلہ بنو غسان کو ملا کر مدینہ پر حملہ کرنے کے تیاریاں کر رہی تھیں۔ شدید گرمی اور خشک سالی کے دن تھے اور اہل مدینہ کی پورے سال کی محنت کھجوروں کی فصل کی صورت میں تیار تھی۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے آگے بڑھ کر رومی افواج کا مقابلہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقابلے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رومی افواج کی تعداد لاکھوں میں تھی اور اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتیں تو حق کی وہ شمع جو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے 22 برس کی جدوجہد سے روشن کی تھی، بجھنے کا امکان تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اپنے جانثاروں کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑھ چڑھ کر ایثار کیا۔ سیدنا عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے بڑی بڑی رقمیں اور اونٹ پیش کیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لے آئے۔ انہیں امید تھی کہ شاید آج وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نیکی میں آگے بڑھ جائیں لیکن جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا پورا سامان اٹھالائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کبھی ابوبکر سے نیکی میں آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔ خواتین نے اپنے زیور اتار کر دے دیے، غریب صحابہ نے محنت مزدوری سے جو کمایا لا کر پیش کر دیا اور بہت سے جانثار صحابہ اپنی پکی ہوئی فصل چھوڑ کر شدید گرمی کے موسم میں مدینہ آ پہنچے۔

ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس سواری تک نہیں تھی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے عرض کی کہ اگر اسلحہ اور سواری کا انتظام ہو جائے تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔ جن کو سواریاں نہ مل سکیں وہ اس پر روتے تھے کہ ہم اس سعادت سے محروم رہ گئے۔ اس موقع پر منافقین بھی تھے جو حیلے بہانے سے پیچھے رہنا چاہتے تھے۔

تیس ہزار کا لشکر جرار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم روانہ ہوئے۔ سامان کی اس قدر قلت تھی کہ صرف دس ہزار کو سواری میسر آ سکی تھی اور لوگ باری باری اونٹوں پر سوار ہوتے تھے۔ قیصر روم، اہل کتاب ہونے کے ناطے، یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ کے رسول کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ رسول کے ساتھ مقابلے میں اسے کبھی غلبہ نصیب نہ ہو گا۔ اس نے جب سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم خود مقابلے کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو اس نے اپنی فوجیں ہٹالیں۔

اس فتح بلاجنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو روم اور مدینہ کی سلطنتوں کے درمیان بفر اسٹیٹس کی حیثیت رکھتی تھیں، اسلامی حکومت کی مطیع ہو گئیں۔ دومۃ الجندل، ایلہ اور موجودہ اردن کے عیسائی حکمرانوں نے جزیہ دے کر اسلامی حکومت کے تحت رہنا قبول کر لیا۔ اس فتح کے بعد منافقین کو بھی بے نقاب کر دیا گیا اور ان کی اکثریت نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔

اس غزوہ میں منافقین کے علاوہ تین صاحب ایمان صحابہ اپنی سستی کے باعث شریک نہ ہو سکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے منافقین کا عذر تو قبول کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان تین اصحاب کو یہ سزا دی گئی کہ ان کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا۔ ان حضرات سے دشمن بادشاہوں نے رابطہ کیا کہ تم ہم سے آملو لیکن ان کا اخلاص ایسا تھا کہ انہوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ

ادا ایسی پسند آئی کہ اس نے ان کی توبہ قبول کر کے ان کی سزا معاف کر دی۔

مسجد سے نکل کر ہم لوگ مین روڈ پر آئے۔ یہاں حجاز ریلوے کا تبوک کا ریلوے اسٹیشن ہمارے سامنے تھا۔ شہر سے نکل کر ہم لوگ اردن کی طرف جانے والی سڑک پر آئے۔ مجھے سعودی عرب کے سرحدی قصبے کے نام کا علم نہیں تھا البتہ اردن کے سرحدی قصبے کا علم تھا۔ پولیس چوکی پر میں نے ایک پولیس والے سے اس کا پوچھا تو انہوں نے خندہ پیشانی سے راستے کی تفصیلات کا بتا دیا۔

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق مقامات، کا سفر میں اب مکمل کر چکا تھا۔ اب ہمارے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہو رہا تھا جس میں اردن اور مصر کے مقامات شامل تھے۔ اس کی تفصیلات اس سفر نامے کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیے۔



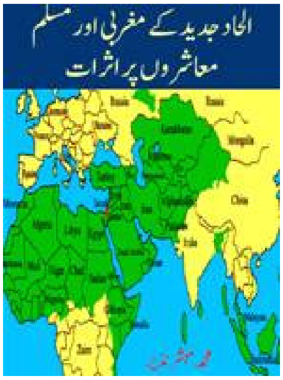
مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تبوک)

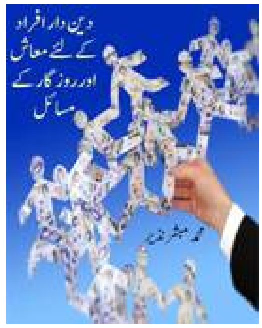
مسجد ابو بکر رضی اللہ عنہ

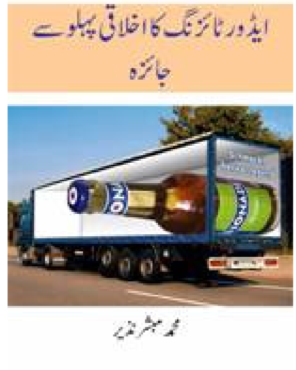


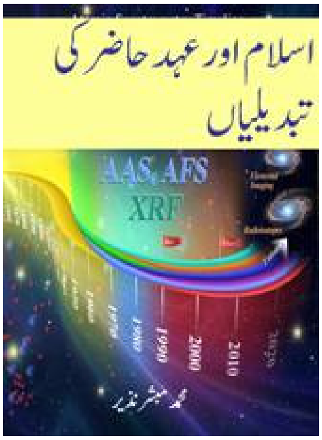
مزید مطالعہ کے لئے وزٹ کیجیے: www.mubashirnazir.org



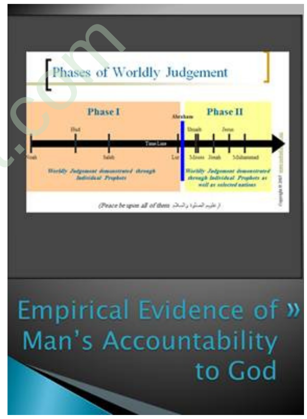

الحاد جدید کے مغربی اور مسلم
معاشروں پر اثرات
محمد مبشر نذیر

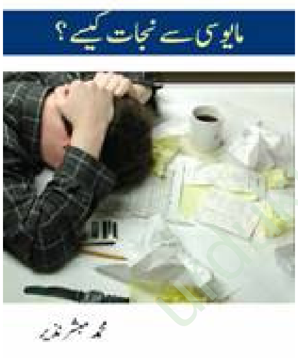

دین دار افراد
کے لئے معاش
اور روزگار کے
مسائل
محمد مبشر نذیر

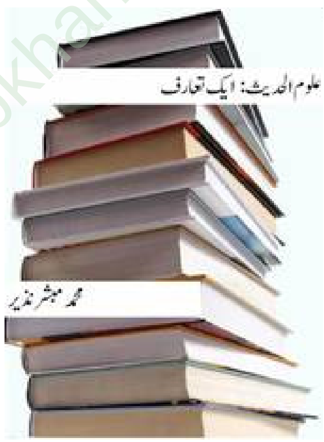

ایڈورٹائزنگ کا اخلاقی پہلو سے
جائزہ
محمد مبشر نذیر

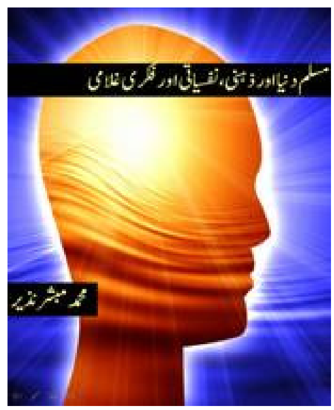

اسلام اور عہد حاضر کی
تبدیلیاں
AAS, AFS
XRF
محمد مبشر نذیر

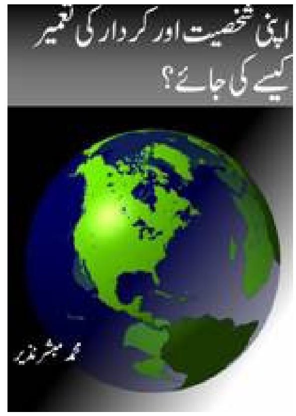

اسلام اور نسلی و قومی امتیاز
محمد مبشر نذیر

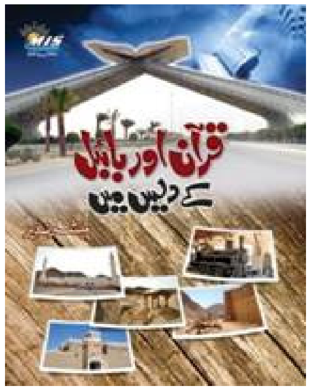

Phases of Worldly Judgement
Phase I
Phase II
Empirical Evidence of Man's Accountability to God

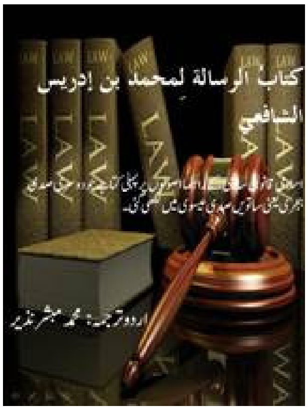

مایوسی سے نجات کیسے؟
محمد مبشر نذیر

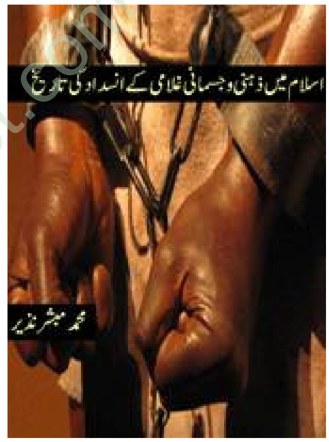

علوم الحدیث: ایک تعارف
محمد مبشر نذیر

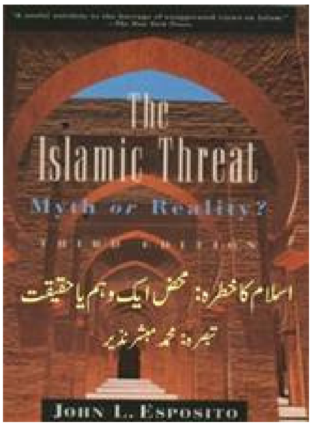

مسلم دنیا اور ذہنی، نفسیاتی اور فکری غلامی
محمد مبشر نذیر

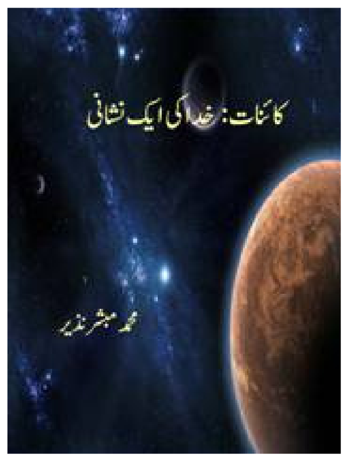

اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟
محمد مبشر نذیر

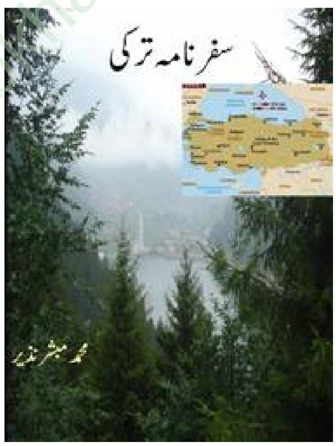

قرآن اور بائبل کے دیس میں

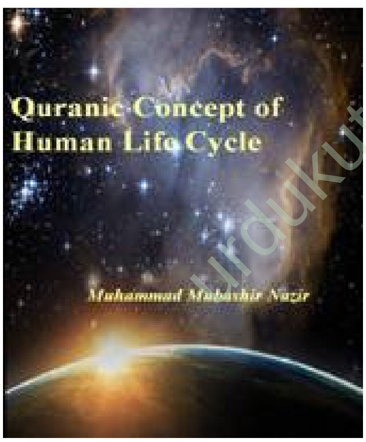

كتاب الرسالة لمحمد بن إدريس الشافعي
اردو ترجمہ: محمد مبشر نذیر


اسلام میں ذہنی و جسمانی غلامی کے انسداد کی تاریخ
محمد مبشر نذیر


The Islamic Threat
Myth or Reality?
Third Edition
اسلام کا خطرہ: محض ایک وہم یا حقیقت
تبصرہ: محمد مبشر نذیر
John L. Esposito


کائنات: خدا کی ایک نشانی
محمد مبشر نذیر


سفرنامہ ترکی
محمد مبشر نذیر


Quranic Concept of Human Life Cycle
Muhammad Mubashir Nazir